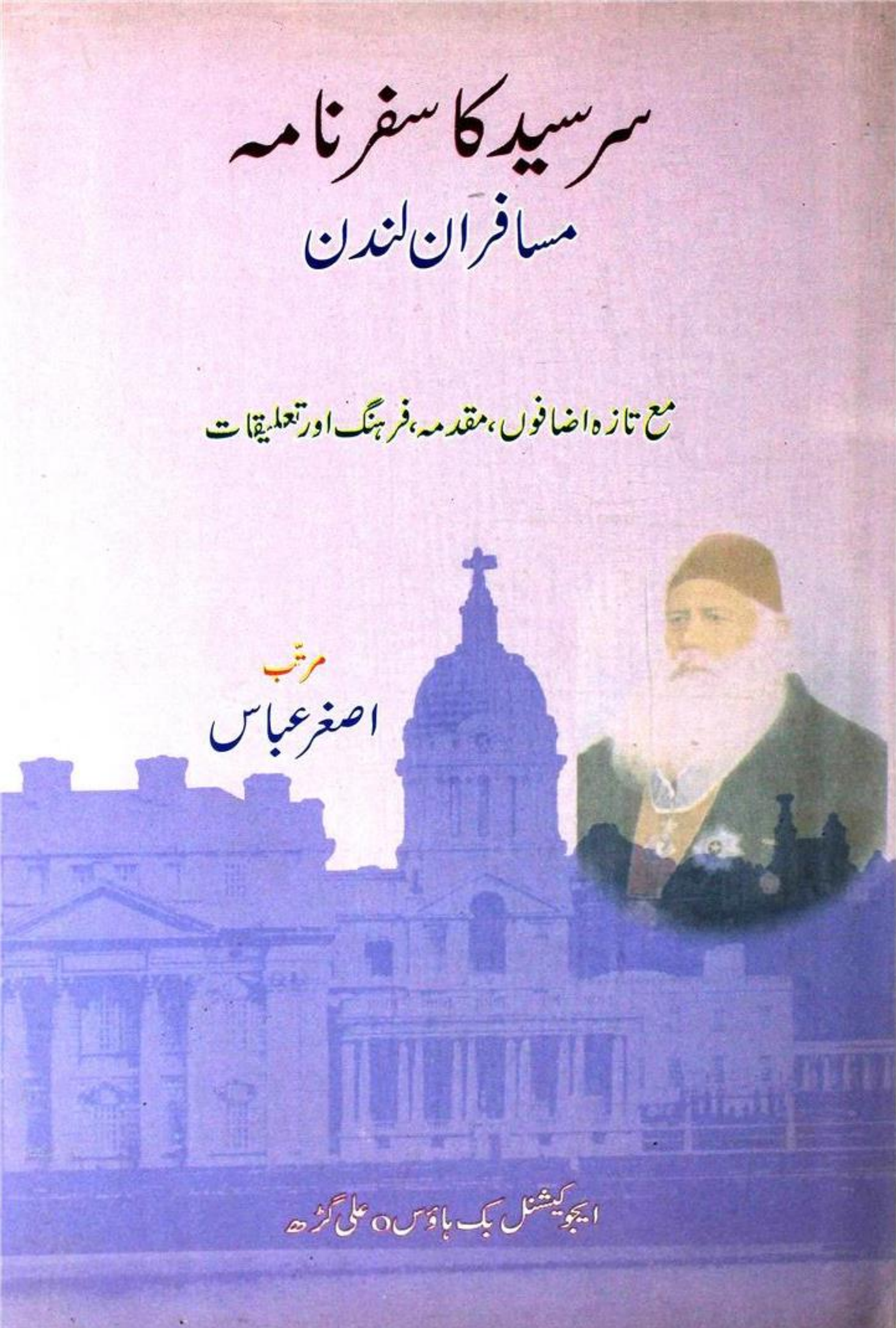
سرسید کا سفرنامہ

مسافرانِ لندن

مع تازہ اضافوں، مقدمہ، فرہنگ اور تعلیقات



مرتّب

اصغر عباس

ایجوکیشنل بک ہاؤس ○ علی گڑھ

سرسید کا سفرنامہ

مسافران لندن

مع تازہ اضافوں، مقدمہ، فرہنگ اور تعلیقات

مرتّب

اصغر عباس

ایجوکیشنل بک ہاؤس ○ علی گڑھ

(C) اصغر عباس

ایڈیشن: ۲۰۰۹ء
قیمت: =/۲۵۰ روپے
مطبع: لیتھو کلر آفسٹ پرنٹرس، اچل تال، علی گڑھ

ایجوکیشنل بک ہاؤس
مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ

انتساب

عبدالوهاب خاں سلیم کے نام

(نیویارک)

”اس سفرنامہ کا خواب ناک انداز ہمیں
چند بہترین سفرناموں کی یاد دلاتا ہے۔“

(اخبار سینٹ جیمس بجٹ ۳۱/اکتوبر ۱۸۸۵ء)

فہرست

۱۔شروع کی بات	اصغر عباس	۷
۲۔مسافران لندن (۱)	.....	۲۵
۳۔مسافران لندن (۲)	.....	۳۴
۴۔مسافران لندن (۳)	.....	۳۸
۵۔مسافران لندن (۴)	.....	۴۹
۶۔مسافران لندن (۵)	.....	۵۶
۷۔مسافران لندن (۶)	.....	۶۴
۸۔مسافران لندن (۷)	.....	۷۲
۹۔مسافران لندن (۸)	.....	۸۱
۱۰۔مسافران لندن (۹)	.....	۸۹
۱۱۔مسافران لندن (۱۰)	.....	۹۸
۱۲۔مسافران لندن (۱۱)	.....	۱۰۵
۱۳۔مسافران لندن (۱۲)	.....	۱۱۵
۱۴۔لندن سے سرسید کا خط	.....	۱۴۷
۱۵۔لندن سے سرسید کا خط ایڈیٹر گزٹ کے نام.....		۱۶۰
۱۶۔مسافران انگلستان	.....	۱۶۳
۱۷۔ویچسٹر کالج	.....	۱۷۳
۱۸۔شمالی لندن کا کالجیٹ اسکول لڑکیوں کے واسطے.....		۱۷۶

۱۹۔ا تھینیم کلب ۱۸۲

۲۰۔لاوارث اور محتاج بچوں کی حفاظت ۱۸۹

۲۱۔جلوس سواری حضور ملکہ معظمہ وکٹوریہ دام سلطنت ہا..... ۱۹۵

۲۲۔کھولا جانا رائل پارلیمنٹ کا ۲۰۳

۲۳۔ایک دلچسپ نظیر واسطے اہل ہند کے ۲۰۹

۲۴۔ہندوستانیوں کی تعلیم کے سلسلے میں علوم کی فہرست.... ۲۱۷

۲۵۔ہندوستانیوں کے واسطے ولایت جانے کا وظیفہ..... ۲۲۳

۲۶۔انگلستان کی سیر ۲۲۷

۲۷۔سرسید کے خط کے بارے میں راجہ جے کشن داس کا نوٹ ۲۳۰

۲۸۔سکریٹری سائنٹفک سوسائٹی راجہ جے کشن داس کا خط سرسید کے نام ۲۳۳

۲۹۔سید احمد خان اور اخبار نور الابصار ۲۳۸

۳۰۔نامہ نگار کا رنامہ اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا نوٹ..... ۲۴۲

۳۱۔سید امداد العلی کا خط راجہ جے کشن داس کے نام..... ۲۴۷

۳۲۔راجہ جے کشن داس کا خط سید امداد العلی کے نام..... ۲۵۱

۳۳۔سرسید کی تحریر کے بارے میں اخبار عالم کی رائے..... ۲۵۸

۳۴۔خطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ..... ۲۶۱

۳۵۔ولایت کے سفر کے سلسلے میں ۲۶۵

۳۶۔عذر از طرف گنہگار سید احمد ۲۶۸

۳۷۔فرہنگ وتعلیقات ۲۷۸

۳۸۔مآخذ ومصادر ۲۹۴

●●●

شروع کی بات

سرسید ۱۸۶۹ء کے موسم بہار میں ایک پُر جوش زائر کی طرح یکم اپریل کو بنارس سے عازم لندن ہوئے۔ اُن کے ساتھ ان کے دونوں بیٹے سید محمدؐ حامد اور سید محمدؐ محمود تھے اس کے علاوہ ان کے ذاتی مددگار عظیم اللہ عرف چھجو نیز ان کے ایک قریبی شناسا مرزا خداداد بیگ تھے۔ سرسید کے پہلے سوانح نگار جی۔ ایف۔ آئی گراہم[1] کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ مرزا خداداد بیگ بمبئی سے اُن کے شریک سفر ہوئے۔ واقعہ یہ ہے کہ سرسید کے آغاز سفر سے خداداد بیگ ان کے رفیق سفر تھے۔

اس سفر کا مقصد برصغیر کے تہذیبی مزاج کی تجدید اور اس کو جنت نظیر بنانے کی دُھن تھی۔ اس زمانے میں لندن دنیا کا واحد شہر تھا جس نے اپنے عزم و استقامت کا لوہا ساری دنیا سے منوالیا تھا۔ یہ شہر عالمی تہذیبوں کا مقام اتصال و ارتباط بنا ہوا تھا، اور عالم میں انتخاب تھا اور سرسید کا خیال تھا کہ جہاں کوئی چراغاں ہے وہ اپنا ہی چراغاں ہے۔

اس زمانے میں برصغیر میں مشرق و مغرب کے تہذیب و علوم کے مختلف دھاگے ایسے الجھے ہوئے تھے جو سلجھنے کا نام نہیں لے رہے تھے اور انھیں سلجھانے کے لیے کوئی آگے بھی نہیں بڑھ رہا تھا۔ اس صورت حال نے برصغیر کو خاصا اذیت بدوش بنا دیا تھا۔ لیکن اس مسئلہ کے حل کے لیے اپنی حیرت ناک خواہشات کے ساتھ سرسید نے کمر ہمت چست باندھی۔ حصول مقصد کی یہ دُھن ان کے پورے وجود پر غالب تھی۔ اس میں بے پناہ قوت تعجیل تھی اور استنباط نتائج کی بے صبری کبھی ہٹ اور کبھی طلب شدید سے جوش و وحشت میں تبدیل ہو جاتی تھی سرسید لندن میں ۴ ستمبر ۱۸۷۰ تک رہے لیکن اس عرصے میں شاید ہی

ان کا کوئی دن ایسا ہو جو اپنے مقصد سے خالی رہا ہو یا شاید ہی کوئی رات ایسی ہو جو اپنے بستر پر کروٹیں بدلتے نہ گزری ہو۔

سرسید کے نفائس علمی اور تہذیبی میں ان کا سفرنامہ مسافرانِ لندن بھی ہے۔ اس سفرنامہ کو اردو کے ان سفرناموں کے پیمانے پر ناپا نہیں جاسکتا جو قاری کو دور دراز کے اقالیم کی مزیدار سیر کرادیتے ہیں۔ یہ سفرنامہ برصغیر کے ایک عظیم سپوت، ایک مجاہد، ایک مدبر، ایک مصلح، ایک معلم دینیات، ایک تاریخ داں اور ایک ماہر تعلیم کی سیرت گری اور اس کے انداز اور اس کے تہذیبی شعور کی مسافران لندن کے ذریعہ صورت گری ہے۔ سرسید زمانۂ حال کے جیتے جاگتے لمحوں پر یقین رکھتے تھے۔ وہ عصری علوم کے پیاسے تھے اور دانش حاضر کے متلاشی تھے۔ وہ برصغیر کی شناخت کے لیے سرگرداں تھے اور اسی کی تلاش میں وہ عازم لندن تھے۔ یہ سفرنامہ اُس زمانے کے حالات سے نپٹنے کے لیے لکھا جارہا تھا۔ اسی لیے یہ سرسید کے ذہنی اور باطنی واردات کا بیان بھی بن گیا ہے۔

اثنائے سفر میں چاہے مصر کی نہروں کا نظام ہو یا پیرس کے نگار خانے ہوں یا لندن کے عجائبات ہوں، کیمبرج یونیورسٹی، انڈیا آفس لائبریری، اتھنیم کلب، مدارس نسواں، ارباب کمال کی ملاقات، برٹش میوزیم، انجینئرنگ کی ترقیات، ونچسٹر کالج، پل کا افتتاح، جنگی جہازوں کی تیاری، توپوں کا دغنا، عام کاری گروں کی صنعت وحرفت لندن کا لبرل ماحول سب کو انھوں نے وارفتگی سے دیکھا اور بار بار انھیں اپنے اہل وطن یاد آئے۔ سرسید کا یہ سفرنامہ اردو کے تمام سفرناموں سے اس لیے بھی علیٰحدہ ہے کہ جس مصنف نے اسے لکھا ہے وہ اردو کی تہذیبی تاریخ میں اب تک منفرد ہے اور یہ تو کہتے ہی ہیں کہ جیسا سفرنامہ نگار ویسا اس کا سفرنامہ۔

سرسید سے قبل انگلستان کے جتنے سفرنامے لکھے گئے ہیں ان مین لندن کی تعریف کے پل باندھے گئے ہیں۔ ۱۷۶۵ء میں جب شیخ اعتصام الدین بن تاج الدین انگلستان گئے تو وہ لندن کو دنیا کا سب سے آباد، اچھا اور معمور شہر بتاتے ہیں۔ ۱۷۹۹ء میں

میر لندنی ابو طالب اصفہانی جب لندن گئے تو وہ بھی شہر کے حسینوں کی مدح میں شعر پر شعر کہے جاتے ہیں۔ عبادت بریلوی کی تحقیق کے مطابق اردو کا پہلا سفر نامہ سیاحت نامہ مصنفہ نواب کریم خاں ہے۔ وہ یکم دسمبر ۱۸۳۹ء کو کشتی کے ذریعہ دلی سے کلکتہ روانہ ہوئے اور وہاں سے یکم مارچ ۱۸۴۰ء کو عازم انگلستان ہوئے وہ بھی لندن کو رشک فردوس لکھتے ہیں۔ پروفیسر تحسین فراقی کی تحقیق کے مطابق نواب کریم خاں کی لندن روانگی سے کم و بیش دو ڈھائی برس قبل ۳۰/مارچ ۱۸۳۶ء کو یوسف خاں کمبل پوش کلکتہ سے لندن روانہ ہوئے اور ۱۸۳۷ء میں لندن وارد ہوئے۔ انگلستان کی سیاحت کے بعد انھوں نے اپنا سفر نامہ عجائبات فرنگ تاریخ یوسفی کے عنوان سے ۱۸۴۷ء میں مطبع العلوم دہلی سے شائع کیا۔ ۱۸۵۶ء میں معزول شاہ اودھ نے مسیح الدین علوی کاکوروی کو اپنا وکیل بنا کر ۱۸/جون ۱۸۵۶ء کو دربار انگلستان میں بھیجا تھا۔ ان کا سفر نامہ سفیر اودھ کے عنوان سے شائع ہوا۔ ان سفر نامہ نگاروں کے محرکات سفر دوسرے ہیں۔ یہ سب انگلستان کے حسن و جمال وہاں کی صفائی ستھرائی سے مرعوب ہیں۔ یہی نہیں شبلی تو خدا کی شان دیکھنے لندن کبھی نہیں گئے لیکن ۱۸۹۲ء کے رمضان المبارک میں جب انھوں نے قسطنطنیہ کا سفر کیا تو اپنے سفر نامہ روم مصر، شام میں غلطہ کا ذکر کرتے ہوئے جہاں انگریزوں کی بود و ماند تھی۔ لکھتے ہیں: ''غلطہ کو دیکھو تو یورپ کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ دُکانیں بلند اور آراستہ، سڑکیں وسیع اور ہموار، کیچڑ اور نجاست کا کہیں نام نہیں۔ برخلاف اس کے استنبول میں جہاں زیادہ تر مسلمانوں کی آبادی ہے اکثر سڑکیں ناصاف اور بعض جگہ اس قدر ناہموار کی چلنا مشکل... حقیقت یہ ہے کہ صفائی اور خوش سلیقگی آج کل یورپ کا خمیر بن گیا ہے۔''

لندن کے سفر میں سرسید ایک ہندوستانی کی حیثیت سے چیزوں کا مشاہدہ کررہے تھے وہ ہر مفید چیز کو اپنانا چاہتے تھے جو دوسرے ملکوں چاہے مصر میں ہو، فرانس میں ہو یا انگلستان میں ہو، اسی لیے وہ دوسرے ملکوں میں جو کچھ دیکھتے ہیں اس کا موازنہ برصغیر سے کرنے لگتے ہیں۔

بنارس سے انگلستان جاتے ہوئے انھوں نے جہاں جہاں قیام کیا یا جن مقامات سے گزرے ان کی تفصیلات بھی وہ اس سفرنامہ میں بیان کرتے ہیں۔ اس سفرنامہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں سفر کی تمام جزئیات کے باوجود ان کی اپنی شخصیت کا پرتو بھی نظر آتا ہے اور اس میں ایک نیم ڈرامائی اور قارئین سے براہِ راست گفتگو کا انداز نمایاں ہے جیسے وہ غیر شعوری طور پر اردو میں رپورتاژ کی اساس رکھ رہے ہوں۔

دورانِ سفر جب وہ بیلگام ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو وہاں پانی کی سبیلوں کا انتظام دیکھا جس سے ریل کے مسافروں کو بہت آرام تھا اور اس قسم کی سبیلیں کامتی سے بمبئی تک مختلف اسٹیشنوں پر موجود تھیں اس وقت اُنھیں شمالی ہند کے ریلوے اسٹیشن یاد آئے اور افسوس کیا کہ ایسا انتظام علی گڑھ اور ہاتھرس کے ریلوے اسٹیشنوں پر بھی ہونا چاہیے۔ لکھتے ہیں:

''زندگی اور مال و دولت اپنے آرام کو نہیں ہے بلکہ اوروں کے آرام پہنچانے کے لیے ہے۔''

بمبئی میں جب وہ پارسیوں کو دیکھتے ہیں تو وفورِ مسرت سے لکھتے ہیں کہ:

''پارسیوں نے البتہ قومی ترقی خوب کی ہے۔ تمام پارسی کیا بڑا اور کیا چھوٹا سب ایک وضع کی پوشاک پہنتے ہیں۔ نہانا اور پوشاک بدلنی اور صفائی سے رہنا بالکل اختیار کیا ہے۔ اولوالعزمی بھی ان میں بہت ہے۔ تجارت اور نوکری کو دور دور جاتے ہیں۔ شائستگی اور تربیت میں روز بروز ترقی کرتے ہیں۔ لڑکیوں کی تربیت کی طرف متوجہ ہیں۔ ہر ایک پارسی انگریزی پڑھا ہوا ہے۔ باایں ہمہ اپنے مذہب کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ غرض کہ بمبئی میں مجھے پارسی بہت پسند آئے اور انھوں نے نہایت عمدہ طرح پر قومی ترقی شروع کی ہے۔''

برخلاف اس کے بمبئی میں جب وہ رحمت اللہ سلیمان میمن سوداگر کی دوکان پر ٹھہرے تو انھوں نے اس کو ترغیب دی کہ ''میمنوں نے جو متفرق چھوٹے چھوٹے

نامعقول صرف نام کے لیے مدرسے بنا رکھے ہیں ان کو موقوف کریں اور سب میمن مل کر ایک بڑا اور نہایت عمدہ عربی کالج بنا دیں..... میمنوں میں بہ جز اس کے کی اچھے کپڑے پہنتے ہیں اور عربی عمامے باندھتے ہیں اور بگھیوں میں چڑھتے ہیں اور اپنے نام اور شیخی کے پیچھے مرتے ہیں اور کچھ قومی ترقی نہیں کی۔''

سرسید جس جہاز میں بمبئی سے لندن کے لیے ۱۰/اپریل ۱۸۶۹ء کو روانہ ہوئے اس میں ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے انگریز تو تھے لیکن ان کی طرف کا کوئی انگریز مسافر نہیں تھا۔ سرسید لکھتے ہیں کہ ''اس سبب سے میں نہیں جان سکتا کہ جب یہ صاحب لوگ ہندوستان میں تھے تو ان کا مزاج اور اخلاق کیسا تھا۔ مگر جہاز میں سب کا مزاج اور اخلاق نہایت اچھا ہے۔ ہر موقع پر گڈ مارننگ، اور تھینک یو کہتے ہیں۔'' سرسید ہندستانی صاحبان انگریز پُر لطیف طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یا تو یہ صاحبان ہندوستان میں بھی ایسے خوش مزاج ہوں گے یا آب و ہوا کے اختلاف کے سبب یہ ہوگا۔ اس لیے کہ سمندری ہوا نہایت صحت بخش ہے۔'' سرسید ہندوستان میں فاتح و مفتوح کے امتیاز کو ناپسند کرتے تھے اور ہندوستانیوں اور انگریزوں کے درمیان باہم محبت و مودت کے لیے کوشاں تھے۔

اسی جہاز پر لفٹننٹ جے بی لارنس بھی تھے جو مدراس میں تعینات تھے۔ انھوں نے سرسید سے کہا کہ ''میرا کام توپ مارنے کا ہے میں مشنری نہیں ہوں لیکن میں نے مدراس میں سنا ہے کہ تین مذاہب ہندو، عیسائی اور مسلمان سچے ہیں، لیکن میرے نزدیک سچا مذہب صرف ہمارا ہے۔ اسی لیے خدا کی مہربانی سب سے زیادہ انگریزوں پر ہے۔'' انھوں نے بحر و بر پر انگریزوں کی بالادستی کا ذکر کیا۔ مرسید نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب باتیں دنیا کے کاموں سے متعلق ہیں ان سے اور مذہب کے سچے اور جھوٹے ہونے کا کوئی واسطہ نہیں۔ یہ سن کر لارنس چپ ہو رہے۔ وہ سمجھے کہ اب بات ختم ہوگئی اس لیے کہ آپس کی صحبت اور ملاقات میں مذہبی گفتگو کو سرسید ناپسند کرتے تھے۔ لارنس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ چوں کہ وہ مذہب کی طرف بہت متوجہ ہیں

اس لیے منکسر، بااخلاق اور بموجب اصول اپنے مذہب کے غیروں سے محبت کرنے والے ہوں گے لیکن بعد میں سرسید کی یہ رائے ان کے متعلق قائم نہیں رہی۔

میجر ڈاڈ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ناگپور بھی اسی جہاز میں تھے وہ سرسید سے بہت اخلاق سے ملے۔ وہ گھنٹوں آکر ان کے پاس بیٹھتے تھے۔ سرسید ان کو نہایت مہذب اور بااخلاق آدمی خیال کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں ''میں ہر ایک کے اپنے مذہب میں پختہ ہونے کو نہایت عمدہ جانتا ہوں مگر تعصب کو ایک بڑا نقص اخلاق انسانی میں اور نیچر یعنی حکمت الٰہی کے برخلاف سمجھتا ہوں تو ایسے اچھے آدمی میں جیسے کہ میجر ڈاڈ صاحب ہیں میں ایسا نقص کیوں کر خیال کر سکتا تھا مگر ایک دن اتفاقیہ یہ ذکر آیا کہ فلاں صاحب باوصف بڑی لیاقت کے ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن اس لیے نہیں ہوئے کہ شاید وہ لامذہب ہیں اور کسی مذہب کے سچے ہونے کا یقین نہیں رکھتے۔ میں نے کہا کہ ''میری رائے میں ضرور ہے کہ ہندوستان میں ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ایسے ہی ہوں، جو لامذہب ہوں۔ کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا کہ جب ہندوستان میں مختلف قوم اور مختلف مذہب کے لوگ بستے ہیں تو مذہبی آدمی کا افسر تعلیم ہونا اکثر دفعہ بے تعصب عام تعلیم کا مانع ہو جاتا ہے۔ یہ بات سن کر متعجب سے ہو کر خاموش ہو رہے۔ درحقیقت میری رائے یہ ہے کہ جیسا خدا بے تعصب ہے مشرک، بت پرست، خدا پرست سب کو برابر پرورش کرتا ہے اسی طرح گورنمنٹ کو اور افسر تعلیم کو بے تعصب ہونا چاہیے۔ جب ہی گورنمنٹ ظل اللہ اور افسر تعلیم معلم صفت من صفات اللہ ہو سکتا ہے۔''

اسی جہاز میں ان سے ایک پارسی گجراتی نوجوان سے ملاقات ہوئی جو نہایت شستہ اردو میں ان سے بات چیت کرتا تھا اس نے کہا کہ گجراتی زبان میں بہت سے فارسی لفظ ہیں جو ذرا سے تغیر میں گجراتی اردو ہو جاتی ہے۔ سرسید کا جہاز جب عدن پہنچا، تو یہاں بازار کے لوگ اور سمالی قوم کے لوگوں کو انھوں نے اردو بولتے دیکھا تو لکھا کہ ''کوئی ضروری کام بند نہیں رہ سکتا۔ سب اردو میں انجام ہو سکتا ہے۔ الحمدللہ کہ عدن تک

تو اردو زبان کی شہنشاہی قائم ہے۔'' بعد میں جب ترکی جاتے ہوئے شبلی کا جہاز ۱۳ر مئی ۱۸۹۲ء کو سوئز پہنچا اور تین چار گھنٹے کے لیے ٹھہرا اور جہاز پر مصری عرب، پنیر، کھجور اور روٹیاں بیچنے کے لیے لائے ان میں سے ایک نے شبلی کو ہندوستانی خیال کر کے اردو میں باتیں کرنی شروع کیں شبلی لکھتے ہیں کہ ''مجھ کو تعجب ہوا اور جب دریافت سے معلوم ہوا کہ اس نے کبھی ہندوستان کی صورت نہیں دیکھی تو اردو کی عالم گیری پر مجھ کو اور تعجب ہوا۔''

عدن میں سرسید کی ملاقات ایک مارواڑی تاجر سے ہوئی اس کی زبانی جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ہندو آبادی یہاں باعزت زندگی گزار رہی اور ان کے عدن میں تین مندر ہیں اور عدن تک ہندو آتے جاتے ہیں۔ جہاز میں بیٹھنے سے ان کی ذات و مذہب میں کوئی فرق نہیں پڑتا، تو انھیں نہایت خوشی ہوئی۔ انھوں نے دعا کی کہ ''خدا ہمارے ملک (شمالی ہند) کے ہندوؤں کو بھی یہ دن نصیب کرے۔''

عدن میں دو دُکانیں انھیں بھٹے بیچنے والوں کی دکھائی دیں۔ یہاں انھوں نے ایک نان بائی سے پراٹھے پکوائے بالکل ویسے ہی پراٹھے جیسے کہ دہلی میں قطب صاحب کے علاقے میں بکتے ہیں۔ عدن میں یہ سب دیکھ کر انھیں اپنا وطن ہندوستان یاد آیا۔

عدن تک سفر میں انھیں کوئی عجیب جانور سمندر میں دکھائی نہیں دیا۔ صرف تین جانوران آبی، فاسفورس، جلفش، جس کو جہاز کے خلاصی جھنّا کہتے ہیں اور ایک پرند مچھلی دکھائی دی ان جانوروں کو دیکھ کر سرسید ایک عجیب نوع کی مسرت محسوس کرتے ہیں اور ان سب کا ذکر تفصیل سے کرتے ہیں۔

اسی جہاز میں مس کارپنٹر بھی تھیں جو ہندوستانی لڑکیوں کی تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں چار بار ہندوستان آچکی تھیں۔ انھوں نے سرسید سے درخواست کی کہ وہ ہندوستانی خواتین کی تعلیم و تربیت کے بارے میں ان کی نوٹ بک میں اپنی رائے لکھ دیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''مجھ کو بڑودہ'' دخانی جہاز میں جب کہ میں لندن کو جاتا تھا مس کارپنٹر سے ملاقات کی عزت اور بے انتہا مسرت حاصل ہوئی۔ جب سے میں نے ان کا نام اوران کی کوششوں کا حال بہ نسبت تعلیم ہندوستانی عورات کے سنا تھا، میں بہت مشتاق ان کی ملاقات کا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ بطور نعمت غیر مترقبہ ان سے ملاقات ہوگئی۔ ان کی عالی ہمتی اور بلند نظری اور تہذیب اخلاق اور نیک نیتی کا ثبوت خود وہی مضمون ہے جو انھوں نے اختیار کیا ہے یعنی اس گروہ کی (جس کو خدا تعالیٰ نے مرد کے لیے بطور دوسرے ہاتھ کے بنایا اور جس کو نیک کاموں کے بخوبی انجام ہونے کے لیے مرد کا مددگار کیا ہے) تعلیم وتربیت میں کوشش کرنا درحقیقت یہ مضمون اوراس پران کی کوشش نہایت قدر کے لائق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نیک کام پر کوشش ہونی (گووہ کسی طرح پر ہو،) نہایت اچھی ہے کیوں کہ اگر وہ کوشش درست بنیاد پر قائم ہوتی ہے تو وہ خود کامیاب ہوگی اور اگر اس میں کچھ غلطی ہے تو اس سے امید ہے کہ اوروں کو اس نیک کام پر کوشش کرنے کی تحریک ہوگی۔''

انیسویں صدی میں عورتوں کے استحصال کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہو چکا تھا اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے پہلی بار سرسید نے اپنے اخبار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور سائنٹفک سوسائٹی کے ذریعہ عورتوں پر جو دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے انھیں ہٹانے کی کوشش کی، یہ کام انھوں نے اوران کے رفقانے ایک عرصہ تک کیا۔ وہ عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے قائل نہیں تھے جس ملک میں مردوں کی تعلیم ایک مسئلہ ہو وہاں عورتوں کی تعلیم پر کون کان دھرتا۔ اس لیے سرسید کارپنٹر کی نوٹ بک میں لکھتے ہیں:

''نیک کام میں کوشش کرنے والوں کی کوشش کبھی کبھی اس لیے کہ وہ ان لوگوں کی عادات، رسم ورواج کے مخالف طریقے پر جس کی بھلائی کے لیے کوشش کی جاتی ہے قائم کی گئی ہیں، برباد ہوگئی ہیں۔ حقیقت میں ایسا کرنا گویا نیچر کا مقابلہ کرنا ہے۔ خدا نے یوشع کے لیے سورج کا تھم جانا کہا، حالاں کہ شاید وہ غلط تھا کیوں کہ اگر وہ واقع بھی ہوا تو شاید زمین کا تھم جانا سچ ہو جاتا مگر خدا نے نیک بات پھیلانے میں بالکل عام سمجھ کی جو اس زمانے میں تھی رعایت کی، پس اگر ہم کسی نیک بات کو پھیلانے میں عام رواج کی رعایت نہ کریں گے تو خود خدا کی اس حکمت کو توڑیں گے، اور خود اپنے لیے نقصان کا سبب ہوں گے۔''

اثنائے سفر میں سرسید جب مصر پہنچے تو انھوں نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ مصر میں خواتین کی تعلیم میں پیش رفت ہوئی ہے اور وہ ہندوستانی عورتوں کی طرح جہل مرکب میں مبتلا نہیں ہیں۔ وہ جب لندن آئے تو اس بات سے بہت متاثر ہوئے کہ انگلستان میں عورتوں اور مردوں کو یکساں مواقع حاصل ہیں اور ان کے لیے مساویانہ حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جب وہ لندن سے کلفٹن گئے تو وہاں کی رصدگاہ ایک خاتون کے زیرنگرانی کام کر رہی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''یہ تمام کارخانہ ایک عورت کے سپرد ہے اور جس قدر آلات کہ اب اس میں موجود ہیں اور جو جو عمل اس سے ہو سکتے ہیں وہ عورت کر کے دکھاتی ہے۔'' لندن میں انھوں نے خواتین کا کالیجیٹ اسکول بھی دیکھا۔ لکھتے ہیں کہ ''میں مدت سے اس بات کا مشتاق تھا کہ اس ملک کی عورتوں کے مدرسوں کا معائنہ کروں اور جس طریقہ میں وہاں تعلیم ہوتی ہے اس کو بخوبی دریافت کر کر اس کے نتیجے سے اپنے ہم وطنوں کو مطلع کروں۔'' ہندوستان کے قدامت پسندوں کی برہمی مول لیتے ہوئے انھوں نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں یہ بھی لکھ دیا کہ انگلستان کی خواتین کو یہ سن کر کہ

ہندوستانی مستورات ناخواندہ ہوتی ہیں ویسا ہی صدمہ ہوگا کہ جیسے کسی ہندوستانی کو بازار میں ننگی عورت کو چلتے پھرتے دیکھ کر ہوتا۔''

۲۳/اپریل کو جب سرسید کا جہاز سوئز پہنچا تو وہ نہر سویز کو دیکھنے کے لیے بے چین ہوگئے لیکن جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ابھی اس کی کھدائی جاری ہے تو انھوں نے اس خیال کو ترک کر دیا۔ بعدازاں جہاز پر ان کی ملاقات نہر سوئز کے معمار فرانسیسی انجینئر ڈی لسپس (M. de Lesseps) سے ہوگئی لسپس نے ان سے کہا کہ جب وہ لندن سے واپس ہوں گے تو ان کا جہاز اس نہر کے راستے گزرے گا۔ سرسید کو ڈی لسپس کی وہ تقریر بہت پسند آئی جو اس نے جہاز کے مسافروں کے سپاسنامہ کے جواب میں کی تھی۔ سپاسنامہ میں کہا گیا تھا کہ نہایت زیبا ہے کہ اس نہر کا نام نہر لسپس رکھا جائے اپنی جوابی تقریر میں اس نے کہا کہ ''میری خوشی اور میرا فخر اس میں ہے کہ یہ نہر فرنچ نہر کے نام سے منسوب کی جائے۔'' سرسید نے اس کے جذبۂ حب الوطنی کو بہت سراہا اور اس پر افسوس کیا کہ ان کے ہم وطنوں میں یہ جذبہ خال خال ہے۔

مصر میں نہروں کے جال سے اور اس کے بنانے کے فن سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ ''نہر کے پاس جو اونچی زمینیں ہیں اور جن میں نہر کا پانی بہاؤ سے نہیں جا سکتا، اس کے لیے نہر کے کنارے کاٹ کا خانہ دار ایک پہیا لگایا ہے اور بذریعہ ٹٹو یا بویا بیل کے ذریعہ بخوبی کھیتوں میں پانی پہنچتا ہے۔ اگر اس پہیے کو ہمارے ملک میں رواج دیا جائے تو بلاشبہ فائدہ مند ہوگا۔''

سرسید نے مصر میں بازار سوئز کی بھی سیر کی، وہ لکھتے ہیں کہ ''ہم نے بازار کے لوگوں سے جو عربی بولتے تھے دیر تک باتیں کیں۔'' سرسید کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی عربی کی استعداد واجبی تھی لیکن اگر ایسا ہوتا تو وہ اہل زبان سے دیر تک عربی میں گفتگو پر قادر نہ ہوتے۔ عربی زبان پر ان کے عبور کا کچھ اندازہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی میں ابوحامد الغزالی (جن کے رسالے کیمیائے سعادت کی کچھ فصلوں کا ترجمہ

۱۸۵۳ء میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی فرمائش پر سرسید نے کیا تھا) کی تصنیف القسطاس المستقیم کے مخطوطہ پر عربی زبان میں ان کے عالمانہ حاشیوں سے ہوسکتا ہے۔ دراصل سرسید کے خلاف ان کے قیام لندن کے دوران ان کے خلاف کوا گہار شروع ہوئی جس کا شور اتنا بڑھا کہ اس مین ان کی بہت سی خوبیاں اور ان کے اعمال وافکار کے بہت سے حیات بخش پہلو دب کر رہ گئے۔ ان میں عربی زبان پر ان کی اچھی دسترس بھی ہے۔

سرسید کا جہاز جب مصر سے اٹلی پہنچا اور بونی فیشیو سے گزرا تو وہ جزیرہ کیپریا اور کارسکا کو دیکھنے کے لیے بے قرار ہوگئے جو ممتاز محبّ وطن گیری بالڈی اور نپولین بوناپارٹ کی جائے پیدائش ہے۔ لکھتے ہیں کہ ''مجھ کو کمال آرزو تھی کہ میں اس زمانے کے سب سے بڑے فیاض، دلاور گیری بالڈی کے پھونس کے جھونپڑے کی جو بڑے بڑے قیصروں کے محلوں سے بھی زیادہ معزز اور قابلِ ادب و تعظیم ہے زیارت کروں۔''

جب ان کا جہاز مارسیلز پہنچا تو رات ہوچکی تھی انھوں نے ہوٹل جاتے ہوئے راستے میں شہر دیکھا انھوں نے لکھا ہے کہ رات کا وقت تھا اور یہ پہلا یورپ کا شہر ہے جس کو ہم نے دیکھا جب ان کی اومنی بس بازار میں پہنچی تو دیوانوں کی طرح وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ لکھتے ہیں کہ ''کبھی ایسا آراستہ بازار اور اس قدر روشنی شیشۂ آلات میں ہم نے کبھی دیکھی نہ تھی۔''

یکم مئی کو وہ شہر مارسیلز سے روانہ ہوئے اور ٹرین نہایت نرمی اور سبکی سے روانہ ہوئی اور میدان اور کھیت اور گاؤں ان کی نظر سے گزرتے رہے لیکن ان کے دل میں بار بار اپنے ملک کا خیال آیا کبھی فرخ آباد اور میرٹھ کے آلو اور کبھی غازی پور کے گلاب کے تختوں کی یاد آئی انھوں نے لکھا کہ ''یہاں قدرت کی خوبی اور خوب صورتی اور انسان کی کاریگری اور عقل مندی نے مل کر عجیب ہی کیفیت دکھلائی تھی۔''

دوسری مئی کو وہ پیرس پہنچے وہاں جھیلوں چشموں اور نہروں کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے لیکن وہ وہاں کی عمارتوں سے متاثر نہ ہوئے، لکھتے ہیں کہ ''بایں ہمہ صرف عمارت

جیسی عمدہ اور مستحکم اور نہایت ہی خوب ہمارے ملکوں کی ہے اب تک یہاں دیکھنے میں نہیں آئی بلاشبہ تاج محل کے روضے اور قطب صاحب کی لاٹھ سے ہندوستان کی عمارت کو فخر ہے۔ انھیں یہاں لال قلعہ دہلی اور اس کی مار پیچ نہر جو دیوان خاص میں ہو کر رنگ محل میں جاتی تھی اور جس کے پانی سے وہ بھی بچپن میں کھیلا کرتے تھے اور مہتاب باغ کا حوض یاد آیا جس کے کناروں سے تین سو ساٹھ فوارے چھوٹا کرتے تھے۔ لیکن وہ وارسائی (Versailles) کے نگارخانوں سے بہت متاثر ہوئے۔ لکھتے ہیں کہ ''تصویر خانہ نہیں ہے بلکہ قومی ہمت اور قومی جرأت اور قومی شجاعت بڑھانے کا آلہ ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ تمام قوم فرنچ کی جب ان تصویروں کو دیکھتی ہوگی اور اپنے بزرگوں کی بہادری اور شجاعت اور میدان جنگ میں مرنا اور اپنے تن بدن کو زخموں سے چور کرنا اور مرنا یا مارنا خیال کرتی ہوگی اس کی ہمت اور شجاعت دُگنی ہو جاتی ہوگی اور چلّو وں خون بڑھ جاتا ہوگا۔'' لیکن وہ اس تصویر کو دیکھ کر بہت بدمزہ ہوئے جس میں الجزائر کے مجاہد آزادی امام عبدالقادر اور ان کے اہل خانہ کی گرفتاری کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اس کی عورتیں اونٹ پر کجاوے میں تھیں۔ فرنچ سپاہیوں نے اونٹ کو بٹھا کر کجاوہ گرا دیا ہے اور عورتیں اس میں سے نکل پڑی ہیں اور ان کے بدن پر سے کپڑا ہٹ گیا ہے اور فرنچ سپاہی سنگین اُٹھائے ہوئے اور ان کی نوکیں عورتوں کی طرف کیے ہوئے گویا اب ماریں گے ان کے گرد کھڑے ہوئے ہیں۔ سرسید لکھتے ہیں کہ کیا فرنچ کو یہ زیبا تھا، پھر انھوں نے ان الفاظ میں امام عبدالقادر کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ''امام عبدالقادر سچا بہادر سپاہی ہے جب کہ وہ الجزائر کا بادشاہ تھا اور جو عزّت کہ اس وقت لوگوں کی آنکھ میں اس کی تھی اب بھی اس میں کچھ کمی نہیں ہے۔ نہایت بہادری اور سچائی سے بغیر دغا و فریب کے بیس برس تک تن تنہا لڑتا رہا، انجام کو شکست ہوئی جس سے کچھ اس کی سپہ گری یا عزّت میں فرق نہیں آیا۔ پس ایسی تصویریں بنانے سے بہ عوض اس کے کہ اس کی حقارت ہو، اس کی جرأت اور شجاعت ثابت ہوتی ہے۔'' یہ بات توجہ طلب ہے کہ سرسید ان تمام رہنماؤں سے گہری ہمدردی رکھتے ہیں جو

اپنے ملک کی جدوجہد آزادی میں سرگرم ہوں۔ چاہے وہ اٹلی کے گیری بالڈی ہوں یا الجزائر کے امام عبدالقادر، یا آئرلینڈ کے مجاہدین آزادی۔

۴ رمئی ۱۸۶۹ء کو سرسید لندن پہنچے وہ وہاں میکلن برگ اسکوائر میں مقیم ہوئے۔ انھوں نے یہاں علمی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا وہ اس جلسے میں موجود تھے جب چارلس ڈکنس نے آخری بار اپنی تصانیف کی بلند خوانی کی۔ وہ کارلائل سے بھی ملے اور اس کی تصنیف ہیرو اور ہیرو ورشپ کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی۔ سرسید کی معرکتہ الآرا تصنیف آثارالصنادید کی وجہ سے فرانس اور انگلستان کے علمی حلقوں میں ان کا چرچا پہلے ہی سے تھا۔ یہاں بہت سی ممتاز شخصیتوں نے ان کا استقبال کیا، انھیں متعدد جلسوں اور شاہی تقریبوں میں مدعو کیا گیا۔ اگست ۱۸۶۹ء میں انھیں سی ایس آئی کا خطاب دیا گیا۔ ۴ راگست ۱۸۶۹ء کو اتھینیم کلب (Atheriaeum Club) نے انھیں اپنی اعزازی رکنیت پیش کی۔ یہ ایک مخصوص قسم کا کلب تھا جس میں انتہائی مشہور و معروف شخصیتوں میں سے صرف بارہ سو کو اس کا ممبر بننے کی اجازت تھی جس وقت اُن کو اس کا رُکن بنایا گیا تھا تین ہزار اشخاص کئی برسوں سے اس کے ممبر بننے کے امیدوار تھے۔ اُن کو انگلستان میں جتنے اعزازات ملے ان میں وہ اس کلب کی رکنیت کو اعلیٰ ترین اعزاز تصوّر کرتے تھے۔ اس کلب کا حال بیان کرتے ہوئے سرسید لکھتے ہیں: ''ہم نے علی گڑھ میں سین ٹیفک سوسائٹی قائم کی اس کے لیے ایسا عمدہ اور عالی شان مکان بنایا جو اس وقت تک ہندوستان کے ہندوستانی مجمعوں کے لیے نہیں بنا ہے پھر اس سے کیا نتیجہ ہے ہم وہ آدمی کہاں سے لاویں جو لکچروں میں شریک ہوں اور اس عالی شان مکان کو رونق دیں۔ ہم وہ آدمی کہاں سے لاویں جو لکچروں کے سمجھنے کی لیاقت رکھتے ہوں۔ ہم وہ آدمی کہاں سے لاویں جو اپنے ملک اور اپنی قوم کی بھلائی کے لیے کچھ محنت اختیار کریں اس کو جانے دو ہم کو تو ایسے دو چار آدمی بھی نہیں ملتے جو اس مکان میں بیٹھ کر اگر کچھ نہ کریں تو اپنی قوم کی ابتر حالت پر روئیں ہی۔''

سرسید ہندوستانیوں کے لیے بہترین قسم کی عصری تعلیم چاہتے تھے وہ ایسی تعلیم کے خواہاں تھے جو ہندوستانیوں کو دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی صف میں شامل کردے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''کیمبرج کی یونیورسٹی کی سیر سے جو اس قدر دانش مندی اور فیاضی اور جاں فشانی اور محنت کے ثبوت میری نظر سے گزرے ان کے دیکھنے سے مجھ کو نہایت حیرت ہوئی اور میں نے اپنے دل میں بہ آرزوئے تمام یہ دعا مانگی کہ میرے وطن ہندوستان میں جو ہندوستانیوں کے مختلف طبقوں میں ہنوز ہمسری اور ترقی کا جوش نہیں ہے وہ بہت جلد برانگیختہ ہوتا کہ اس کو بھی آئندہ کسی زمانے میں جو نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہنوز بہت دور ہے۔ علوم وفنون میں مشرقی ملکوں میں ایسی ہی شہرت اور عظمت حاصل ہو جیسی کہ انگلستان کو مغربی ملکوں میں حاصل ہے۔'' اس سفرنامہ میں جگہ جگہ مشرقیت کے وہ عناصر بھی پھیلے ہوئے ہیں جو بعد میں اقبال کے یہاں واضح طور پر سامنے آئے۔

سرسید کا سفر انگلستان ان کے تعلیمی افکار کی تشکیل میں بڑا اہم ثابت ہوا۔ لندن کا لبرل ماحول، وہاں کی تعلیمی فضا کا اثر یہ ہوا کہ لندن میں ہندوستان کے موجودہ انگریزی نظام تعلیم پر انھوں نے ایک رسالہ Strictures upon present Indian Educational System کے عنوان سے لکھا جس میں ہندوستان کے موجودہ سررشتہ تعلیم کی نسبت سخت تنقید کی گئی ہے اور اسے ناقص بتایا گیا ہے۔

اپنے لندن کے قیام کے دوران انھوں نے ایک اور اہم کام کیا۔ سر ولیم میور جو صوبہ شمال ومغرب کے گورنر تھے انھوں نے لائف آف محمد کے نام سے چار جلدوں میں کتاب لکھی جس میں انھوں نے اسلام اور پیغمبرؐ اسلام پر کڑی تنقید کی۔ جب سرسید ہندوستان میں تھے وہ اسی وقت اس کے تردیدی جواب کے لیے بے چین تھے، لیکن اس کے لیے وہ جن کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے وہ ۱۸۵۷ء کی شورش میں انگلستان پہنچ چکی تھیں۔ اقبال نے اسی لیے کہا تھا کہ کتابیں اپنے آبا کی جو دیکھوں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ۔ اس لیے جب سرسید انگلستان پہنچے تو لندن کی انڈیا آفس لائبریری

اور برٹش میوزیم کی کتابیں دیکھنے کی سہولت وہاں انھیں حاصل ہوئی۔ سرسید نے نہ صرف یہ کہ کتاب لکھی بلکہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی کرایا اور لندن سے اپنی ہندوستان روانگی سے قبل شائع بھی کرادیا۔ ڈاکٹر سید عابد حسین کا خیال ہے کہ ''انگلستان کے سفر سے جو فائدے سرسید نے اُٹھائے ان سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو خطبات احمدیہ کا ترجمہ انگریزی زبان میں چھپوانا اتنا بڑا کارنامہ تھا کہ صرف اس کی بنا پر اس سفر کو کامیاب کہا جاسکتا ہے۔ لندن کے زمانہ قیام میں سرسید نے خود اپنے قلم سے مذہب اسلام کی خدمت کرنے کے علاوہ ایک عیسائی جان ڈیون پورٹ (John Davenport) کی کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن کو جس میں اسلام کی خوبیاں دکھائی گئی ہیں اپنے خرچ پر چھپوایا اور اسی قسم کی ایک کتاب جو گاڈفرے ہگنز (Godfrey Higgins) نے لکھی تھی حاصل کی اور ہندوستان آنے کے بعد اس کا ترجمہ حمایت الاسلام کے نام سے شائع کرایا۔

یہ سفرنامہ سرسید کے اسلوب بیان کا شاہکار ہے اس میں جو منظر نگاری کی گئی ہے وہ بھرپور ہے۔ وہ واقعہ کی ایسی تصویر کھینچتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کیا دیکھا اور اس دوران ان کے دل و دماغ پر کیا بیتی۔ اس سفرنامہ میں نیم ڈرامائی اور قارئین سے براہِ راست گفتگو کا انداز نمایاں ہے۔ اس میں جو تشبیہات آئی ہیں وہ بے ساختہ بہت صاف اور واضح ہیں۔ میرے نزدیک سرسید کو لفظی تصویر کشی میں خداداد ملکہ حاصل ہے اس سفرنامہ میں اشیاء اور افراد کے کئی بے لاگ خاکے ایسے ہیں جن کو مغلوں کی مینا تور مصوّری کے مقابلے میں رکھا جاسکتا ہے۔ ایک انگریزی اخبار سینٹ جیمس بجٹ نے مورخہ ۳۱/اکتوبر ۱۸۸۵ء کے شمارہ میں اس سفرنامہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سفرنامہ کا خوابناک انداز ہمیں چند بہترین سفرناموں کی یاد دلاتا ہے اس نے مسافرانِ لندن کا موازنہ تزک بابری سے کیا ہے۔

سرسید محسن الملک کو سمندر پار سے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ''میں چاہتا ہوں کہ حالات سفر جو اخبار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ میں چھپتے ہیں آپ اس کو بطور کتاب یکجا نقل

کرواتے جائیں اور جس امر کی نسبت تفصیل کی حاجت ہو مجھ کو لکھ کر دریافت فرمالیں اور اس میں کوئی اضافہ کردیں تا کہ آپ کی اصلاح سے کتاب بھی درست ہو جائے اور سب چیز کو حاوی بھی ہو اور میرے آنے تک کتاب مرتب تیار ہوگی اور صرف چھپنا شروع ہوگا۔ میں بعض مکانات کے نقشے بھی لاؤں گا اور وہ بھی کتاب میں چھپوائے جائیں گے۔''

لیکن سرسید کا سفرنامہ مسافران لندن اُن کی حیات میں کتابی شکل میں شائع نہ ہوسکا۔ البتہ تہذیب الاخلاق ابتدائے شوال لغایت ماہ رمضان ۱۳۱۱نبوی مطابق ۹۷۔۱۲۹۸ھ میں اس کو انھوں نے دوبارہ شائع کرادیا تھا۔ یہ سفرنامہ تہذیب الاخلاق کے صفحہ ۱۵۵ سے شروع ہوکر صفحہ ۲۴۳ پر ختم ہوتا ہے اور اس سفرنامہ کی آخری سرخی ''مکان سر ولیم میلز کا قریب کلفٹن کے'' ہے۔ اس پر ۱۱/مارچ ۱۸۷۰ء کی تاریخ درج ہے۔

مسافرانِ لندن تقریباً ایک صدی بعد مجلس ترقی ادب لاہور کے سربراہ سرسید کے عاشق اور اپنے حلقے کی نسائی تحریک کے اہم قائد سید ممتاز علی کے بیٹے امتیاز علی تاج کے ایما پر شیخ اسمٰعیل پانی پتی نے مرتب کیا اور مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۶۱ء میں کتابی شکل میں شائع کیا۔ ہندوستان میں یہ سفرنامہ کتابی شکل میں اب تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد پہلی بار شائع ہورہا ہے۔ شیخ اسمٰعیل پانی پتی نے اپنے مرتب کردہ مسافران لندن کو مختلف مآخذ تہذیب الاخلاق کے مذکورہ شمارہ، 'حیات جاوید' سرسید کے مکاتیب اور ان کے لکچر سے مرتب کیا ہے۔ زیرِنظر کتاب میں سرسید کے سفرنامہ اور اس سے متعلق سارے مضامین علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے مختلف شماروں سے اخذ کیے گئے ہیں کیوں کہ یہ پہلی بار بالاقساط وہیں شائع ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ مسافران لندن کی ابتدائی دو قسطیں گزٹ کو انھوں نے عدن اور مصر سے بھیجی تھیں۔

شیخ صاحب نے اپنے مرتب کردہ سفرنامہ میں جو مضامین چھ ضمیموں کے تحت درج کیے ہیں، اس کتاب میں اُن کو حذف کردیا گیا ہے۔ اس کے بجائے گزٹ سے

مندرجہ ذیل مضامین شامل کیے گئے ہیں جن میں (۱) کیمبرج یونیورسٹی، (۲) جلوس سواری ملکہ وکٹوریہ، (۳) رائل پارلیمنٹ کا کھولا جانا، (۴) ایک دلچسپ نظیر واسطے اہل ہند کے، (۵) لاوارث اور محتاج بچوں کی حفاظت، (۶) شمالی لندن کالیجیٹ اسکول لڑکیوں کے واسطے، (۷) ایتھینیم کلب، (۸) ونچسٹر کالج، (۹) ہندوستانیوں کی تعلیم کے واسطے علوم کی فہرست، (۱۰) سرسید کا خط راجہ جے کشن داس کے نام (۱۱) سرسید کے خط کے بارے میں راجہ جے کشن داس کا نوٹ، (۱۲) ہندوستانیوں کے واسطے ولایت جانے کا وظیفہ، (۱۳) انگلستان کی سیر، (۱۴) راجہ جے کشن داس کا خط سرسید کے نام (۱۵) انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا نوٹ، (۱۶) نامہ نگار کا رنامہ کا جوش، (۱۷) علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا نوٹ، (۱۸) اخبار عالم کے بارے میں، (۱۹) سید امداد العلی کے نام جے کشن داس کا خط، (۲۰) خطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (۲۱) عذر از طرف گنہگار سید احمد۔ یہ سارے مضامین پہلی بار کتابی شکل میں یہاں اس لیے یکجا کر دیے گئے ہیں تا کہ سرسید کے سفر کے مختلف زاویوں پر روشنی پڑے اور اس زمانہ میں ان پر لعنت ملامت کا سلسلہ جو شباب پر تھا اس کا بھی کچھ اندازہ ہوا۔

اس کتاب کی تیاری میں نیویارک کے میرے کرم فرما عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کے پیہم اور پرتپاک اصرار کو بھی دخل ہے۔ وہ سفرناموں کے رسیا اور سرسید کے افکار کے قدردان اور ان کے مداح ہیں انھوں نے اس کتاب کی طباعت میں مالی اعانت بھی کی ہے۔ میں ان کا شکرگزار ہوں۔ پروفیسر احمر لاری سابق صدر شعبۂ اردو گورکھ پور یونیورسٹی اور شعبۂ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر اور جدید ہندوستان کی تاریخ کے عارف اقبال حسین کا بھی شکرگزار ہوں جنھوں نے بار بار اس کتاب کی طباعت کے سلسلے میں دریافت کیا اور مشورے دیئے۔

جس زمانے میں سرسید کے سفر لندن سے متعلق مضامین کو راقم علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سے نقل کر رہا تھا اُن دنوں یہاں زیراکس کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ اس سلسلہ

میں شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب صاحب نے میری مدد فرمائی۔ ان کا شکریہ واجب ہے۔

اس کتاب کی کمپوزنگ محمد شاہد عالم صاحب نے فرمائی ہے ان کی فنّی دسترس شامل حال نہ ہوتی تو یہ کتاب اتنی جلد طباعت کے مرحلوں سے نہ گزرتی۔

ہمیں اس کی بڑی خوشی ہے کہ مسافرانِ لندن کا انگریزی زبان میں ترجمہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں ہو رہا ہے۔ اس وقت اس کی شدید ضرورت ہے کہ سرسید کی ایک ایک سطر کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا جائے۔ اس سلسلے میں کچھ دنوں پہلے سرسید اکیڈمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے سرسید کے منتخب مضامین، منتخب خطوط اور منتخب خطبات کا ترجمہ کرایا اور اس سلسلے کا آغاز کر دیا ہے، لیکن سرسید کی تمام تحریروں کو انگریزی کا جامہ پہنانے کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو جامع منصوبہ تیار کرنا چاہیے اور اسے جلد سے جلد عملی جامہ پہنانا چاہیے کیوں کہ روز بہ روز اردو اور انگریزی دونوں پر یکساں دسترس رکھنے والے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ انگریزی ترجمہ کا کام وقت کی اہم ضرورت ہے جب تک یہ کام پورا نہ ہوگا یونیورسٹی پر سرسید کا قرض باقی رہے گا۔

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

اصغر عباس
گلشن دوست
سرسید نگر، سول لائنس
علی گڑھ

(۱)
مسافران لندن

یورپ کا سفر اختیار کرنے سے چند روز پیش تر ہمارا ادھر اُدھر جانا اور عزیز اقربا دوست آشنا سے ملنا کچھ سفر میں داخل نہ تھا پہلی اپریل سنہ ۱۸۶۹ء روز پنجشنبہ کو ہم بنارس سے چلے۔ دوسری تاریخ الہ آباد میں قیام کیا، ہمارے دوست مسٹر والٹر اسمتھ صاحب[۲] نے ریلوے اسٹیشن بنارس سے بچشم نم رخصت کرتے وقت محمد محمود[۳] کو جو سونے کی نہایت عمدہ گھڑی بطور یادگار وقت رخصت دی تھی وہ ہمارے پاس میز پر رکھی ہوئی تھی اور محمود اُن کی محبت اور مہربانیوں کا ذکر کر رہا تھا اور ہم سب اس میں شریک تھے۔

اگرچہ ہمارے محبّ دلی سید ظہور حسین[۴] صاحب بنارس میں ہم سے ملنے آئے تھے اور ہم سب کو رخصت کر چکے تھے مگر عین اس وقت پر جبکہ مسٹر اسمتھ صاحب کی محبت اور نشانی رخصت کا ذکر ہو رہا تھا اُن کا آدمی پہونچا اور چاندی کی نہایت عمدہ ایک گھڑی مکیب کی دوکان کی میرے لیے بطور نشان محبت کے لایا۔ تذکار محبت دوبالا ہو گئے اور ہر ایک شخص نے ایسے دل سے جو محبوں کی محبت کی یاد سے مشتعل تھا اور چشم نم کے اُس پر پانی چھڑکنے سے محبت کا جوش اور بھی دھواں دھار ہو رہا تھا اُن کو اور تمام دوستوں کو یاد کیا۔ چار بجے میں جناب معلّی القاب آنریبل سر ولیم میور[۵] صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی لیفٹیننٹ گورنر بہادر سے رخصت ہو کر اپنی فرودگاہ میں آیا اتنے میں شبِ دیجور فرقت پہنچی اور دوستوں کو الوداع کرنے کا گھنٹہ دم بدم قریب ہونے لگا، اُس وقت یہ شعر ہمارے حسب حال تھا ؎

غنیمت جان اس مل بیٹھنے کو
جُدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

ہم نے گریٹ ایسٹرن ہوٹل کے اُس کمرہ میں جس میں ٹھہرے ہوئے تھے کھانا مانگا ہوٹل کے خدمت گاروں نے فی الفور میز کو آراستہ کیا، میں نے اور حامد[۶] و محمود اور ہمارے شفیق رفیق سفر مرزا خداداد بیگ[۷] اور میرے دلی محبّ مخدوم مولوی مہدی علی صاحب[۸] اور میرے پیارے مولوی زین العابدین صاحب[۹] نے ایک ساتھ میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا پکی ہوئی مرغی کی نسبت مولوی مہدی علی صاحب نے دریافت کیا کہ مسلمان کی ذبح کی ہوئی ہے یا نہیں، معلوم ہوا کہ مسلمان کی ذبح کی ہوئی ہے، تھوڑی دیر بعد میں اور حامد و محمود مسٹر گوڈال صاحب اور مسز گوڈال صاحبہ سے رخصت ہونے گئے وہاں ایک ایک پیالہ چائے کا جو نہایت چاہ سے بنائی گئی تھی پیا، اُن دونوں نے ایک دل سوز محبت سے ہم کو رخصت کیا، پھر ہم ریل کے اسٹیشن پر پہنچے اور جبل پور ٹرین میں اپنی جگہ لی۔

ایسے وقت میں حال کا متغیر ہونا اور دل کا مستقل نہ رہنا جبلت انسانی کا لازمہ ہے جس کو قادرِ مطلق نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کی بلکہ حیوان کی بھی خلقت میں رکھا ہے چنانچہ ہم نے اور ہمارے دونوں دوستوں نے حکیم مطلق کی اُس حکمت کی اطاعت کی اور نگاہوں ہی نگاہوں میں اثر برق محبت ایک دوسرے کے دلوں سے پار ہو گیا۔ واللہ در من قال ؎

از مینہ بسینہ جلوہ گاھش
دزدیدہ جدیدہ شاہ راھش

میں نے مولوی زین العابدین کے کان میں ایک بات کہی جس سے اُن کا دل زیادہ متغیر ہو گیا اور مجھ کو یقین ہے کہ ایسے وقت کے اس کلمہ خیر کو وہ ضرور یاد رکھیں گے پھر ہم نے اُن دونوں سے ہاتھ ملائے اور ایک نے دوسرے کو دعائے خیر دی اور کلمات مسنونہ وقتِ رخصت ادا کیے اور خدا حافظ کہہ کر رخصت کیا اُدھر وہ دونوں دوست بہ چشم گریاں پھرے اور اِدھر ہم بہ سینہ بریان روانہ جبل پور ہوئے۔

تیسری اپریل سنہ ۱۸۶۹ء کو ہم سب مسافر جبل پور میں پہنچے اور پامر ہوٹل کے دو کمرے لے کر آرام کیا۔ پامر صاحب کو بہت با اخلاق پایا وہ ہمارے کمرہ میں ہم سے

ملنے کو آئے۔ ہم نے جبل پور سے ناگ پور تک سواری کے بندوبست کی ان سے فرمائش کی۔

ہمارے انتظام سفر یورپ کی پہلی غلطی ہم کو یہ معلوم ہوئی کہ ہم نے پہلے سے جبل پور میں پہنچنے کی تاریخ مقرر نہیں کی تھی اور اسی سبب سے قبل پہنچنے جبل پور کے ڈاک کا کچھ بندوبست نہ کیا تھا ہم سمجھتے تھے کہ جب پہنچیں گے اُس وقت یا پہر دو پہر بعد یا دوسرے دن مل جاوے گی مگر یہ خیال بالکل غلط نکلا اور گھوڑوں کی شکرم کی ڈاک سے جو مطلوب تھی نہ ملی، ہورڈ برادر نے جواب دیا کہ سترہویں تاریخ تک گھوڑے ڈاک کے خالی نہیں۔ جارڈین صاحب کے پاس سے بھی اسی قسم کا جواب ملا۔ اب تو ہم گھبرائے اور یقین ہوا کہ ہم نویں تاریخ تک بھی بمبئی نہیں پہونچ سکتے اور نہ کسی طرح دسویں تاریخ کا جہاز ہم کو مل سکتا ہے، مسٹر پامر صاحب کی صلاح سے ہورڈ برادر کے کارخانہ میں سے بیلوں کی دو شکرمیں کرایہ کیں اور تیسری تاریخ آٹھ بجے رات کے روانہ ہوئے رستہ میں کہیں توقف نہیں کیا، تین دن اور تین رات برابر چلے اور ایک سخت سفر اٹھا کر چھٹی اپریل سنہ ۱۸۶۹ء کو شام کے وقت ناگپور میں پہنچے اور ریل کے اسٹیشن کے پاس جو ایک چھوٹا سا اسٹیشن ہے وہاں گئے دیکھا کہ تمام کمرے انگریزوں اور میموں اور بچوں سے بھرے ہوئے ہیں ایک چھوٹا سا کمرہ کونے کا اور گودام کے مکانوں میں کا ایک کمرہ جس کو مسافروں کے ٹھہرنے کے لیے درست کرلیا تھا خالی ہیں ہم نے انہیں کو غنیمت سمجھا اور دونوں کمروں میں اُترے اور بیلوں کی شکرم کی مصیبت کا سفر ختم ہوا۔

میں کبھی الہ آباد سے جنوب کی طرف نہیں گیا تھا جبکہ ہم نے الہ آباد آدھی رات کے بعد چھوڑا اور صبح کو آنکھ کھلی تو ایک نئی قسم کا ملک اور نئی طرح کی سرزمین دکھائی دی۔ تمام زمین کالی پتھریلی تھی جابجا پہاڑوں کے ٹیبی [10] اور کہیں کہیں قطاریں نظر پڑنے لگیں، کھپریل کے چھوٹے چھوٹے گھر کہیں پانچ کہیں سات کہیں دس بارہ کھلے میدان میں دکھائی دیے جو یہاں کے گاؤں تھے صرف مہیر ایک اچھی بستی نظر پڑی، مکان بھی اچھے

تھے، راجہ کے رہنے کا مکان خوبصورت دکھائی دیتا تھا پتھر کی شہر پناہ بھی بہت خوبصورت معلوم ہوتی تھی سب سے اونچے پہاڑ کی ٹیبی کی چوٹی پر مہیر دیبی کا مندر تھا جس کے نام سے یہ بستی کہلاتی ہے یا بستی کے نام سے وہ دیبی پکاری جاتی ہے۔

جبل پور سے ناگپور تک بڑی تکلیف سے رستہ طے ہوا سب سے بڑی دقّت یہ تھی کہ بیلوں کی شکرم سواری کو تھی جو لہے لہے ہانکو ہانکو کرنے پر بھی بڑھیا کے چرخہ سے بھی آہستہ چلتی تھی کھانے کی رستہ میں بہت تکلیف تھی اور پانی کی اس سے زیادہ بہ سبب خشک سالی کے تمام کنویں خشک ہو گئے تھے بعضوں میں تو مطلق پانی نہ تھا اور بعضوں میں اس قدر رہتا تھا کہ دس بیس منٹ میں ایک لوٹا بھر سکیں۔ اور بعضوں میں پینے لائق پانی مل سکتا تھا اکثر جگہ خشک کنوئیں کھود کر اور گہرے کیے جاتے تھے غرض کہ پانی کی بہت قلت تھی علاوہ اس کے دن کی دھوپ اور گرمی اور ہوا بند ہونے پر جس کی گھمس اور ہوا چلنے پر گرم ہوا کی دقت اور لو کی کیفیت اور بھی زیادہ تکلیف دیتی تھی۔

جبل پور سے ناگپور تک رستہ طے کرنے میں اوّل عین جبل پور کے نیچے نربدا دریا ملا، ایک نہایت اُتار اور ڈھلواں گھاٹی کو طے کر کر قعر زمین میں پہنچے تب پانی کی صورت دکھائی دی۔ ساٹھ ستر فیٹ سے زیادہ عرض نہ تھا اور پانی صرف گھٹنوں گھٹنوں، اُس پر چند کشتیوں کا پُل، جن کا طول ہمارے ملک کی کشتیوں کے عرض سے بھی کم تھا بندھا ہوا تھا اُس پُل پر سے اُترے اور جسقدر ڈھلاؤ اُترے تھے اُسی قدر چڑھائی چڑھے۔ دو بیلوں اور دو بھینسوں نے شکرم کو کھینچ کر اوپر پہونچایا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ دریا برسات میں اونچے کڑاڑا السّا تک بھر جاتا ہے اور بہت بڑا قہر دریا ہوتا ہے۔

پانچ پانچ میل کے فاصلہ پر بیلوں کی چوکی تھی جہاں شکرم کے بیل بدلے جاتے تھے جبل پور سے دھومان کی چوکی آٹھ چوکی تھی قریب ایک بجے کے وہاں پہنچے اُس جگہ ڈاک بنگلہ ہے وہاں بھی بہت سے انگریز اور میم اور بچے اُترے ہوئے تھے ہم ایک درخت کے نیچے ٹھہرے اور بازار سے دودھ منگا کر پیا نہایت عمدہ اور شیریں اور گاڑھا دودھ تھا۔

خانساماں سے ایک مرغی مول لی اور چھجو[۱۲] نے اُس کا قورمہ پکایا اور خانساماں نے اپنے گھر سے پراٹھے پکوادئے وہ سب لیکر ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور شکرم میں بیٹھے ہوئے کھاتے چلے۔

جبل پور سے ناگپور تک آنے میں تین ضلعے راہ میں پڑے۔ سیونی، دیولا پار، کامپٹی۔ سڑک جو جبل پور سے ناگ پور تک ہے اگرچہ بخوبی بنی ہوئی ہے کنکر کرا ہوا ہے۔ جابجا ندی نالوں پر پُل بنے ہوئے ہیں۔ وہ ملک اور سرزمین ایسی ہے کہ وہاں عمدہ سیدھی ہموار سڑک ہونی غیر ممکن ہے۔ پہاڑوں اور نالوں اور ندیوں اور پتھروں میں ہوکر سڑک جاتی ہے اور اس سبب سے خراب اور تکلیف کی ہے کسی جگہ ایک میل بھی سڑک ایسی نہیں ہے جس میں گزوں اور بانسوں کی چڑھائی اُترائی نہ ہو اور پہاڑوں اور غاروں کے کنارہ پر نہایت پیچدار اور چکر دار سڑک ہے ڈاک کی شکرم اور کاٹ میل کا بے تکلف دوڑائے جانا نہیں ہوسکتا اور ایسی اونچائی اور نیچائی اور کج و پیچ کے سبب شکرم میں اور کاٹ میل میں گھوڑوں کی جوڑی جوتی جاتی ہے اور کہیں کہیں چڑھائی پر دو دو اور چار چار بیل یا بھینسے کھینچتے ہیں۔

تینوں ضلعوں کے صدر مقاموں سے ہماری شکرم گذری مگر کچھ رونق نہ تھی اور نہ کچھ بڑی آبادی تھی الّا صدر مقام ضلع کامپٹی کافی الجملہ خوبصورت اور بارونق تھا، کامپٹی مشہور دریا ہے اُس کے ایک کنارہ پر شاید کامپٹی کی بستی ہے اور دوسرے کنارہ پر چھاؤنی اور انگریزوں کے بنگلے و کوٹھیاں۔ دریا کامپٹی ان دنوں میں خشک تھا، ٹخنے ٹخنے پانی ہوگا، بلّیاں گاڑ کر تختوں کا پُل بنا دیا تھا اور دریا کی سطح میں کٹری والوں نے دکانیں لگا رکھی تھیں اس چھاؤنی میں ایک گورنمنٹ باغ نظر پڑا جو فی الجملہ خوبصورت اور آراستہ تھا دو چھوٹے چھوٹے خوبصورت ٹیلے پہاڑ کے ان میں تھے بڑے پزاوے کے برابر اونچے اور نصف بُرج کے مانند گول اس پر چڑھنے کے لیے چکر دار سڑک بطور روش کے بنائی ہیں اور اُن کی چوٹی پر چھوٹا سا خوبصورت چمن لگا کر کرسیاں اور کوچیں بیٹھنے اور سیر کرنے

ہوا کھانے کو ڈال رکھی ہیں مگر افسوس کہ پانی کے نہ ہونے سے سارا باغ پژمردہ اور سُست تھا۔

ناگپور سے ساتویں تاریخ آٹھ بجے دن کے ریل پر سوار ہوئے اور آٹھویں تاریخ قریب دوپہر کے بمبئی میں پہنچے گاڑیاں درجہ اوّل و دوم وسوم و چہارم یہاں جاری ہیں۔ مگر ہم ایکسپریس ٹرین میں سوار ہوئے جس میں تین درجہ تک کی گاڑیاں تھیں صرف چوتھا درجہ نہ تھا۔ چوتھا درجہ بالکل تیسرے درجہ کی مانند ہے صرف اتنا فرق ہے کہ اُس میں بیٹھنے کے لیے تپائیاں نہیں ہیں اور مسافر چوتھے درجہ بہ نسبت تیسرے درجہ کے زیادہ بٹھائے جاتے ہیں فرسٹ کلاس ہمارے ملک کے فرسٹ کلاس سے کچھ تھوڑا سا مختلف ہے۔ گاڑیوں کی صورت میں بھی کچھ فرق ہے آنے جانے کا بیچ میں دروازہ ہے۔ ہمارے ملک کی گاڑیوں کی نسبت اُن میں خوبی تو یہ ہے کہ ہر گاڑی میں ایک چھوٹا سا کمرہ جائے ضرور کا اور منہ دھونے کا بنا ہوا ہے اور برابر پمپ سے پانی آتا ہے اور نقص یہ ہے کہ پلنگ سونے بیٹھنے کے عرض میں کسی قدر پتلے ہیں مگر نہ اس قدر کہ اُس سے کچھ تکلیف ہو۔

ریل کا کارخانہ اور ریل کے اسٹیشن ہماری طرف کے کارخانوں سے نہایت کم ہیں اور ہر جگہ غریبی اور روپیہ کی تنگی پائی جاتی ہے بعض بعض مقام پر ایسے اسٹیشن ہیں جیسے ہماری طرف کے چوکیداروں کے مکان اور عمدہ اسٹیشنوں میں صرف کھپریل کا بنگلہ ہے جس میں چند فیٹ مربع کا ایک کمرہ اور اُس کی بغلوں میں دو ایک چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں۔

جب اوّل اوّل ریلوے کی یہ حالت دیکھی تو ہمارے دل میں ریلوے کی ایک حقارت بیٹھی مگر جوں جوں آگے بڑھنے لگے اُسی قدر زیادہ قدر و منزلت ریلوے کی اور نہایت لیاقت اور قابلیت انجینئروں کی دل میں سماتی گئی اور بمبئی پہونچنے تک ایسی عزت اور قدر و منزلت بمبئی ریلوے کمپنی کی ہمارے دل میں بیٹھی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ یہ ساری سڑک بمبئی تک پہاڑوں میں گذری ہے۔ ریل کی سڑک میں بیسیوں فیٹ کا ڈھلاؤ اور اونچان نیچان ہے ایک مقام پر بہت دور تک ساٹھ فیٹ طول ہیں ایک فیٹ کے حساب

سے ڈھلاؤ تھا ان تمام ڈھلاؤں میں ٹرین دوڑتی ہے اور تمام چڑھائی میں بے تکلف چڑھتی ہے علاوہ اس کے بیسیوں جگہ گول چکر کھا کر پہاڑ پر چڑھی ہے اور بیسیوں جگہ سانپ کی طرح لہراتی ہوئی چلی ہے۔ پہاڑوں کا کاٹنا اور پہاڑوں میں نقبوں[۱۳] کا لگانا اور غاروں کو بند کرنا اور کہیں اُن پر بند باندھنا ایسے ایسے مشکل کام بمبئی ریلوے کمپنی کو پیش آئے ہیں جو بیان نہیں ہو سکتے پہاڑوں میں متعدد جگہ نقب ہے مگر دو جگہ نہایت لمبی ہے شاید قریب دو دو میل کے لمبی ہو، تمام نقبوں میں دوہری سڑک ہے اور بے تکلف ایک گاڑی آتی ہے اور ایک جاتی ہے جب نقب میں ٹرین داخل ہوتی ہے جیسے چوہا اپنے بِل میں۔ تو اس قدر اندھیرا ہو جاتا ہے کہ آدمی کو آدمی اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا، ان نقبوں میں جس قدر کام ہوا ہے دن کو چراغ جلا جلا کر ہوا ہے ان کاموں کو دیکھنے سے ایسا خیال گزرتا ہے کہ انسان کے یہ کام نہیں ہیں اور قیاس میں نہیں آ سکتا کہ کس قدر روپیہ بمبئی کمپنی کا ان کاموں میں خرچ ہوا ہوگا۔ اُس پر پانی کی مصیبت اور زیادہ ہے نہ پانی پینے کو میسر تھا نہ عمارت کے کام کو سینکڑوں نل اور پمپ لگا کر خدا معلوم کہاں کہاں سے اور کتنی کتنی دور سے پانی لائے ہیں حقیقت میں بمبئی ریلوے کمپنی کو صرف پانی بہم پہنچانے میں جو مشکل پیش آئی ہوگی ایسٹ انڈیا ریلوے کو کسی کام میں اس قدر مشکل نہ پڑی ہوگی اِن تمام چیزوں کو دیکھ کر بمبئی ریلوے کی نہایت قدر و منزلت ہمارے دل میں بیٹھی اور فی الحقیقت ریلوے کی ہنرمندی یا عجائبات جسکو دیکھنے ہوں وہ بمبئی ریلوے کو دیکھے۔

یہ بات تو ہر کوئی خیال کر سکتا ہے کہ جب ریل چڑھائی پر چڑھتی ہوگی تو آگے پیچھے دو انجن زور دینے کو لگاتے ہوں گے مگر اس بات کا سمجھنا شاید مشکل ہو کہ جب ڈھال پر ٹرین ڈھلکتی ہے اور خصوصاً اُس بڑے ڈھال پر جو ۶۰ فیٹ طول میں ایک فیٹ کا ڈھال ہے اور وہ سڑک سیدھی بھی نہیں بلکہ منحنی ہے تو کون ٹرین کو تھامتا ہوگا مگر نہایت عمدہ ترکیب ڈھال پر سے ٹرین کے اُتارنے کی دیکھی، ہر ایک گاڑی میں وہ کل لگی ہوئی ہے جس کے پیچ پھرانے سے پہیہ پھرنے سے بند ہو جاتا ہے اُس کل کے ذریعہ سے سب گاڑیوں کے

دو دو پہیے بند کر دیئے جاتے ہیں اور ایک اور قسم کا انجن لگاتے ہیں جو پیچھے زور دئے دیتا ہے اور تھوڑا تھوڑا آگے بڑھتا ہے اور اتنے بڑے بڑے ڈھالوں پر نہایت آہستہ آہستہ ٹرین ڈھلکتی ہوئی اُترتی آتی ہے۔

جب کہ ہم بل گام کے اسٹیشن پر پہنچے تو ہم نے تین برہمنوں کو (جن میں سے ایک معزز معلوم ہوتا تھا اور پوشاک بھی معقول پہنے ہوئے تھا) دیکھا کہ لوگوں کو نہایت تمیز و صفائی سے پانی پلا رہے ہیں اور پانی بھی نہایت عمدہ صاف میٹھا بہت ٹھنڈا باسی ہے وہ معزز برہمن پکارتا ہے کہ ریل والو بہت ٹھنڈا میٹھا پانی ہے، پینے والو پانی پیو، بہت ٹھنڈا پانی ہے۔ برتن بھی ان برہمنوں کے جن سے وہ پانی دیتے تھے نہایت اچھے اور صاف خوبصورت تھے اگرچہ شاید یہ انتظام بالتخصیص ہندوؤں کے آرام کے لیے ہو مگر وہ سب کو پانی دیتے تھے اور تمام مسافروں کو نہایت آرام تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ہم متعجب ہوئے جب تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ جیون رام جادو اسیٹھ ساکن کامپتی نے اس اسٹیشن پر دھرم کے لیے پو[۱۴] بٹھائی ہے اور پانی پلانے کا بندوبست کیا ہے تا کہ مسافروں کو اور بالتخصیص ہندوؤں کو تکلیف نہ ہو اور اسی سبب سے ایسا عمدہ سامان اور ایسا اچھا باسی ٹھنڈا پانی ہے، یہ بات مجھے نہایت پسند آئی اور دِل میں بیٹھ گئی اور جب زیادہ تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ ہر اسٹیشن پر جو کسی قصبہ یا شہر کے متصل ہے کسی خاص مہاجن نے ورنہ اُس شہر یا قصبہ کے دوکانداروں نے آپس میں چندہ کر کے پو بٹھا رکھی ہے اور پانی پلانے کا بندوبست کر رکھا ہے چنانچہ ہر ایک اسٹیشن پر ہم کو چندہ کی بٹھائی ہوئی پوملی۔ الاّ ویسی خوبی اور خوش اسلوبی اور پانی کی احتیاط دوسری جگہ نہ تھی اُس وقت مجھے اپنے ملک پر افسوس آیا، کیا ہمارے غریب شہر علی گڑھ اور ہاتھرس کے لوگ ایسے نہیں ہیں جو اپنے اپنے شہر کے اسٹیشنوں پر ایسا عمدہ بندوبست کریں اور کیا آگرہ کے متمول ٹونڈلہ کے اسٹیشن پر اور بنارس کے دولت مند مغل سرائے کے اسٹیشن پر ایسا بندوبست نہیں کر سکتے۔ افسوس ہے کہ وہ لوگ صرف برف کا پانی اپنے ہی پی لینا دنیا کی تمام نعمت سمجھتے ہیں زندگی اور مال و دولت اپنے آرام کو نہیں ہے بلکہ اوروں کو آرام پہنچانے کے لیے ہے۔

اس طرف کی ریل پر پارسی اور ناگر[15] اور دکھنی لوگ ایسی کثرت سے نوکر ہیں جیسے ہماری طرف بنگالی ہیں اور یہی حال تمام سرکاری دفتروں کا ہے۔ بندہ نے الہ آباد سے بمبئی تک کیا گاؤں میں اور کیا چوکیات میں اور کیا ریل پر اور کیا گورنمنٹ کے اہل کاروں اور ہر ایک محکمہ کے چپراسیوں اور ہر ایک جگہ کے قلیوں سے اُردو میں گفتگو کی، سب لوگ ہر جگہ بخوبی سمجھتے تھے اور اُردو ہی میں جواب دیتے تھے بعض بعض لفظوں کے مکرّر سمجھانے کی اور زیادہ تر آسان طور پر بیان کرنے کی ضرورت پڑتی تھی، کچھ شبہ نہیں کہ تمام ہندوستان میں اُردو زبان اسی طرح سمجھی اور بولی جاتی ہے جیسے تمام یورپ میں فرنچ، بلکہ اُس سے بھی زیادہ مروّج ہے مگر میں نے ہر چند تلاش کیا وہ قدیم بھاشا جس کا رواج الہ آباد[16] ایسوسی ایشن چاہتی ہے کہاں ہے مگر وہ مجھ کو کہیں نہیں ملی۔

لطیفہ:

ایک اسٹیشن سے مجھے تار میں خبر بھیجنے کی ضرورت ہوئی میں نے پرچہ پیام انگریزی میں لکھا ہوا تار گھر میں دیا اور ایک ناگر نے جو خبر بھیجتا تھا لے لیا اور حساب کر کے تین روپیے طلب کئے جو درحقیقت صحیح محصول اُس کا تھا چنانچہ میں نے تین روپیے دے دیے تھوڑی دیر بعد وہ ناگر میرے پاس آیا اور کہا کہ اگر میں تمہارا ایک روپیہ کا فائدہ کردوں تو آٹھ آنے مجھے دو گے۔ میں نے کہا کہ کیونکر، اُس نے کہا دو لفظ اس خبر میں بلا نقصان مضمون کم ہو سکتے ہیں اور اُن کی کمی سے صرف دو روپیہ محصول رہ جائے گا اس میں کمپنی کی چوری نہیں، میں نے اپنی عقل سے تمہارا ایک روپیہ بچایا، اس کے عوض میں آٹھ آنہ چاہتا ہوں۔ نصف لی ونصف لگم، اُس کی بات نے مجھے عجب مزا دیا اور میں نے دو لفظ کاٹ دیے، روپیہ پھیر لیا اور آٹھ آنہ اُس کی دانائی اور اپنی حماقت کے نذر کیے۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۳۰/اپریل ۱۸۶۹ء)

●

(۲)

مسافران لندن

جبل پور سے بمبئی تک تمام جنگل و پہاڑ نہایت بے رونق تھے۔ بجز آنبہ کے درختوں کے اور کسی درخت میں ایک پتہ بھی نہ تھا صرف سوکھی سوکھی سنٹیاں دکھائی دیتی تھیں گھاس بھی خشک ہوگئی تھی سارے جنگل و پہاڑ نہایت بھیانک اور وحشت خیز معلوم ہوتے تھے مگر لوگ کہتے ہیں کہ برسات میں اور اچھے موسم میں بہت خوشنما اور سرسبز ہوتے ہیں۔

تمام مسافر فرسٹ اور سکنڈ کلاس کے جو بمبئی جاتے ہیں وہ ایک اسٹیشن ورے یعنی بیکلا اسٹیشن پر اُترتے ہیں کہ یہاں سے ہوٹلیں اور شہر قریب پڑتا ہے اس لیے ہم نے بھی بیکلا اسٹیشن تک کا ٹکٹ لیا تھا اور وہیں اُترے، جوں ہی ہم اسٹیشن میں داخل ہوئے ہم نے اپنے مہربان دوست مسٹر نوروجی پارسی اور اپنے شفیق مرزا محمد علی بیگ کو اسٹیشن پر کھڑا پایا وہ ہمارا انتظار کر رہے تھے اِدھر ہم اُن کو دیکھ کر خوش ہوئے اُدھر وہ ہم کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ مگر جب ہم گاڑی پر سے اُترے اور دیکھا کہ مرزا محمد علی بیگ بسبب ناموافقت آب وہوائے ناگپور و بمبئی بہت دبلے و نحیف ہوگئے ہیں اور اُن کا دِل بھی ہشاش بشاش نہیں ہے بلکہ نہایت افسردہ و پژمردہ ہیں تو ہم کو نہایت رنج اور افسوس ہوا۔ مسٹر نوروجی نے ہم پر بڑی مہربانی کی فی الفور اسباب ہمارا ایک اپنے آدمی کی سپردگی میں اور چھکڑے پر لدوا کر ہوٹل کو روانہ کیا اور دو گھوڑوں کی پالکی گاڑی ہمارے لیے موجود تھی اور وہ خود ہمارے ساتھ ہوئے اور پالن جی کے ہوٹل میں پہونچا دیا۔

پالن جی ہوٹل نہایت عمدہ و معزز اور بہت بڑا ہوٹل ہے فرش فروش سے آراستہ ہے سونے کے لیے عمدہ عمدہ پلنگ اور پردہ دار مسہریاں لگی ہوئی ہیں۔ ہر کمرہ میں اور ہر جگہ

گیس کی روشنی ہوتی ہے۔ جائے ضرور اور غسلخانہ سب ولایت انگلستان کے نمونہ پر بنا ہوا ہے۔ ہر ایک جگہ پمپ اور نل کے ذریعہ سے دو منزلہ و سہ منزلہ مکانوں میں بھی از خود پانی پہنچتا ہے خدمتی، حاضر باش اور غریب فرمانبردار اور اپنے کاموں میں ہوشیار ہیں مگر سب کے سب ہندوستانی عیسائی ہیں۔ محمد محمود نے اُن سے کہا کہ ہمارے لیے بغیر ذبح کی ہوئی مُرغی مت پکانا، انہوں نے کہا کہ ہم ہمیشہ مُرغی و کبوتر ذبح کر کر پکاتے ہیں اور باقی گوشت مسلمان قصائی لاتا ہے۔ ہر وقت ہوٹل میں متعدد قسم کا عمدہ کھانا تیار ہوتا ہے۔ بہت سے انگریز بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہم نے دو کمرے اُس ہوٹل میں لیے، چار پلنگ اُن میں آراستہ ہوئے، ہم وہاں نہائے، دھوئے، کپڑے بدلے اور میں اور حامد اور مرزا خداداد بیگ دو گھوڑوں کی گاڑی میں سوار ہو کر شہر و بازار کو روانہ ہوئے۔

اوّل ہم گنیش داس کشنا جی کی دُکان پر گئے اور اُن کے گماشتہ کو ہُنڈیاں دے کر روپیہ چاہا، مالک کوٹھی وہاں نہ تھے گماشتہ نے نوٹ اور ہُنڈیاں ایک برہمن کے سپرد کر کر ہمارے ساتھ کیا کہ سیٹھ جی کے پاس لے جاؤ، جو قلعہ کی کوٹھی میں گئے ہیں چنانچہ ہم وہاں گئے۔ سیٹھ جی بہت خاطر تواضع اور اخلاق سے پیش آئے اور ہُنڈیوں پر بھر پائے لکھوا کر نوٹ ہمارے حوالے کیے اور ایک آدمی دیا کہ ہم کو پی اینڈ او کمپنی کا جہاز کا دفتر بتلا دے، ہم نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور کمپنی کے دفتر میں آئے وہاں کے مینیجر صاحب نے چند خطوط و چٹھیات وغیرہ کاغذات جو احباب نے ہمارے نام اُن کے پتہ سے بھیجے تھے سب حوالہ کیے۔ ہم نے نوٹ کرایہ جہاز کے اُن کو دیے اور چٹھی، رسید، کرایہ جہاز اور ٹکٹ ہائے ریل، عملداری مصر جو سوئز سے اسکندریہ تک پڑے گی اُن سے لے لیے۔

مصر کی ریل کے ٹکٹ انگریزی میں چھپے ہوئے بطور بیاض کے مینیجر صاحب کے پاس موجود تھے صرف نام کا خانہ خالی تھا اور اُس پر ڈائریکٹر ریلوے مصر کی مہر عربی زبان و عربی خط میں ثبت تھے ہم نے ہر چند کوشش کی کہ اُس مہر کو پڑھیں مگر ہم سے نہیں پڑھی گئی غالباً اُس میں یہ الفاظ ہیں: ''عموم المرور والسکه''

منیجر صاحب نے اُن پر ہمارا نام لکھ کر ہم کو دے دیا اور نصف مثنےٰ بیاض میں لگا رکھا۔ فرسٹ کلاس کا ٹکٹ سفید رنگ کا اور سکنڈ کلاس کو جو چھجو کے لیے لیا ہے، سُرخ رنگ کا ہے ہمارے پاس الہ آباد کے نوٹ تھے۔ ہم نے وہ دینے چاہے، منیجر صاحب نے کہا اوّل اُن کو ٹریژری سے بدل والو۔ وہاں بغیر پتہ کے بدل جاویں گے، تب بمبئی میں خرچ کرنا۔

شام کے وقت میں اور محمود اور مرزا خداداد بیگ پھر سوار ہوئے اور بھنڈی بازار میں مرزا محمد علی بیگ صاحب سے ملنے کو گئے اُن سے ملاقات ہوئی اور ہم سب ایک کتب فروش کی دُکان پر بیٹھ گئے اور بازار کے اور لوگوں کے آنے جانے کی سیر دیکھا کیے وہاں میر اشرف علی ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ہمارا وطن اور یہ کہ ہم کہاں جاتے ہیں پوچھا جبکہ انہوں نے جانا کہ ہم دلّی کے رہنے والے ہیں تو انہوں نے دلّی کے لوگوں کا حال پوچھا اور سید الاخبار [17] کا جو ایک زمانہ میں ہمارے ہاں سے باہتمام سید عبدالغفور پدر حافظ عبدالرزاق مہتمم اخبار سین ٹیفک سوسائٹی نکلتا تھا ذکر کیا اور کہا سید احمد ایک شخص دلّی میں تھے جنہوں نے رسالہ [18] تسہیل فی اعمال جرالثقیل اور رسالہ [19] نتائج الافکار فی اعمال الفرجار اور آثار الصنادید [20] لکھی ہے اور جوادالدولہ اُن کا خطاب تھا اب وہ کس طرح ہیں اور کہاں ہیں۔ میں نے کہا فضل الٰہی سے بہت خوش وخرم ہیں اور آپ کے سامنے بیٹھے ہیں وہ دفعتاً کھڑے ہو گئے اور نہایت خوشی اور شوق سے مصافحہ کیا اور بغل گیر ہوئے اور دیر تک کچھ ریاضی کے اور کچھ مسائل فقہ کے اور تقلید وغیرہ کی باتیں کرتے رہے۔

اُسی دُکان کے قریب ایک مسجد ہے جو نواب کی مسجد کہلاتی ہے اُس میں مغرب کی نماز کی اذان ہوئی، ہم لوگ نماز کو اُٹھے اور محمود بھی نماز کے لیے ہمارے ساتھ ہوا چلتے وقت مجھ کو خیال ہوا کہ ہماری قطعہ اور وضع لباس دیکھ کر ضرور لوگ متعجب ہوں گے مگر وہاں دیکھا کہ بہت سے آدمی ہماری سی سُرخ ترکی ٹوپی پہنے بیٹھے ہیں اتنا تو لوگوں نے دیکھا کہ

کوئی شخص نماز کو آیا مگر اُس کے سوا اور کچھ خیال بھی کسی نے نہیں کیا اس کا سبب یہ معلوم ہوا کہ اکثر تُرک ان مسجدوں میں نماز کو آجاتے ہیں اور اُن کی وضع اور لباس بالکل ہمارا سا ہوتا ہے، اس لیے کسی کو کچھ تعجب نہیں ہوا۔

مسجد کا امام شافعی مذہب تھا، نمازی جو قریب سوا سو ڈیڑھ سو آدمی کے ہوں گے نصف سے زائد شافعی مذہب تھے (شاید اُن میں کوئی غیر مقلد بھی ہو) امام کے پیچھے الحمد پڑھتے تھے اور پُکار پُکار کر آمین کہتے تھے۔ میری بھی خوب بن آئی اور ہم نے اپنے ہم مشربوں کے ساتھ نہایت دلی صدق سے پُکار پُکار کر آمین کہی۔ حتیٰ احترام المسجد۔ تعجب یہ ہے کہ محمود نے بھی جواب تک حنفی مذہب کے مطابق نماز پڑھتا ہے پُکار پُکار کر آمین کہی مسجد سے نکلنے کے بعد میں نے اُس سے پوچھا کہ تم نے کیوں پُکار پُکار کر آمین کہی اُس نے کہا کہ بہت سے مسلمان کہہ رہے تھے میرے دل نے بھی چاہا میں نے بھی پُکار کر کہی، میں نے کہا۔ بارك الله و جزاك الله و رزقك الله تقليد النبى الكريم و نجاك الله من التزام تقليد غيره فانّهٗ شرك فى صفته النبوةِ التّى ختمها الله تعالىٰ نبينا محمد صلى الله عليه وسلم۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۷ رمئی ۱۸۶۹ء)

●

(۳)
مسافران لندن

نویں اپریل کو ہمارے دوست سہراب جی نے بمبئی کے نہایت عمدہ انبہ ہم کو بھیجے اور نو بجے خود بھی ملاقات کو آئے اور ہم چاروں آدمی اُن کے ساتھ اُن کی کوٹھی واقع قلعہ میں گئے سہراب جی بمبئی کے پارسیوں میں نہایت مشہور اور دولت مند آدمی ہیں اور اُن کی بڑی کوٹھی تجارت کی ہے اور بہت بڑا آفس اور بہت بڑا کارخانہ اُن کا ہے وہ خود بھی سنہ ۱۸۶۲ء میں واسطے انجام بعض امور متعلق تجارت کے لندن میں گئے تھے گجراتی اُن کی اصل زبان ہے اور انگریزی خوب جانتے ہیں اور اُردو بہت خاصی بولتے ہیں، نہایت با اخلاق اور مسافر نواز ہیں، ہمارے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آئے جب کہ ۱۸۶۸ء میں سہراب جی نوروجی ہندوستان کی سیر کو آئے تھے تو بنارس میں اُن سے ملاقات ہوئی تھی جو کہ آج ہم کو بہت کام تھے اور متعدد محکموں میں جانا تھا، تھوڑی دیر بعد ہم اُن سے رخصت ہوئے انہوں نے نہایت مہربانی سے اپنا جمعدار جو نہایت عمدہ سیاہ بانات کی سنہری لیس دار وردی پہنے ہوئے تھا اور تمام مقاموں اور محکموں سے واقف تھا، ہمارے ساتھ گیا، اوّل ہم ٹریژری میں گئے اور الہ آباد نوٹوں کو بمبئی نوٹوں سے بدلوایا، مبادلہ افسر نے پوچھا کہ تم جہاز کے مسافر ہو؟ ہم نے کہا ہاں۔ اُس نے نوٹ لے لیے اور ایک پرچہ لکھ کر دوسری جگہ بھیج دیا اور بمبئی نوٹ آ گئے۔

پھر ہم نے سو ساورن خرید لیے، چار آنہ فی ساورن مبادلہ دینا پڑا اور اسی طرح پر سو ساورن ہمارے پاس آ گئے، ان دنوں میں اورینٹل بینک میں سات آنہ فی ساورن کا مبادلہ تھا۔

وہاں سے اُٹھ کر ہم اکاؤنٹینٹ کے دفتر میں گئے اور سرٹیفیکٹ تنخواہ کا جو ولایت میں انڈیا آفس سے تنخواہ ملنے کا تھا بدلوایا اور دس دن کی تنخواہ کا بل بہ تعداد ایک سو بتیس

روپیہ کئی آنہ کے لیا اور پھر ٹریژری میں آن کر اُس کا روپیہ وصول کیا ان سب کاموں سے فراغت ہو کر سب کی صلاح ہوئی کہ بڑودہ دوخانی جہاز کو جس پر ہم سوار ہوں گے دیکھنے چلو چنانچہ ہم سب میزیگان بندر پر آئے جہاں بڑودہ دوخانی جہاز لنگر ڈالے ہوئے تھا ہم نے دیکھا کہ کنارہ سے تخمیناً دو میل فاصلہ پر وہ جہاز کھڑا ہے ہم نے ایک چھوٹی سی کشتی جسے یہاں کے لوگ بوٹ (Boat) کہتے ہیں آمدورفت کے لیے دو روپیہ پر کرایہ کی اس میں سوار ہوئے اور پہلی دفعہ سمندر میں قدم رکھا۔ چلوّ میں ذرا سا پانی لے کر چکھا نعوذ باللہ منھا، منہ پر رکھا نہیں جاتا تھا، بالکل ایسا مزہ ہے جیسے کہ پانی میں نہایت کھاری اور شور نمک گھول دیا ہو۔ سبحانہٗ تعالٰی شانہٗ۔

جاتے وقت ہوا موافق تھی اور ملایم بھی تھی اُس پر بھی وہ بادام کے آدھے چھلکے برابر کشتی ایسی کروٹیں لیتی تھی کہ کبھی یہ کنارہ اور کبھی وہ کنارہ پانی برابر ہو جاتا تھا، ملاّح نے اس کشتی میں بادبان چڑھا اور موافق ہوا کے دھار پر چھوڑ فی الفور بڑودہ تک پہونچا دیا، ہم سیڑھی پر سے بڑودہ پر چڑھے اور اندر جا کر سیر کی جہاز کو اور جہاز کے کمروں کو مثل بادشاہی محل کے آراستہ پایا، عمدہ عمدہ میزیں اور کُرسیاں اور جا بجا شیشہ کی جڑی ہوئی لال ٹینیں اور چھوٹے چھوٹے آراستہ کمرے ضروری سامان سے سجے ہوئے تیار تھے تھوڑی دیر ہم نے وہاں کی سیر کی اور پھر اپنے اُسی بادام کے آدھے چھلکے پر ہو کر شہر میں آنے کا ارادہ کیا اُس وقت ہوا تند ہو گئی تھی اور آتے وقت مخالف بھی تھی اور اُس ظالم ملاح نے منع کرتے کرتے بادبان کشتی کا کھینچا اور بولا کہ تھوڑا چکر دے کر ابھی پہنچاتا ہوں کھینے میں بڑی محنت ہو گی اور بہت دیر لگے گی، غرض کہ کشتی اور سمندر کی جانب چلی اور اُس بادبان کو منحرف کر کر کشتی کو قریب تین چار میل کے اوپر چڑھا کر لے گیا۔ ہوا کے صدمہ سے کشتی لوٹ پوٹ ہو جاتی تھی اور لہروں کے مارے اونچی اُٹھتی تھی اور نیچے گرتی تھی ہم لوگ جامنوں کی طرح ہلتے تھے کبھی اس کنارہ سے ٹکراتے تھے کبھی اُس کنارے جھک جاتے تھے اگرچہ ہم میں سے کوئی خوف زدہ نہ تھا آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کرتے تھے اور جب

کشتی ٹھہری ہوتی تھی تو ہنس ہنس کر کوئی اواواد کہتا تھا، کوئی بسم اللہ کہتا، کوئی اللہ اکبر کہتا تھا، اور ملاح کہتا تھا تم ڈرومت، اگر کشتی کا ایک سرا پانی کے اندر چلا جاوے اور پھر نکلے اور دوسرا بیٹھ جاوے یا کشتی پر لہر پھر جاوے تو بھی کچھ اندیشہ نہیں ہے، میں نے اُس سے کہا کہ آخر کہاں لیے جاتا ہے وہ بھی کہتا تھا کہ تھوڑی دور اور چلو، غرض کہ کئی میل اوپر لے جا کر اُس نے کشتی کو سیدھا گھاٹ کی طرف چھوڑا اور بہت جلد گھاٹ پر آلگایا۔ قریب چھ سات میل کے چکر دیا ہوگا۔ آج کے سوا کبھی تمام عمر نہ ہم نے اتنا چوڑا اور اس قدر عمیق پانی دیکھا تھا نہ اتنی چھوٹی کشتی میں بیٹھے تھے نہ ایسی سخت ہوا اور اتنی بُری موجوں میں پڑے تھے۔

دسویں اپریل سنہ ۱۸۶۹ء کو قریب نو بجے کے مسٹر سہراب جی ہم سے ملنے آئے اور رخصت ہو کر گئے اس لیے کہ ان کو ایک مقدمہ کی جیوری میں جانا تھا ہم نے اسباب مع چھجو کے اسٹیمر کے گودام میں بھیجا اور ہم چاروں آدمی سوار ہو کر ایک سوداگر کی دُکان میں گئے اور وہاں کچھ دوائیں ضروری خریدیں۔ پھر گودام پر جا کے دیکھا کہ سب اسباب گودام میں داخل ہو گیا، چھجو کو ایک مکان میں بٹھا آئے اور ہم پھر قلعہ و بازار کی طرف چلے راستے میں رحمت اللہ سلیمان میمن سوداگر کی دُکان پر ٹھہرے اُس نے بڑی خاطر کی اور چار پانچ بوتل لیمنڈ پانی پلایا، میں نے اُس کو بہت ترغیب دی کہ میمنوں نے جو متفرق چھوٹے چھوٹے نا معقول صرف نام کے لیے مدرسے بنا رکھے ہیں اُن کو موقوف کریں اور سب میمن مل کر ایک بڑا اور نہایت عمدہ عربی کا کالج بناویں اور جوان اور لڑکے طالب علم اس میں بھرتی کریں اور انتظام سے قواعدِ مدرسہ جاری کریں تو البتہ فائدہ کی بات ہے اور یہ بوڑھے طوطے جن کا نام طالب علم رکھا ہے اور کوئی بھیک مانگتا ہے اور کوئی کسی کے گھر پڑھاتا ہے، ایسے لوگوں کو روٹی دینا اور مدرسہ کا نام کرنا صرف روپیہ پیسہ کا ضائع کرنا اور علم کو برباد کرنا بلکہ سمندر میں ڈبونا ہے، جس میں ذرا بھی ثواب نہیں ہے اُس نے کہا کہ آپس میں نہایت نا اتفاقی ہے اور ایک دوسرے کی حقارت اور اپنی شیخی اور نمود چاہتا ہے اس طرح کا اتفاق ہونا مشکل ہے۔ میں نے کہا تم سچ کہتے ہو، جب کسی قوم پر خدا کی غضبی ہوتی ہے اور ذلت اور

ادبار آتا ہے تو ایسی ہی مت ہو جاتی ہے مگر پھر بھی تم اس کا چرچا کرنا اور کہنا کہ ایک شخص ہندوستان سے آیا تھا اور وہ ایسی ایسی باتیں کرتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم وہاں سے اُٹھے اور بہت سے سوداگروں کی دکانوں پر گئے، کچھ ضروری چیزیں خریدکیں۔ دو بجے کے قریب پھر میزیگان بندر پر آئے، چھجو کو ساتھ لیا، اُس وقت ایک چھوٹا اگن بوٹ مسافروں کو جہاز تک لے جانے کو موجود تھا۔ ہم سب اس پر سوار ہوئے، تین بجے اس نے لنگر اٹھایا اور بڑودہ دُخانی جہاز میں ہم سب کو اُتارا۔

ذکر شہرِ بمبئی:

بمبئی نہایت عمدہ اور نفیس شہر ہے نہایت بڑی تجارت گاہ ہے کوئی بات بھی اس شہر میں ہندوستانی شہر کی نہیں ہے بالکل ایک انگریزی شہر معلوم ہوتا ہے، تصویروں میں جو انگریزی شہروں اور بازاروں کے نقشے دیکھتے ہیں، ہو بہو ایسی وضع اور ایسی قطع کا شہر ہے، صفائی بھی اچھی ہے، الّا کلکتہ میں جس طرف انگریز رہتے ہیں اُس کی بہ نسبت کسی قدر صفائی کم ہے مگر خاص کلکتہ شہر جیسا ناپاک ہے ویسا کوئی محلّہ بمبئی کا میلا و ناپاک نہیں معلوم ہوتا۔ تمام شہر میں اور تمام مکانوں میں گیس کی روشنی ہے مگر کلکتہ کی روشنی گیس کی یہاں سے زیادہ عمدہ ہے۔ ہر مکان میں تالاب کا میٹھا پانی، نل اور پمپ کے ذریعہ سے پہنچتا ہے یہ ایک بڑی عمدگی اس شہر کو ہوگئی ہے ورنہ پانی کی بڑی مصیبت تھی اور ہمیشہ پانی کا قحط رہتا تھا۔

دو تین جگہ بازاروں میں نہایت خوبصورت اور بہت بڑے بڑے عجیب عجیب تصویروں دار لوہے کے ستون گڑے ہوئے ہیں اُن میں بڑی بڑی تین تین اور کسی میں چار چار لالٹینیں لگی ہوئی ہیں جو تمام رات گیس کی روشنی سے روشن ہوتی ہیں۔ عمارتیں سرکاری اور ہوٹلیں اور ٹاؤن ہال اور رئیسوں کے اور پارسیوں کے مکانات نہایت عمدہ عمدہ اور بڑے بڑے عالی شان ہیں اور چند اور بہت بڑی عالی شان عمارتیں بن رہی ہیں۔ مسجدیں یہاں کی نہایت صاف اور فرش سے اور شیشہ آلات سے آراستہ ہیں اکثر میں

گیس کی روشنی ہے جامع مسجد عجیب قطع کی ہے۔ صحن مطلق نہیں ہے ساری پٹی ہوئی ہے، جیسے ہماری دلّی کی کھڑکی کی مسجد[۲۱] جو چراغ دہلی[۲۲] کے پاس ہے اُس میں پتھر کے ستون ہیں اس میں چوبی کے ستون ہیں اس مسجد کو تالاب پر بنایا ہے، ساری مسجد کے نیچے پانی ہے تھوڑا سا تالاب کو کھلا رکھا ہے اور سیڑھیاں بنادی ہیں گویا وہ مسجد کا حوض ہے اُس میں لوگ وضو کرتے ہیں اور ایک جگہ اوٹ کردی ہے وہاں نہاتے ہیں غرضکہ حوض کے اوپر چھتا پاٹ کر مسجد کا درجہ بنایا ہے اور پھر اُس کے اوپر ایک درجہ ہے گویا دو طبقہ مسجد ہے جمعہ کے دن اوپر اور نیچے دونوں طبقوں میں نمازی کھڑے ہوتے ہیں البتہ پہلے درجہ کی چھت صرف اُس مقام سے جہاں امام کھڑا رہتا ہے کھلی ہوئی ہے تاکہ اوپر کے طبقہ والے امام کو دیکھ سکیں یا آواز سُن سکیں، مجھے معلوم نہیں کہ ایسی دوسری مسجد یعنی دو درجہ کی اور کسی جگہ بھی ہے یا نہیں۔ سب سے اوپر کی چھت کھپریل کی ہے۔

قلعہ جو کہلاتا ہے وہ کسی زمانہ میں قلعہ تھا اور فصیل بھی قلعہ کی تھی مگر اب کچھ بھی نہیں صرف ایک جگہ دس پندرہ گز دیوار فصیل قلعہ کی باقی رہ گئی ہے۔ سرکار نے سب توڑ کر مسمار کر کر آبادی میں ملا دیا اور اب اس زمین پر جہاں قلعہ تھا تمام سرکاری کچہریاں اور سوداگروں کی کوٹھیاں ہیں مگر وہ ٹکڑا اب تک قلعہ کے نام سے مشہور ہے پس قلعہ کو ایک محلّہ بمبئی تصور کرنا چاہئے۔

اس شہر میں غالباً تمام ملکوں کے لوگ موجود ہوں گے مگر میمن اور پارسی یہاں کے بڑے امیر آدمی ہیں اور سوداگروں میں سیٹھ کا لقب نہایت معتبر و معزز گنا جاتا ہے بڑے بڑے پارسی بھی اپنے نام کے ساتھ سیٹھ کا لفظ لگاتے ہیں۔ مثلاً سہراب جی فریم جی سیٹھ، باپ کا نام بھی پارسیوں میں مثل دکھنیوں کے ساتھ بولا جاتا ہے۔

میمنوں میں بجز اس کے کہ اچھے کپڑے پہنتے ہیں اور عربی عمامے باندھتے ہیں اور بگھیوں میں چڑھتے ہیں اور اپنے نام اور اپنی شیخی کے پیچھے مرتے ہیں اور کچھ قومی ترقی نہیں کی۔ مسجد بنانے کا بڑا شوق ہے بہت سے میمن ہیں جن کے ہاں تھوڑا تھوڑا لنگر خانہ

جاری ہے اُن کے نام آوری کے لیے برائے نام ایک مدرسہ ہے ایک ملا اس میں پڑھانے کو نوکر ہے، پیر نابالغ، برائے نام طالب علم ہیں لنگر خانے سے روٹی پاتے ہیں۔ دن کو ایک آدھ برائے نام سبق پڑھا پھر کسی میمن کے لڑکے پڑھانے چلے گئے کوئی شخص کسی اور طرح سے خیرات مانگنے کا پیشہ کرنے چلا گیا۔ مجھ کو یہ حال دریافت ہونے سے نہایت افسوس ہوا اور میں نے کہا کہ دیکھو قوم کا جواد بار ہے تو باوجود یکہ روپیہ خرچ ہوتا ہے مگر کس بُری طرح خرچ ہوتا ہے جس سے نہ دین کا فائدہ نہ دنیا کا البتہ صرف چند روزہ ایک نام ہے کہ فلانے میمن کا مدرسہ ہے علاوہ اس کے ایک دو کٹ ملا خوشامدیوں نے تعریف کر دی اور کہا کہ آپ نے تو جنت میں ایک موتی کا محل بنالیا۔ لعنت اللہ علی الکاذبین وہ لوگ مر گئے جو موتی کا گھر بناتے تھے ایسی باتوں سے تو پھوٹی کھپریل کا بھی گھر نہیں بنتا۔

پارسیوں نے البتہ قومی ترقی خوب کی ہے، اپنے لباس کے وضع عمدہ طور پر تراش کر درست کر لی ہے، تمام پارسی کیا بڑا اور کیا چھوٹا سب ایک وضع کے پوشاک پہنتے ہیں۔ نہانا اور پوشاک بدلنی اور صفائی سے رہنا بالکل اختیار کیا ہے۔ اولوالعزمی بھی اُن میں ہے، تجارت اور نوکری کو دور دور جاتے ہیں اور شائستگی اور تربیت میں روز بروز ترقی کرتے ہیں لڑکیوں کی تربیت کی طرف متوجہ ہیں اور جو کہ اُن کے یہاں پردہ نہیں ہے اس لیے معتبر اور لائق طمانیت اسکول بنائے ہیں اور اُن میں لڑکیاں پڑھتی ہیں ہر ایک پارسی انگریزی پڑھا ہوا ہے اور بایں ہمہ اپنے مذہب کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور نہایت پابند اپنے اصول مذہب کے ہیں، میں نے سنا ہے کہ بعض پارسی اپنی لڑکیوں کو انگریزی بھی پڑھاتے ہیں کوئی اسکول ہے وہاں اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس برس کی عمر کی لڑکیاں انگریزی پڑھنے جمع ہوتی ہیں اور بخوبی پڑھ گئی ہیں، انگریزی بولتی ہیں اور چٹھی لکھتی ہیں مگر میں نہیں سمجھا کہ اپنی زبان چھوڑ کر پارسیوں کو لڑکیوں کے انگریزی پڑھانے لکھانے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔

بمبئی میں ایک نئی بات یہ ہے کہ ہر مقام پر اُن بازاروں کے جہاں کوٹھیاں اور کارخانہ تجارت بہت ہے، لوگ خطوط پر لگانے کے لیے ٹکٹ اور لالٹین اور لاکھ بتّی اور پانی

کے پیالے اور کانٹا اور ایک مہر جس پر کچھ نشان کھودا ہوا ہے لیے بیٹھے ہیں سینکڑوں آدمی خط اور چٹھیاں لاتے ہیں وہ ان کو تول کر ٹکٹ لگا دیتے ہیں اور صرف ٹکٹ کی قیمت لے لیتے ہیں اور چٹھیات رجسٹری ہو کر جانے والی ہیں یا پلندے جو آتے ہیں اُن پر لاکھ کی مہریں بھی کر دیتے ہیں اور اس کی اُجرت مناسب لے لیتے ہیں، میرے سامنے آدھ گھنٹہ کے عرصہ میں قریب بیس پچیس آدمی کے لیے ہوں گے مگر وہ دِن ولایت کی ڈاک جانے کا تھا اس سبب سے کثرت سے چٹھیاں آتی تھیں۔

ایک اور نئی بات بمبئی میں یہ دیکھی کہ بڑے بازاروں میں انگلستان کے طریقہ پر اومنی بس گاڑیاں دو گھوڑوں کی اور تین گھوڑوں کی کھڑی رہتی ہیں اور پھرتی ہیں جسکو کہیں جانا ہوتا ہے خفیف کرایہ دیا اور اُس میں بیٹھ گیا۔

اومنی بس ایک گاڑی ہے جس کے اندر دو طرفہ اور اس کی چھت پر بھی دو طرفہ بیٹھنے کی جگہ ہے اوپر اور اندر قریب چوبیس آدمیوں کے بیٹھ سکتے ہیں اور جس گلی یا مکان میں جس کو اُترنا ہوتا ہے اُتر لیتا ہے اور چڑھنے والے ہر جگہ سے سوار ہوتے جاتے ہیں فی الحقیقت بڑے آرام کی چیز ہے۔

غرض کہ بمبئی میں مجھ کو پارسی بہت پسند آئے انہوں نے نہایت عمدہ طرح سے قومی ترقی شروع کی ہے اور جس طرز پر کہ بنگالیوں نے قومی ترقی شروع کی ہے میری دانست میں پارسیوں کا طرز اُس سے نہایت عمدہ اور قابلِ تعریف ہے مگر افسوس ہے کہ مسلمان ہر جگہ سب سے پیچھے ہیں۔ تعزُّ من تشاءُ و تذلُّ من تشاءُ۔

ذکر برودہ دخانی جہاز کا:

برودہ اسٹیمر نہایت عمدہ جہاز ہے، لندن میں بنا ہے۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں بننا شروع ہوا اور سنہ ۱۸۶۴ء میں تیار ہو کر سمندر میں ڈالا گیا۔ تین سو نو فیٹ لمبا اور اڑتیس فیٹ چوڑا اور چھبیس فیٹ گہرا ہے باون ہزار چار سو چوالیس من بوجھ اُٹھاتا ہے۔ بیچو بیچ میں چار سو گھوڑوں کے زور کا انجن لگا ہوا ہے ایک بڑا کمرہ طولانی بیچوں بیچ میں ہے مگر انجن اور زینہ

ہونے کے سبب دو حصہ ہو گیا ہے اُن کمروں میں کھانے کی میزیں لگی ہیں اور کھانے کے بعد بیٹھنے اور کھیلنے اور باتیں کرنے کی جگہ ہے اور اُس کے دونوں طرف برابر برابر چھوٹے چھوٹے کمرے فرسٹ کلاس کے مسافروں کے لیے بنے ہوئے ہیں۔

کسی کمرہ میں ایک کسی میں دو، کسی میں تین، کسی میں چار پلنگ ہیں جو کمرہ ہم کو ملا تھا اُس میں چار پلنگ تھے دو نیچے اور دو اُن دو۔ کے اوپر، پلنگوں کی قطع بالکل ایسی ہے جیسے ہمارے ملک کے فرسٹ کلاس ریلوے گاڑیوں کے پلنگ ہیں اور اسی طرح اوپر تلے ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ریلوے گاڑیوں میں چمڑے کے گدّے ہیں اور جہاز میں اُن پلنگوں پر گدّے اور تکیے اور چادر مثل پلنگ کے بچھائی جاتی ہے۔ ایک دروازہ آمد و رفت کا ہے اور ایک چھوٹی سی کھڑکی سمندر کی طرف ہوا کے آنے کو ہے اور اُس میں سے سمندر کی سیر بھی بخوبی ہو سکتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ شدت ہوا یا طوفان کے وقت یہ کھڑکی بند کر دی جاتی ہے، تا کہ کمرہ میں پانی نہ آوے اور جس تختہ سے بند ہوتی ہے اُس میں چھ انچ کے قطر کا نہایت موٹا اور مضبوط ایک آئینہ قدرے روشنی آنے کے لیے لگا ہوا ہے اور ایسی حالت میں کمرہ میں نہایت گرمی اور حبس ہوتا ہے کمرے جو کیبن کہلاتے ہیں درحقیقت چھوٹے ہیں مگر جہاز میں اتنے ہونا بھی بہت غنیمت ہے جو کمرہ ہم کو ملا ہے اُس میں چار پلنگ نمبر ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲ کے تھے عرض اس کمرہ کا چھ فیٹ اور طول اس کا دس فیٹ ہے دیواروں میں دو چینی کے برتن منہ دھونے کو لگے ہوئے ہیں اتفاقیہ اس کمرہ میں ایک ستون آ گیا ہے جس کے سبب جگہ اور بھی تنگ ہو گئی ہے۔

متعدد حمام جہاز میں ہیں حمام کے کمرہ کا عرض ساڑھے چار فیٹ اور طول آٹھ فیٹ ہے اور اندر نہایت عمدہ ایک حوض سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے طول حوض کا ساڑھے پانچ فیٹ اور عرض دو فیٹ اور عمق دو فیٹ ہے باقی جگہ کمرہ کی خالی ہے اس کی تہ پر کاٹ کی جالی اور جالی کے نیچے لوہے کی چادر لگی ہوئی ہے جو پانی جالی پر گرتا ہے فی الفور بہہ جاتا ہے۔ حوض کے اوپر ایک نل پیتل کا لگا ہوا ہے اور اُس کی پیندی میں ایک بدرو پانی نکلنے کی ہے

حمام میں پمپ کے ذریعہ سے سمندر کا پانی آتا ہے جب کوئی نہانے کو جاتا ہے تو اُس مقام پر جہاں جالی لگی ہوئی ہے ٹھہر کر ہاتھ پاؤں میں یا بدن میں جو میلا لگا ہو سب دھو سکتا ہے، بعد اس کے جب حوض کی بدرو بند کر کر پانی آنے کے نل کا پیچ پھرا دیا اور فی الفور سمندر کا پانی حوض میں بھر گیا جو مقدار میں قلتین [۲۳] سے بہت زیادہ ہے اکثر لوگ یہ کرتے ہیں کہ اُس حوض میں اتر جاتے ہیں اور بیٹھ کر اور لیٹ کر خوب مل مل کر نہاتے ہیں جب خوب نہا چکے بدرو کھول دی، فی الفور حوض کا پانی نکل گیا پھر حوض میں کھڑے ہو گئے سر کے اوپر ایک چھلنی [۲۴] لگی ہوئی ہے اور دیوار میں ایک پیچ ہے جہاں اُس پیچ کو پھرایا اور چھلنی میں سے مینہ برسنا شروع ہوا اور نہایت زور سے موسلا دھار مینہ برستا ہے اُس کے نیچے کھڑے ہو کر پھر خوب نہا لیے اور اُس کا پیچ بند کر دیا حوض کے باہر نکل کر بدن پونچھ کر کپڑے پہن لیے۔

جائے ضرور بھی متعدد ہیں جب جائے ضرور کا کواڑ بند کر لیا جاتا ہے تو اندر سے ڈھائی فیٹ عرض میں اور پانچ فیٹ طول میں رہ جاتا ہے وہاں مثل کموڈ کے ایک چیز بنی ہوئی ہے مگر ایک عمدہ بات یہ ہے کہ اُسی کے پاس ایک برنجی حلقہ لگا ہوا ہے بعد رفع حاجت اُس حلقہ کو اُٹھایا اور کموڈ کے ظرف چینی میں پانی آیا اور سب میلے کو بہا لے گیا اور وہ ظرف چینی بالکل صاف ہو گیا۔ طہارت کرنے کے لیے عموماً بجز کاغذ کے وہاں اور کوئی چیز نہیں الّا اگر کوئی شخص اپنے ساتھ لوٹے میں پانی لے جاوے اور بہت موٹا آدمی بھی نہ ہو تو اس میں بخوبی پانی سے طہارت کر سکتا ہے صرف سلیقہ اور احتیاط چاہیے کہ پانی پھیلنے نہ پاوے، کموڈ تر نہ ہو جاوے تا کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔

جہاز کی نصف چھت پیچھے کی فرسٹ کلاس مسافروں کے لیے ہے اور حقیقت میں یہی جگہ جہاز کی بہشت ہے نہایت پُر فضا ہوادار اُس کے اوپر نم گیرا تنا ہوا ہے۔ جس طرف سورج ہوتا ہے اُس طرف کے پردے تن جاتے ہیں اور دوسری طرف کے اُٹھ جاتے ہیں رات کو سب طرف کے پردے اُٹھے رہتے ہیں سمندر کی سیر اور چاندنی کا پھیلاؤ اور ٹھنڈی ہوا بڑا لطف دکھاتی ہے حقیقت میں جس قدر روپیہ فرسٹ کلاس کا دیا جاتا ہے وہ صرف اسی

جگہ کی قیمت ہے، بینچیں اور کرسیاں یہاں بچھی رہتی ہیں اور تمام مسافر فرسٹ کلاس کے اور تمام میمیں اور بچے سارے دن اسی جگہ بیٹھے رہتے ہیں اور میمیں نو بجے رات تک بیٹھی رہتی ہیں پھر اپنے کمروں میں سونے جاتی ہیں اور مرد اکثر رات کو بھی یہیں سوتے ہیں۔

ایک غلطی بسبب ناتجربہ کاری کے ہم سے یہ ہوئی کہ ہم نے کوئی آرام چوکی اپنے ساتھ نہیں لی، اکثر مسافر اپنے ساتھ لائے اور بہت آرام پایا، اکثروں کے پاس اس قسم کی آرام چوکی تھی جو پیچوں پر ٹوٹ کر اکٹھی ہو جاتی ہے اور جب بچھاؤ تو پھیل جاتی ہے، ہم نے دو تین صاحبوں کو دیکھا کہ اسی قسم کی نئی کرسیاں بمبئی سے خرید کی اور اپنے ساتھ لے کر جہاز میں چڑھے اُس وقت ہم حیران ہوئے کہ کُرسیاں اپنے ساتھ کیوں لے جاتے ہیں مگر جب رات ہوئی اور اُن کرسیوں کو چھت پر بچھا کر وہ بیٹھے اور سوئے، اُس وقت ہم کو اُس کی قدر ہوئی۔ مگر ہم کو کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔ بہت سے صاحب تھے جن کے پاس کُرسیاں نہ تھیں خود جہاز کی چھت پر کُرسیاں اور بینچیں بچھی ہوئی ہوتی ہیں اور تمام چھت بیٹھنے اور لیٹنے اور سونے کے قابل ہوتی ہے، مگر اس قسم کی کُرسی کا لانا زیادہ تر آرام کا باعث ہوتا ہے۔

نصف چھت آگے والی جہاز کا دوزخ ہے تمام خلاصی اور قُلی اور دو باورچی خانے اور مُرغیاں، بھیڑیں، گائے، سور سب اسی طرف ہوتے ہیں اور ڈک پسنجر بھی اسی طرف رہتے ہیں۔ سکنڈ کلاس پسنجر کو اُسی طرف جگہ ہے مگر کسی قدر امتیاز کے ساتھ، میری دانست میں سوائے فرسٹ کلاس کے اور کسی طرح پر جہاز میں سفر کرنا بلاشبہ تکلیف کا باعث ہے۔

چھت کے اوپر بجز کپتان اور ایک اور افسر کے اور کسی کا کمرہ نہیں ہے جہاز کے کمروں میں اس طرح کی لال ٹین جڑی ہوئی ہیں کہ ایک رُخ مسافروں کے کمرہ میں اور ایک رُخ بڑے کمرہ کی طرف ہے دس بجے تک برابر روشنی رہتی ہے پھر یہ لالٹینیں گُل ہو جاتی ہیں اور دو ایک بڑی لالٹینیں تمام رات جلتی رہتی ہیں اور جائے ضروروں میں ساری رات روشنی رہتی ہے۔

بہت سے انگریز اپنے دوستوں کو جہاز میں پہنچانے آئے تھے ہمارے جہاز میں سوار ہونے کے آدھ گھنٹہ بعد ہنری ایس کنگ اینڈ کو کے ایجنٹ جہاز میں ہمارے پاس آئے اور مسٹر والٹر اسمتھ صاحب کی چٹھی جس میں کاغذات ضروری ہمارے نام ملفوف تھے پہنچائی اور ہم نے دونوں صاحبوں کا بہت شکریہ ادا کیا۔ قریب چھ بجے شام کے دسویں اپریل ۱۸۶۹ء روز شنبہ کو جہاز نے لنگر اُٹھایا اور ہم نے نہایت صدق دل سے آیت بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا اِنّ ربّی لغفور الرحیم پڑھی اور روانہ ہوئے۔ دن رات چلتے چلتے سترہویں اپریل ۱۸۶۹ء روز شنبہ کو ساڑھے سات بجے عدن میں پہونچے، جہاز نے لنگر کیا اور ہم نے عدن دیکھنے کی تیاری کی۔

نقشہ مندرجہ ذیل سے واضح ہوگا کہ ہم کس راہ سے سمندر میں ہوکر عدن تک آئے اور ہر روز کس قدر جہاز چلا مگر واضح رہے کہ حساب رفتار جہاز کا بارہ بجے دن سے دوسرے دن کے بارہ بجے تک لگایا جاتا ہے۔

تاریخ و یوم	عرض مقام وقت دوپہر		طول مقام وقت دوپہر		رفتار بحساب میلوں کے
	درجہ	دقیقہ	درجہ	دقیقہ	
۱۱ یک شنبہ	۱۸	۴۰	۶۹	۳۰	۱۹۵
۱۲ دوشنبہ	۱۷	۲۰	۶۵	۵	۲۶۹
۱۳ سہ شنبہ	۱۶	۱۸	۶۰	۴۵	۲۵۶
۱۴ چہارشنبہ	۱۵	۲۴	۵۶	۳۵	۲۴۷
۱۵ پنج شنبہ	۱۴	۲۵	۵۲	۱۴	۲۶۰
۱۶ جمعہ	۱۳	۳۰	۴۸	۳	۲۵۰
۱۷ شنبہ	۱۳	*	۴۵	*	۲۰۰
مقام عدن			میزان		۱۶۷۷

●●● (علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۲ رمئی ۱۸۶۹ء)

(۴)

مسافران لندن

حالات وواقعات جہاز

اب ہم کچھ حالات اور واقعات جہاز لکھ کر عدن اور اُس سے آگے جو سفر ہوگا اس کا ذکر لکھیں گے۔

عملہ جہاز:

اس جہاز میں کُل عملہ جو جہاز سے متعلق ہے ۱۷۹ شخص حسب مفصل ذیل ہیں:

کمانڈر	(Commander) -----	۱
افسران	(Officers) -----	۵
سرجن	(Surgeon) -----	۱
پرسر	(Purser) -----	۱
کلرک	(Clerk) -----	۱
انجینیر س	(Engineers) -----	۶
یوروپین کرو	(European Crew) -----	۲۰
یوروپین اسٹورڈ	(European Stewards)	۱۸
نیٹو اسٹورڈ	(Native Steward) -----	۱۲
لاسکرز وغیرہ	(Lascars etc.) -----	۵۷
ہندوستانی آگ جلانے والے	(Native Firemen)	۳۵
ہندوستانی کول ٹریمر	(Native Coal Trimmers)	۲۲
	میزان -----	۱۷۹

افسران کے یہ نام ہیں:

N. W. Haselwood, Commander	این۔ڈبلیو۔ھیسل ووڈ، کمانڈر
W. T. Baumont, Ist. Officer	ڈبلیو۔ٹی۔بومنٹ، افسراوّل
C. E. Walker, Surgeon	سی۔ای۔واکر، سرجن
C. P. Guicket, Purser	سی۔پی۔گیکٹ، پرسر
James Graham, Ist Engineer	جیمس گریہم، فرسٹ انجینیر

ہندوستانیوں میں متعدد قوم کے لوگ ہیں اکثر چینی ہیں اور اکثر مسلمان ہیں۔ مسلمانوں میں حبشی بربر عرب اور مسقط کے رہنے والے عربی بولتے ہیں۔ میں نے اُن سے عربی میں باتیں کیں، ہماری گفتگو تو وہ بخوبی سمجھتے ہیں مگر اُن کی زبان کے بعض بعض الفاظ سمجھ میں نہیں آتے۔ علاوہ اُن کے کوکنی مسلمان ہیں اور دو ایک آدمی ہندوستان کا بھی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ حبشی اور چینی اُردو بھی بقدر ضرورت کے سمجھتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ بعض دفعہ آپس میں بھی دو چار باتیں اُردو میں کرتے ہیں۔ خصوصاً کوکنی اور ہندوستانیوں سے اور کوکنی تو خاصی اردو بولتے ہیں۔

اس جہاز میں فرسٹ کلاس مسافروں کے قریب سوا سو کے پلنگ ہیں مگر اس دفعہ مسافر کم ہیں صرف اڑسٹھ مسافر فرسٹ کلاس کے اور تیرہ سکنڈ کلاس کے اور چھ ڈک پسنجر ہیں۔

تمام انگریز اور میمیں جو جہاز میں ہیں کسی سے بھی ہماری سابق کی واقفیت نہیں۔ ہماری طرف کا کوئی انگریز جہاز میں نہیں ہے اور اس سبب سے میں نہیں جان سکتا کہ جب یہ صاحب لوگ ہندوستان میں تھے اُن کا مزاج اور اخلاق کیسا تھا مگر جہاز میں سب کا مزاج نہایت اچھا اور با اخلاق ہے اکثر انگریز نہایت اخلاق و مہربانی سے پیش آتے ہیں۔ صبح کو اگر ہم کو خیال نہیں ہوتا تو خود پہلے گڈ مارننگ کہتے ہیں، ہر موقع پر تھینک یو، کہتے ہیں یا تو یہ صاحب ہندوستان میں بھی ایسے ہی خوش مزاج ہوں گے یا آب و ہوا

کے اختلاف کا سبب ہوگا، اس لیے کہ سمندر کی ہوا نہایت صحت بخش ہے ان صاحبوں میں سے جن صاحبوں نے ہم پر زیادہ مہربانی کی اور زیادہ اخلاق سے پیش آئے اُن کا سب سے اوّل جن سے ہم سے ملاقات ہوئی وہ میجر جنرل ہینگلٹن صاحب ہیں۔ یہ کمانڈر شمالی حصہ مدراس ہیں، یہ صاحب مدراس سے آئے ہیں اور سنہ ۱۸۵۸ء میں بنارس میں بھی چند روز رہے تھے اُن کے رجمنٹ وہاں آئے تھے۔

یہ صاحب نہایت با اخلاق اور حد سے زیادہ خوش مزاج ہیں۔ بوڑھے اور کسی قدر فربہ اور خوبصورت وجیہ آدمی ہیں۔ اوّل اوّل ہم سے اورینٹل بینک کے دروازہ پر ملے تھے اور اس بات سے کہ ہم اور وہ ایک جہاز میں سفر کریں گے نہایت خوش ہوئے، میں نے کہا کہ مارسیلز سے کیلیس تک جانے میں کس قدر تکلیف ہوگی اس لیے کہ ہم میں سے کوئی فرانسیسی زبان نہیں جانتا، بولے کہ نہیں مجھ سے جو تمہاری مدد ہو سکے گی میں کروں گا اور اگرچہ میں فرانسیسی زبان نہیں جانتا مگر میری میم صاحبہ خوب جانتی ہیں وہ بخوبی تم کو مدد دیں گی۔ میں نے اُن کا بہت شکر کیا اُس وقت سے برابر جہاز میں نہایت خوبی و اخلاق سے ملتے ہیں روز صبح کو Good Morning گڈ مارننگ ہوتی ہے اور مزاج پُرسی کے بعد اکثر باتیں ہوتی ہیں۔

مِس کارپینٹر صاحبہ[۲۵] جو نہایت نامی اور گرامی لیڈی ہیں اور جنہوں نے کلکتہ و بمبئی میں ہندوستانی عورتوں کی تعلیم کے لیے بہت کوشش کی ہے وہ بھی اسی جہاز میں تھیں اُن سے بھی میری ملاقات ہوئی بہت اخلاق و تپاک سے ملیں اور نسبت تعلیم عورات اور نیز بہ نسبت عام تعلیم کے بہت سی باتیں ہوئیں وہ اُردو مطلق نہیں جانتیں اور میں انگریزی بخوبی نہیں سمجھ سکتا اس لیے مترجم کی حاجت ہوتی تھی کبھی مرزا خداداد بیگ اور کبھی محمد محمود مترجم ہوتے تھے اور آپس میں بات چیت ہوتی تھی۔

مِس صاحبہ برسٹل کے رہنے والے ڈاکٹر کارپینٹر کی بیٹی تھیں وہاں بھی اُن کو غریب لوگوں کی لڑکیوں کی تعلیم کا بہت شوق تھا اور اُن پر محنت کرتی تھیں راجہ رام موہن[۲۶]

رائے بانی برہمومت سے اُن کی ملاقات تھی وہ مِس صاحبہ کے باپ سے ملنے برسٹل میں گئے ہوئے تھے اور اُسی گھر میں رہتے تھے وہیں بیمار ہوئے اور وہیں مرے۔ مِس صاحبہ نے اُن کی اور کچھ اور لوگوں کی زبانی ہندوستان کی عورتوں کی جہالت اور بُری حالت کا حال سنکر ہندوستان میں آنے کا اور یہاں کی عورتوں کی ترقی حالت میں کوشش کرنے کا ارادہ کیا اور ہندوستان میں تشریف لائیں۔

اُن کے پاس ایک کتاب ہے جس میں ہندوستانی لوگوں کی رائیں اور چٹھیاں اُن کے کاروبار کی نسبت مندرج ہیں وہ کتاب انہوں نے مجھے بھی دی اور میں نے بھی اُردو زبان میں اس کتاب پر اپنی رائے لکھی چنانچہ بجنسہٖ اُسکی یہ نقل ہے:

نقل عبارت:

مجھ کو بڑودہ دخانی جہاز میں جبکہ میں لندن کو جاتا تھا مِس کارپینٹر صاحبہ سے ملاقات حاصل ہونے کی عزت اور بے انتہا مسرت حاصل ہوئی، جب سے میں نے اُن کا نام اور اُن کی کوششوں کا حال نسبت تعلیم ہندوستانی عورات کے سُنا تھا میں بہت مشتاق اُن کی ملاقات کا تھا خدا کا شکر ہے کہ بطور نعمت غیر مترقبہ اُن سے ملاقات ہوگئی۔

''اُن کی عالی ہمتی اور بلند نظری اور تہذیب اخلاق اور نیک نیتی کا ثبوت خود وہی مضمون ہے جو انہوں نے اختیار کیا ہے یعنی اس گروہ کی (جس کو خدا تعالیٰ نے مرد کے لیے بطور دوسرے ہاتھ کے بنایا ہے اور جس کو نیک کاموں کے بخوبی انجام ہونے کے لیے مرد کا مددگار کیا ہے) تعلیم و تربیت میں کوشش کرنا درحقیقت یہ مضمون اور اس پر اُن کی کوشش نہایت قدر کے لائق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نیک کام پر کوشش ہونی (گو وہ کسی طرح پر ہو) نہایت اچھی ہے کیوں کہ اگر وہ کوشش درست بنیاد پر قائم ہوتی ہے تو وہ خود کامیاب ہوگی اور اگر اس میں کچھ غلطی ہے تو اُس سے امید ہے کہ اوروں کو اس نیک کام پر کوشش کرنے کی تحریک ہوگی جس سے توقع ہے کہ کوئی نہ کوئی کوشش بغیر کسی غلطی کے شروع ہوگی اور ٹھیک نیک نتیجہ تک پہنچے گی۔

نیک کام میں کوشش کرنے والوں کی کوششیں کبھی کبھی اس لیے کہ وہ اُن لوگوں کی عادات ورسم ورواج کے مخالف طریقے پر جن کی بھلائی کے لیے کوشش کی جاتی ہے قائم کی گئی ہیں برباد ہوگئی ہیں۔ حقیقت میں ایسا کرنا گویا نیچر کا مقابلہ کرنا ہے اور خود اُس نیکی کی وکالت کا آلہ بننا ہے خدا نے یوشع کے لیے سورج کا تھم جانا کہا حالانکہ شاید وہ غلط تھا کیوں کہ اگر وہ واقع بھی ہوا تو شاید زمین کا تھم جانا سچ ہوجاتا مگر خدا نے نیک بات پھیلانے میں بالکل عام سمجھ کی جو اُس زمانہ میں تھی رعایت کی پس اگر اب ہم کسی نیک بات کو پھیلانے میں عام رواج کی رعایت نہ کریں گے تو خود خدا کی اُس حکمت کو توڑیں گے اور خود اپنے لیے نقصان کا سبب ہوں گے۔

بہر حال میں خدا سے چاہتا ہوں کہ مِس کارپینٹر صاحبہ کی کوششیں کامیاب ہوں اور ہندوستان میں کیا مرد کیا عورت سچائی اور علم کی روشنی سے جو دونوں اصل میں ایک ہیں روشن ضمیری حاصل کریں۔"

یہ عبارت اُردو زبان میں لکھی گئی تھی ہمارے عزیز مرزا خداداد بیگ نے اُس کا ترجمہ انگریزی میں لکھ دیا اور وہ ترجمہ یہ ہے:

Since I heard of Miss Marry Carpenter's benevolent and philanthropic intention respecting female education in India, I was extremely anxious to form acquaintance with that noble lady and I must consider it a providential boon that I was fortunate enough to have the pleasure of meeting her on board the steamer "Baroda" on my way to London.

The very subject, namely, educating, and bettering the moral condition of women (a class whom God has made a second hand for man as it were, and an

assistance and help to him in performing good and virtuous deeds) is in itself the proof of the benevolent intentions and noble designs of Miss Carpenter. The subject itself and the exertions and endeavours for promoting it, both of them are really praiseworthy.

In my opinion trying to do good to the public of whatever nature that good may be, is in itself a praiseworthy things: for if those exertions are based on good and correct principles they will succeed of themselves, and if they are commenced on a wrong basis they will not succeed, but they will still excite the attention of other persons and will give them an impetus to follow the noble example; and out of so many exertions and endeavours surely one will be based on such sound and correct a basis as will succeed in producing the desired effect.

It has some times been the case that the benevolent exertions of many philanthropic persons have proved to be a failure, simply because, for carrying out their intentions, they adopted steps altogethr at contrariety with the manners and customs of the very nation they were going to benefit with their noble intentions.

Certainly to proceed in the manner above noticed, is to oppose nature face to face, and to become an implement of hindrance to their own design.

As for example in the case of Joshua, God said that the sun had stopped. perhaps it was incorrect. And if it really had been the case, perhaps it would have been stopped from her revolution. So that in order to introduce a good object. God look the general ideas regarding the subject, and the spirit of the times into consideration.

In the same manner if we intend to set a good work on foot but do not take the public views respecting it and the spirit of the day into consideration we are sure never to succeed. We are acting against nature itself. Our step themselves prove to be a dead stop to the prosecution of our design.

Still however it is very noble of Miss Carpenter that she has taken great pains in educating her Indian sisters and it is my hearty prayer that every success will attend her noble exertions.

Would to God that the people of India, in general whether male or female, may soon recieve the light of truth and knowledge which are, in reality, the same! ●

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۱ رمئی ۱۸۶۹ء)

(۵)

مسافران لندن

لیفٹیننٹ جے۔ بی۔ لارنس صاحب مدراس کے علاقہ کے جو بالفعل پیمائش کے کام پر متعین ہیں وہ بھی اس جہاز میں تھے ایک رات کو وہ نہایت مہربانی سے میرے پاس آکر بیٹھے اور پوچھا کہ تم لندن جاتے ہو۔ میں نے کہا ہاں، پھر کہنے لگے کہ میں مدراس سے آتا ہوں، میں مشنری نہیں ہوں، میرا کام توپ مارنے کا ہے مگر میں نے مدراس کے علاقہ میں جو لوگوں سے پوچھا تو وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں تین مذہب سچے ہیں ہندو، عیسائی اور مسلمان، کیا یہ بات تمہارے نزدیک بھی سچ ہے۔ یہ سوال کرتے ہی خود ہی جواب دیا کہ میرے نزدیک تو صحیح نہیں کیونکہ صحیح مذہب صرف ایک ہی ہوگا، میں نے کہا کہ ہاں متعدد مذہب جو مختلف اصول پر مبنی ہوں سب صحیح نہیں ہو سکتے بلکہ سب مذہبوں میں صرف ایک ہی مذہب صحیح ہوگا یا مختلف اصولوں میں ایک ہی اصول مذہب صحیح ہوں گے۔ اس پر بولے کہ میرے نزدیک عیسائی مذہب بالکل سچا و صحیح ہے۔ میں نے کہا کہ ہر شخص اپنے مذہب کو ایسا ہی سمجھتا ہے۔ کہنے لگے کہ اوروں کی سمجھ ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کے خیال کے صحیح ہونے اور اوروں کی سمجھ کے غلط ہونے کی کیا دلیل ہے کہنے لگے کہ دیکھو عیسائی قوم نے یا کہا کہ انگریزوں نے تمام دنیا کی قوموں سے زیادہ خدا کی مہربانی حاصل کی ہے۔ علم اور ہنر جیسا کہ ہمارے پاس ہے دوسری قوم کے پاس نہیں۔ ہم کو ہی خدا نے حکمت عطا کی ہے۔ دیکھو اس دوخانی جہاز کو کہ کیا حکمت سے بنا ہے اور کس حکمت سے چلتا ہے۔ ریل گاڑی کی حکمت اور طاقت تم نے بخوبی دیکھی ہوگی، تار برقی کی کرامت تم جانتے ہو۔ فوج کی اور جنگ کی بادشاہی قوت تمام دنیا میں ہماری سی کسی میں نہیں اگر اور کوئی مذہب سچا ہوتا تو اس پر بھی خدا اس طرح مہربان ہوتا۔ میں نے کہا کہ یہ

سب باتیں دنیا کے کاموں سے متعلق ہیں ان سے اور مذہب کے سچے یا جھوٹے ہونے سے کچھ واسطے نہیں ہے دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنے نیک بندے ایوب علیہ السلام کو اور اپنے پیارے جیسس کرائسٹ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں ذرا بھی جگہ نہ دی۔ نیک بندوں کے لیے دنیا نہیں ہے بلکہ دوسری زندگی کی نعمت ہے۔

یہ سن کر تھوڑی دیر چُپ رہے میں سمجھا کہ اب بات ختم ہوئی اس لیے کہ میں آپس کی صحبت اور ملاقات میں مذہبی گفتگو کو نہایت ناپسند کرتا ہوں بلکہ برخلاف اخلاق کے سمجھتا ہوں مگر افسوس کہ اُن کا ارادہ اس کے ختم کا نہ تھا وہ بولے کہ میں تم سے ایک بات جو نہایت سچ ہے اور دینی کام کی ہے اور جس پر مجھ کو بخوبی یقین ہے اور میرے دل کو بالکل تسلّی ہے کہتا ہوں کہ بہشت کا ملنا صرف جیسس کرائسٹ پر بھروسہ رکھنے پر منحصر ہے اور کوئی راہ نہیں۔ میں نے کہا کہ صاحب میں کہہ چکا کہ ہر کوئی اپنے مذہب پر ایسا ہی اعتقاد رکھتا ہے بولے کہ کیا تم بھی محمدؐ پر ایسا ہی بھروسہ رکھتے ہو جیسا کہ میں دل سے جیسس کرائسٹ پر رکھتا ہوں جو کہ اُن کا یہ سوال ہمارے اعتقاد مذہبی کے کسی قدر برخلاف تھا کیوں کہ ہم کسی شخص پر بھروسہ نہیں رکھتے بلکہ خدائے واحد پر بھروسہ رکھتے ہیں اس لیے اس کا جواب دینے میں میں نے تھوڑا سا تامل کیا اور اپنے دل میں یہ خیال کر کر کہ ہوگا خدائے واحد پر بھروسہ ہم کو بذریعہ محمد رسول اللہ صلعم کے حاصل ہوا ہے تو مجازاً ہم کو یہ کہنا کہ ہم محمد ﷺ پر بھروسہ رکھتے ہیں کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ سوچ کر میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس پر وہ بولے کہ نہیں تم کو اُن پر بھروسہ اور کامل بھروسہ نہیں ہے اس لیے کہ خود تمہاری بات اور جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم کو اس بات پر پورا بھروسہ اور مضبوطی نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کے سوال میں کسی قدر غلطی تھی سنئے کہ مجھ کو اس بات پر کہ بہشت اور نجات حاصل ہونے کے لیے بجز اس کے کہ ایک خدا پر دل سے اعتقاد رکھنا اور اسی کو پوجنا جس طرح کہ ہمارے سچے پیغمبر محمد ﷺ نے بتایا اور کوئی رستہ نہیں اور میں اس بات پر ایسا یقین رکھتا ہوں جیسا کہ اس روشن ستارے کو جو ہماری آنکھ کے سامنے ہے دیکھ رہا ہوں یہ سن کر

وہ خاموش ہو رہے۔ تھوڑی دیر چُپ بیٹھے رہے اور پھر اُٹھ کر چلے گئے اگر چہ مذہبی گفتگو اُن کی مجھے پسند نہ تھی مگر بایں ہمہ میری رائے اُن کی نسبت یہ تھی کہ یہ شخص اپنے مذہب میں نہایت متوجہ معلوم ہوتا ہے ضرور نہایت منکسر اور با اخلاق اور بموجب اصول اپنے مذہب کے غیروں سے محبت کرنے والا ہوگا مگر افسوس کہ پھر میری یہ رائے قائم نہیں رہی اس لیے کہ اُس کے بعد جب تک کہ وہ جہاز میں رہے نہ کبھی میرے پاس آئے، نہ کبھی مجھ سے کوئی بات کی، نہ صاحب سلامت کی۔ اگر کبھی اتفاقیہ میں پیش قدمی کر کر گڈ مارننگ کہتا تو ہاتھ سے سلام لیتے گئے۔ کئی دفعہ میرا ارادہ ہوا کہ میں اُن سے کہوں کہ اگر آپ میری کسی بات سے ناراض ہو گئے ہیں تو معاف کیجئے مگر جو کہ اُن سے زیادہ واقفیت نہ تھی اور نہ اُن کے مزاج کا حال معلوم تھا اس لیے میں نے تامل کیا۔

میجر ڈاڈ صاحب ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن ناگپور بھی ہمارے جہاز میں تھے انہوں نے مجھ سے صاحب سلامت کی اور بات چیت کی اور بہت اخلاق سے ملے اُن سے بہت زیادہ ملاپ ہو گیا۔ دُبلے چھریرے، بلند قد، ریش دراز اور نہایت با اخلاق اور نرم سخن، آہستہ گو ہیں اب تک ان کی خصلتیں اور بات چیت مجھ کو نہایت پسند ہے اور میں یقینی جانتا ہوں کہ بہ ہمہ صفت موصوف اور بہ ہمہ خوبی آراستہ ہیں، گھنٹوں میرے پاس بیٹھتے ہیں اور بات چیت کرتے ہیں۔ ولایت کا اور میرے ولایت جانے کے سبب کا اور ورنیکلر یونیورسٹی کا، سررشتہ تعلیم میں جو جو نقصان ہیں اُن کا اور لڑکیوں کی تعلیم اور اُن کے اسکولوں کا، اور اُن کی تعلیم کے لائق کتابوں کا، مختلف وقفوں میں ذکر ہوتا رہا۔ انہوں نے کہا کہ میری رائے میں بہت ضرور ہے کہ جب ہندوستانی نوکر ولایت جانا چاہیں اُن کو گورنمنٹ پوری تنخواہ پر رخصت دے۔

میں میجر ڈاڈ صاحب کا درحقیقت نہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے بہت سی باتیں جہاز میں مجھ کو بتلائیں اور جو نئی چیز ظاہر ہوتی تھی فی الفور میرے پاس آتے تھے اور دکھاتے تھے اور اُسکا حال بتلاتے تھے میں اُن کی اس مہربانی کا ہمیشہ شکرگزار رہوں گا۔

اگر چہ بعض وجوہات سے مجھے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے مذہب میں نہایت پختہ ہیں مگر متعصب ہونے کا خیال میرے دل میں مطلق نہیں ہوا کیوں کہ میں اُن کو نہایت مہذب اور بااخلاق آدمی خیال کرتا ہوں اور ہر ایک کے اپنے مذہب میں پختہ ہونے کو نہایت عمدہ جانتا ہوں مگر تعصب کو نہایت بُرا اور ایک بڑا نقص اخلاق انسانی میں اور نیچر یعنی حکمت الٰہی کے برخلاف سمجھتا ہوں تو ایسے اچھے آدمی میں جیسے کہ میجر ڈاڈ صاحب ہیں میں ایسا نقص کیونکر خیال کرسکتا تھا مگر ایک دن اتفاقیہ یہ ذکر آیا کہ فلاں صاحب باوصف بڑی لیاقت کے ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن اس لیے نہیں ہوا کہ شاید وہ لامذہب ہے اور کسی مذہب کے سچے ہونے کا یقین نہیں رکھتا۔ میں نے کہا کہ میری رائے میں ضرور ہے کہ ہندوستان میں ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن ایسے ہی ہوں جو لامذہب ہوں، کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا کہ جب ہندوستان میں مختلف قوم اور مختلف مذہب کے لوگ بستے ہیں تو مذہبی آدمی کا افسر تعلیم ہونا اکثر دفعہ بے تعصب عام تعلیم کا مانع ہوجاتا ہے۔ یہ بات سُن کر متعجب سے ہوکر خاموش ہورہے۔ درحقیقت میری رائے یہ ہے کہ جیسا خدا بے تعصب ہے مشرک، بُت پرست، خداپرست سب کو برابر پرورش کرتا ہے اسی طرح گورنمنٹ کو اور افسر تعلیم کو بے تعصب ہونا چاہئے۔ جب ہی گورنمنٹ ظل اللہ اور افسر تعلیم معلم صفت من صفات اللہ ہوسکتا ہے۔

اسی جہاز میں فرام جی مہربان جی تھالتی وارا جی پارسی سے ملاقات ہوئی ایک جوان تخمیناً ستائس اٹھائیس برس کی عمر کا ہے، پونا کا رہنے والا اور پونا کے مدرسہ میں انگریزی اور گجراتی پڑھی ہے اور ڈاک خانہ عدن میں پچاس روپیہ ماہواری پر نوکر ہوکر جاتا ہے، انہوں نے مجھ سے نہایت صاف اور شُستہ اُردو میں بات چیت کی، میں نے حیران ہوکر پوچھا کہ پونا کے آدمی کی ایسی صاف اُردو گفتگو کہاں سے آئی؟۔ اُس نے کہا کہ گجراتی زبان میں بہت سے فارسی لفظ ہیں اور ذرا سے تغیر میں گجراتی اُردو ہوجاتی ہے، میں اس کا خیال رکھتا تھا اور مجھے شوق تھا میں اُردو صاف بولنے لگا۔ یہ سن کر میں اور زیادہ

متعجب ہوااور میں نے کہااوہواُردو نے گجرات کوگھیرلیا ہےاب مجھے شوق ہوا کہ گجراتی زبان سنوں چنانچہ میرے سامنے انہوں نے آہستہ آہستہ گجراتی بولی اوراُردو میں ہرایک لفظ کو سمجھایامیں نے دیکھا کہ حقیقت میں اُردو ہے یاتویوں کہوکہ بہت کم فرق ہے۔یایوں کہوکہ سوائے چند الفاظ کے صرف لہجہ کا تفاوت ہے میں نے چاہا کہ وہ کوئی مطلب گجراتی میں بیان کریں اور میں اس کو گجراتی زبان اور فارسی حرفوں میں معہ اردوترجمہ کے لکھوں۔انہوں نے کہا کہ میرے پاس ایک کتاب ہےاُس کی عبارت لکھ لو۔چنانچہ علم عروض وقافیہ کی وہ ایک کتاب اُٹھالائے جس کا نام بیت رتی ہےاوراُس کوتصنیف کیا ہے منچر جی ساپور جی نے۔چند مقام اُس کتاب کے مجھے سُنائے۔اُس میں سے دومقام کی عبارت، میں نقل کرتا ہوں۔

دیباچہ

اَیْ فَرَلّیِ جَہانْ اَنِیْ اَی مُھوڈَالیْ جَبَانْ لّی پَاکْ خداتعلیٰ

اے پھرتی دنیا اور اے منہ کی زبان اس پاک خداتعالی

نِی ھَر دَمْ یاد کُردَا سَارونْ بَنْدھی لیں چھے اَنی انسان نی تھی

کی ہر دم یادکرنے کےواسطے بندھی ہوئی ہے اور انسان کی عقل اس کی

نِی ویبی دَرْیَافتْ کرْوانی گرفتاری مَان دِیوِنگیْ نِی اَثَرْ بَتْلادی چھے

واسطے دریافت کرنے کی گرفتاری میں دیوانگی کے اثر بتلاتی ہے

دوسرے مقام کی عبارت

سَخُنْ بی جاَتناَ چھے نَثَرْ اَنی نْظم بِیھہْ بیْ جاَتّی عِبارَتْ

سخن دوقسم کی ہے نثر اور نظم یہ دوذات یعنی قسم عبارت

مَان سَخنْ وَاُپرْ واَمانْ اَدِی چھے بعْجی دَلناَوْنا کیھاَمُوجِبْ

میں سخن کہنے میں آئی ہے بعضے داناؤں کے کہی بموجب

عَالَم نی آنکھ نی رَوشنی بخشنارَا سُخن نا چِھرَہ نی بِی

عالم کی آنکھ کو روشنی بخشنے والا سخن کے چہرہ کو دو

جات نارنگ تھی دِلکش اَنی دِی یگ دَار کی دَھامَان اَوِی چھے

ذات یعنی قسم کے رنگ سے دلکش اور دمک دار کرنے میں آتی ہے

گجراتی زبان میں صاحب سلامت کرنے میں یہ الفاظ بولے جاتے ہیں:

صَاحِب مِھر بَان

مزاج ان لفظوں سے پوچھتے ہیں

خُوش تو ہو

(خوش تو ہو)

طَبیعت تُو خوش چھے

(طبیعت تو خوش ہے)

اب غور کرنا چاہئے کہ یہ زبان اُردو کے کس قدر قریب ہے اور کتنے فارسی بلکہ عربی لفظ اس میں شامل ہیں۔ ہر مقام پر مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ الٰہ آباد ایسوسی ایشن کس کس ملک اور کس کس زبان میں سے فارسی لفظ نکال کر قدیم بھاشا جاری کرے گی۔ حقیقت میں اُردو موجودہ اب ہمارے ملک کی ورنیکلر ہے۔

میجر ہیسٹنگ فریزر صاحب متعلق حیدر آباد بھی اس جہاز میں ہیں اُن سے ملاقات ہوئی۔ کرنل فریزر صاحب کے بیٹے ہیں جو مدت تک میسور میں رہے تھے یہ صاحب نہایت صفائی اور درستی سے ملے اور نہایت با اخلاق اور صاف طبیعت آدمی معلوم ہوتے ہیں شرفائے اہل اسلام سے زیادہ تر صحبت رہی ہے فارسی بخوبی بولتے ہیں بلکہ اُردو سے فارسی میں بہت صاف و با محاورہ گفتگو کرتے ہیں۔ کہتے تھے کہ کئی سال سے فارسی بولنے کا اتفاق نہیں ہوا، اسی سبب سے اکثر الفاظ محاورہ سہو ہو گئے ہیں۔ نہایت مرد قابل و اشراف دوست ہیں۔ انہوں نے نظام کی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام ''آورفیتھ فُل لی

نظام'' ہے اس کتاب کے نام کا ترجمہ'' دوست صادق ما نظام''۔ ہمیشہ ہر روز مُجھ سے پوچھتے کہ'' سید صاحب مزاج شما خوش است بآرام ستی سچ تکلیف کہ نداری''۔ حقیقت یہ ہے کہ ان صاحب سے مل کر مرا دل بہت خوش ہوا۔ امید ہے کہ لندن میں پھر ملاقات ہوگی مگر یہ بات نہایت رنج کی ہے کہ ابھی قریب زمانہ میں اُن کی میم صاحبہ کا جو ڈیوڈسن صاحب، ریذیڈنٹ حیدرآباد کی بیٹی تھیں انتقال ہوگیا اور کئی بچہ صغیر السن چھوڑے ہیں اُسی سبب سے نہایت رنج وسراسمگی کی حالت میں تین مہینے کی رخصت لے کر ولایت جاتے ہیں اگر یہ رنج اور صدمہ اُن پر نہ ہوتا تو غالبًا اور بھی زیادہ خوش مزاج وخوش اخلاق ملاقات وصحبت میں معلوم ہوتے۔

میجر اسمتھ صاحب غازی پور کے استڈ والے اور اُن کی میم صاحبہ اور اُن کی بیٹی اٹڈا جو تین چار برس کی ہے اور بہت تماشے کی باتیں کرتی ہے اور ایک ہندوستانی آیا اور مسٹر ٹیلر جو افیم کے کام پر مرزاپور میں متعین ہیں اسی جہاز میں ہیں اور اُس سبب سے کہ ہم اور وہ ایک ملک سے آئے تھے اور بسبب غازی پور اور بنارس رہنے سے شناسائی تھی ایک قسم کی دوستانہ صاحب سلامت ہوگئی اور اٹڈا بہت آتی ہے اور تماشے کی باتیں کرتی ہے اور میم صاحبہ بھی نہایت مہربانی سے بات چیت اور صاحب سلامت کرتی ہیں۔

حسین علی بوہرہ ساکن کھمبات متعلق گجرات اسی جہاز میں ہیں وہ بطریق تجارت جاتے ہیں، سوئیز جاویں گے اور وہاں سے جو اسٹیمر جدّہ کو جاتا ہے جدّہ جاویں گے انہوں نے کہا کہ مرا ارادہ مصر جانے کا بھی ہے اس لیے کہ وہاں سر مبارک حضرت امام حسین علیہ السلام کا مدفون ہے اور بڑی زیارت ہے اُس کی زیارت کروں گا۔ مالوہ اور دکن میں مسلمان بوہرہ بہت کثرت سے ہیں۔ سب تجارت کرتے ہیں اور اپنی قوم کی پرورش اور پرداخت کے عجیب عجیب قواعد مقرر کیے ہیں جس کی وجہ سے میں اُن کو نہایت عمدہ قوم تصور کرتا ہوں۔ جس زمانہ میں کہ میں اندور گیا تھا میں نے اس قوم کے حالات

بخوبی تحقیق کیے تھے شیعہ مذہب ہیں مگر شیعہ اثناء عشری اخیاری اور اصول دونوں کے اصول مذہب سے اُن کے اُصول مذہب اکثر مختلف ہیں بعض ائمہ علیہ السلام کو نہیں مانتے اور درحقیقت بجز حضرت امام حسین علیہ السلام کے اور کسی کو معصوم خیال نہیں کرتے کل حذب بما لدیھم فرحون۔

اگرچہ اور بہت سے صاحبوں سے ملاقات اور صاحب سلامت ہوئی مگر جن سے فی الجملہ خصوصیت ہوئی انہیں کا ذکر کافی ہے۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۱ر جون ۱۸۶۹ء)

●

(۶)

مسافران لندن

کیفیت طعام

جہاز کے اُس بڑے کمرہ میں کھانا کھانے کے لیے میز لگی ہوئی ہے یہ دستور ہے کہ جس قدر مسافر جہاز میں ہوتے ہیں اُن سب کی گنجائش کے لائق کُرسیاں اور نہایت عمدہ بینچیں لگاتے ہیں اور مسافروں کی تعداد کے موافق چھُری کانٹے، چمچے اور خالی رکابیاں میز پر چُن دیتے ہیں۔ اُس وقت مسافر اپنے اپنے نام کا ٹکٹ میز پر جہاں اُس کو کھانا منظور ہو رکھ دیتا ہے پس وہ جگہ اُس کی ہوگئی جب تک کہ اُس جہاز میں سفر ہے ہمیشہ وہ جگہ اُس کے بیٹھنے کی ہے کوئی دوسرا وہاں نہیں بیٹھتا یہاں تک کہ اگر کسی دن وہ شخص کھانے پر نہ آوے تو وہ جگہ خالی رہے گی دوسرا کوئی وہاں نہیں بیٹھے گا۔

جبکہ میز تیار ہوئی فی الفور ہم چاروں آدمی گئے اور ایک عمدہ جگہ دیکھ کر ہم چاروں نے چار نشست برابر کی لے کر اپنے اپنے نام کے ٹکٹ رکھ دیے اور وہیں بیٹھا کیے۔

جہاز میں علی الصبح چائے اور توس کھانے کو ملتے ہیں پھر آٹھ نو بجے حاضری کھاتے ہیں پھر دو پہر کو ٹفن ہوتا ہے پھر چار بجے کھانا کھلایا جاتا ہے پھر رات کو چائے اور توس ملتے ہیں کھانے کے وقت ہر قسم کے میوے تر و خشک موجود ہوتے ہیں جس طرح انگریزوں میں دستور ہے اُسی طرح کھانا کھلایا جاتا ہے۔ باورچی اور جانور ذبح یا صاف کرنے والا انگریز ہے۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ جو بڑے جانور ہیں اور جن میں خون زیادہ ہے جیسے بھیڑ بکری میڈھا وغیرہ اُس کو تو وہ ہمیشہ گردن کے شہ رگ میں آر پار چھُری مار کر ذبح کرتے ہیں کیوں کہ اُن کے ہاں بھی دم مسفوح[۲۷] تا جائز یا حرام ہے یا اُس کے

اخراج کا رواج ہے اور پرند جانوروں کی نسبت وہ یہ کہتے ہیں کہ اِن کی مثال دریائی جانوروں کی سی ہے پس اُن کا ذبیحہ صرف اُن کا مارڈالنا ہے اِس لیے پرند جانوروں کو ذبح نہیں کرتے صرف گردن توڑ کر مارڈالتے ہیں مگر جو کہ میرے نزدیک عیسائیوں کا اس طرح پر پرند جانوروں کو مارا ہوا جو اُن کے نزدیک اُن جانوروں کا اسی طرح پر ذبیحہ ہے جیسے کہ ہمارے نزدیک مچھلی اور ٹڈی کا ہے۔ بموجب مسئلہ شریعت محمدیہ کے مسلمانوں کو کھانا درست ہے اس لیے میں نے اور ہمارے ساتھیوں نے ان دونوں قسم کے گوشتوں کے کھانے میں کچھ تامل نہیں کیا اور خوب مزے دار گوشت مٹن اور بیف اور مُرغ و کبوتر کے کھائے۔ الحمد للہ الذی جعل دیننا یسرا و لا عسرا و الصلوٰۃ و السلام علی صاحب الشریعتہ السھلۃ الھدیٰ۔

پہلی دفعہ جب ہم کھانے پر گئے تو ہمارے سامنے بھی برانڈی اور شیری اور لال شراب پینے کے خالی گلاس بہ ترتیب لگائے ہوئے تھے۔ جب ہم وہاں جا کر بیٹھے ہم نے اُن گلاسوں کو جنکو شراب پینے کا سمجھا پرے ہٹا کر اور اوندھا کر کر رکھ دیا۔ ایک قسم کی شراب ہے وہ ویسے ہی گلاس میں پی جاتی ہے جیسا کہ پانی پینے کا گلاس ہوتا ہے وہ گلاس پانی پینے کو ہم نے اپنے اپنے پاس رہنے دیا تھا (اسٹورڈ) یعنی خدمتگار جو یوروپین تھا یہ سمجھا کہ یہ لوگ اُسی قسم کی شراب پیئیں گے جو اِس گلاس میں پی جاتی ہے وہ فی الفور بوتل اُسی قسم کی شراب کی لایا اور مجھ کو اُس نے سب میں بڑا لمبی سفید داڑھی والا دیکھ کر سب سے پہلے میرے گلاس میں ڈالی۔ میں نے کہا نو نو نو (No, No, No)۔ اُس نے اُسی وقت ہاتھ روکا اور چند قسم کی شرابوں کے نام لینے لگا اس مطلب سے کہ وہ شراب لاؤں، فلاں قسم کی شراب لاؤں، میں نے کہا نو نو اونلی کولڈ واٹر (No, No, only cold water) اُس وقت وہ گلاس اُٹھا لے گیا اور دوسرا صاف گلاس اور برف کا پانی جو خدا کی بنائی ہوئی زندگی بخش شراب ہے ہم سب کے آگے رکھ گیا، اُس کے بعد کبھی ہمارے سامنے شراب نہیں لایا اور سور کا گوشت شاید مانگنے پر دیا جاتا ہے کیوں کہ کبھی کوئی ہمارے سامنے نہیں لایا۔

کیفیت وطبیعت:

جہاز پر ہم بہت خوشی خوشی سوار ہوئے اور سمندر کی فضا اور پانی پر کی سیلی سیلی ہوا گرمی کے موسم میں نہایت اچھی اور خوشگوار معلوم ہوتی تھی۔ شام کے وقت جب ہم کھانے پر گئے اور کچھ تھوڑا سا کھایا تھا کہ جہاز کی حرکت سے جو تھوڑا تھوڑا کروٹ کے بل ہلتا تھا سر کا بھیجا ہلتا ہوا معلوم ہوا، جس کروٹ جہاز جُھکتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سر میں اُس طرف کوئی نہایت بوجھل اور بھاری چیز آپڑی اور دوسری طرف سے سر خالی ہوگیا اور جب دوسری طرف جہاز کروٹ لیتا تھا تو اُس وقت تمام بوجھ سر کا اُس طرف جا پڑتا تھا اور اُدھر سے سر خالی ہو جاتا تھا اور جو کہ یہ حرکت جہاز کو بہت جلد جلد ہوتی تھی اس لیے سر میں بھی یہ کیفیت بہت سریع پیدا ہوتی تھی ہم گھبرا گئے اور کھانے پر سے اُٹھ کر جہاز کی چھت پر چلے گئے۔ ذرا ٹہلے کسی قدر کیفیت کم ہوئی پھر سونے کا وقت ہوا سو رہے۔ صبح کو اُٹھے میں نے بخوبی نماز پڑھی اور کچھ تغیر مزاج نہیں پایا۔ خداداد بیگ نے بھی کہا کہ مجھے تو کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ محمود کچھ گُم صُم تھا اور لیٹا جاتا تھا۔ حامد کو زیادہ تغیر تھا کہ اُس کا سر بھاری تھا اور جی متلاتا تھا اور منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ دوپہر کے قریب میری طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور سر میں ایسی حرکت تھی کہ مطلق اُٹھا اور کھڑا ہوا نہیں جاتا تھا۔ محمود کی اگرچہ یہ کیفیت نہ تھی مگر دن رات بچھونے پر پڑا رہتا تھا۔ حامد کا سب سے زیادہ بُرا حال ہوا اُس سے اندر آیا نہیں جاتا تھا چار دن رات وہ جہاز کی چھت پر پڑا رہا اور مطلق کچھ نہیں کھایا۔ کھانے کے نام سے اور اُس کی بو سے نفرت ہوتی تھی اور اُبکائی آتی تھی۔ بہر حال ڈیڑھ دن اور ایک رات میری طبیعت پر تغیر رہا، پھر میں اچھا ہوگیا۔ اب تک خداداد بیگ ہم سب میں ٹانٹے اور خوش ہیں اگرچہ اُن کو بھی کسی قدر تغیر ہوا۔ چھجّو بھی اور سب کی بہ نسبت اچھا ہے شاید وہ قے کر آیا تھا۔

جہاز کے ایک افسر نے محمود کا یہ حال دیکھ کر کہا کہ میں ڈاکٹر پاس سے ابھی دوا لاتا ہوں اور خود جا کر گلاس میں دوا بنوا کر اپنے ہاتھ میں لایا اور یہ بھی کہا کہ اُس میں تھوڑی

سی اسپرٹ ہے وہ شراب نہیں ہے اُس کو کوئی پیتا نہیں ہے دوا کے کام آتی ہے۔ محمود نے اُن کا بہت شکریہ کیا اور کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو تکلیف ہوئی مگر میں اسپرٹ ہونے کے سبب نہیں پی سکتا۔ اوّل تو اس بیچارہ نے بہت سمجھایا۔ جب محمود نے نہ مانا تو اُس نے کہا کہ میں پھر جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ایسی دوا دو جس میں کسی قسم کی اسپرٹ نہ ہو۔ چنانچہ وہ بے چارہ مہربان بغیر اسپرٹ کے دوا بنوا کر لایا، محمود کو پلائی اور درحقیقت اُس نے بہت فائدہ کیا۔

اتوار کا گرجا:

جہاز میں بھی اتوار کے دِن اسی طرح نماز ہوتی ہے جیسے خشکی میں دستور ہے کہ اگر کوئی پادری جہاز میں نہ ہو تو جہاز کا کپتان نماز پڑھاتا ہے۔ ہمارے جہاز میں ریورنڈ اے۔ ٹیلر، کامٹی کے چیپلن Revd. A. Taylor جو میجر ڈاڈ ''ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن ناگپور کے بہت دوست ہیں جہاز میں موجود ہیں اس سبب سے انہوں نے نماز پڑھائی۔ جہاز کی چھت پر سب انگریز جمع ہو گئے اور کُرسیوں اور بینچوں پر بیٹھ گئے اور موافق اپنے دستور و مذہب کے نماز ادا کی۔

میں بھی اُس مقام کے قریب جہاں نماز ہوتی تھی خاموش مؤدب کھڑا تھا اور کبھی ٹہلنے لگتا تھا کیوں کہ خدا کا نام ہر طرح ادب کے لائق ہے اور نماز کے ادا کرنے کو دیکھ رہا تھا اور خدا کی بے نیازی کی شان پر خیال کرتا تھا کہ عجیب بے نیاز اور مستغنی ہے کہ اگر کوئی بُت کے سامنے ڈنڈوت کرے تو اُس کو کچھ پرواہ نہیں اور اگر کوئی ٹوپی اُتار کر اور کُرسی پر بیٹھ کر نیاز کرے تو کچھ پرواہ نہیں اور اگر کوئی جبّہ اور عمامہ پہن کر اور تسبیح گلے میں ڈال کر کھڑا ہو کر، ہاتھ باندھ کر، ناک رگڑے تو بھی کچھ پرواہ نہیں اور اگر کوئی بُرا کہے، گالی دے، شرک کرے تو بھی کچھ پرواہ نہیں، بلاشبہ صفت استغنا اُسی پر ختم ہے ؎

زعشق نا تمام ما جمال یار مستغنی است
باب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

میں اسی خیال میں تھا کہ نماز ختم ہوگئی، نمازیوں میں سے ایک ہمارے دانا دل دادصفت دوست نے پوچھا کہ تم نماز میں کیوں شریک نہیں ہوئے۔ میں نے کہا کہ میں کیا شریک ہوتا۔ کہا کیوں؟ خدا تو ایک ہے، میں نے کہا کہ یہی تو وہاں نہ تھا یہ سن کر چُپ ہورہے۔

وفات جہاز میں:

یہ ایک غمگین واقعہ ہمارے جہاز میں ہوا، کپتان ولچ (Capt. Welch) ایک اور جہاز کے کپتان تھے جو بمبئی کے کنارہ پر کھڑا تھا وہ بشدت بیمار ہوگئے تھے اُن کے دوستوں نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح ولایت پہونچایا جاوے اس لیے اُن کو اس جہاز پر لائے۔ وہ بے ہوش تھے اور رات بھر جینے کی بھی کچھ توقع نہ تھی چنانچہ گیارہویں تاریخ رات کے وقت وہ مرگئے۔ دن کو دوپہر کے بعد اُن کا جنازہ ایک تختہ پر بنا کر لائے اور اُن پر جہاز کا نشان یعنی پھریرا ڈال دیا تھا اور شاید دونوں پاؤں میں لوہے کے دو گولے باندھ دیے تھے اُس تختہ کو جہاز کے کنارہ پر رکھا اور پادری صاحب نے جو جہاز میں تھے نماز پڑھی اور تختہ کو کھڑا کیا اور وہ لاش پاؤں کے بل سمندر میں کود پڑی اور سب کی نگاہوں سے غائب ہوگئی۔ میرے دل پر اُس بے کسی کی موت کا اور اُس طرح پر جنازہ بنا کر لانے کا اور سمندر میں ڈال دینے کا ایک عجیب اثر پیدا ہوا اور فی الفور یہ شعر مرے دل میں گزرا۔

چو آہنگ رفتن کند جان پاک
چہ برتخت مردن چہ برروئے خاک

جب آدمی مرگیا تو پھر جو چاہو سو کرو آگ میں جلاؤ، پانی میں ڈالو، خاک میں دباؤ جو ہونا تھا وہ ہو چکا اور جو ہوتا ہے وہ ہوگا۔

طریق سلامی:

ہم کو بمبئی سے عدن پہونچنے تک کئی ایک بغلے [۲۸] اور بادبانی جہاز اور اسٹیمر بمبئی کو جاتے ہوئے ملے مگر ایک ایک میل دو دو میل کے فاصلے پر تھے صرف دو بادبانی جہاز جن کا

ذکر آگے آتا ہے۔ بہت قریب ہمارے جہاز کے ملے تھے جب کوئی جہاز دن کو دکھلائی دیتا ہے تو فی الفور پھریرا نشان کا بلند کیا جاتا ہے اور جو کہ ہر ایک قوم کے جہازوں کے پھریرے علیحدہ علیحدہ رنگ کے ہیں اس لیے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کا جہاز ہے۔

رات کے وقت ایک دوخانی جہاز ملا، کپتان نے فی الفور دو مہتابیاں جن میں ایک قسم کی آتشبازی تھی منگائی غالباً میری یاد اور میرا خیال صحیح ہے کہ اوّل مہتابی میں سرخی مائل روشنی نکلی، تھوڑی دیر بعد چھچھوندر کی طرح اس میں سے کچھ چھوٹا اور پٹاخے کی سی آواز ہوئی اور پھر سفید رنگ کی مہتابی چھوٹی، اُس کے بعد دوسری مہتابی کو جلایا تو اُس میں نیلے رنگ کی روشنی چند منٹ تک چھوٹتی رہی۔

جہازوں کی بات چیت:

واقع میں یہ بات نہایت عجیب اور دلکش ہے کہ ایک جہاز دوسرے جہاز سے باوجود میلوں کے فاصلہ کے بات چیت کرتا ہے۔

یوروپ کے جہاز رانوں نے چار رنگ، نیلا زرد سفید اور سُرخ اختیار کیے ہیں اور پھریرے بنائے ہیں بعض نرے سفید، بعضے نرے سُرخ بعضے نرے زرد، بعضے نرے نیلے اور پھر ان رنگوں کو ترکیب دی ہے۔ بعضوں میں دو رنگ ہیں، بعضوں میں تین اور بعضوں میں چار اور پھر ان کی شکلوں میں بھی اختلاف کیا ہے، بعضوں میں چار رنگ کے چار مربع لگائے ہیں بعضوں میں چار معین شکل کے ٹکڑے، بعضوں میں مستطیل، بعضوں میں جیبی دار، اُن پھریروں کو مختلف ترتیب سے لٹکانے سے عبارت بن جاتی ہے۔ دوسرا جہاز والا دوربین سے دیکھ کر عبارت سمجھ لیتا ہے اور اُس کا جواب اُسی طرح دے دیتا ہے۔

بارہویں اپریل کو ہمیں دو جہاز بادبانی ملے۔ شاید کوئلہ اور اور کچھ مال تجارت کا لے جاتے تھے، انگریزی جہاز تھے اُن میں سے ایک جہاز والے نے پھریرے لٹکائے ہمارے جہاز کے کپتان نے دیکھا اور سوال سمجھ لیا اور فلاں فلاں نمبر کے پھریرے لٹکانے کا حکم دیا۔ وہ لٹکائے گئے اور اُس کو جواب مل گیا بعد اُس کے میں نے دریافت کیا کہ کیا

جواب سوال ہوئے تھے تو معلوم ہوا کہ بادبانی جہاز نے پوچھا تھا کہ جہاں ہم ہیں اُس کا عرض البلد اور طول البلد کیا ہے۔ ہمارے جہاز نے جواب دیا کہ عرض البلد ہے سترہ درجہ بیس دقیقہ اور طول البلد ہے پینسٹھ درجہ پانچ دقیقہ۔ سبحانہ و تعالیٰ شانہٗ

طریق دریافت عرض وطول بلد:

جہاز میں ٹھیک رستہ چلنے کے لیے متعدد قطب نما لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک جگہ کپتان یا اور افسر اور دوسری جگہ کوارٹر ماسٹر دن رات برابر کھڑے رہتے ہیں اور ہر دم قطب نما کے درجے دیکھتے رہتے ہیں۔ اگر ذرا بھی جہاز کا رُخ پھرا اور قطب نما سے معلوم ہوا اُسی وقت سکان جہاز کو پھروایا اور پھر صحیح سمت پر پھیر لیا مگر اس بات کے دریافت کرنے کو کہ ہم ٹھیک صحیح رستہ پر چلے جاتے ہیں اور اب کہاں ہیں ہر روز دوپہر کے وقت عرض وطول مقام جہاز جس کو باصطلاح عام ہیئت عرض بلد اور طول بلد کہتے ہیں نکالتے ہیں اُس کے لیے ایک نہایت مختصر آلہ ربع دائرہ کے طور پر بنا ہوا ہے جس کو سکسنسٹ کہتے ہیں اُس میں ایک چھوٹی دوربین ہے اور چند شیشہ اور ایک متحرک پرزہ بطور ساقول[29] کے دوپہر کے قریب سے غایت ارتفاع شمس دیکھتے رہتے ہیں۔ دوربین سے افق دیکھتے ہیں اور شیشوں میں آفتاب کی شعاع پڑتی ہے اور متحرک پُرزہ سے درجہ ارتفاع معلوم ہوتے ہیں اس طرح دیکھتے رہتے ہیں اور ہر دفعہ کے ارتفاع کو لکھتے جاتے ہیں جب دیکھا کہ ارتفاع اب بڑھتا نہیں بلکہ اب گھٹتا ہے تو غایت ارتفاع معلوم ہوا۔ اُسی وقت دوپہر کے بجنے کا حُکم دیا اور ایک جدول بنی ہوئی ہے اُس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس مقام پر غایت ارتفاع آفتاب فلاں تاریخ میں اس قدر ہو تو اُس مقام کا عرض بلد اور طول بلد اس قدر ہوگا۔ اس جدول کو دیکھ کر طول وعرض مقام دریافت کر لیتے ہیں۔

ہمارے ہاں بھی ہر مقام کا طول وعرض بلد نکالنے کے لیے آلات اور قاعدے متعین ہیں اصطرلاب[30] اور ربع مجیب[31] سے نکال سکتے ہیں مگر جیسا صحیح اور نہایت آسانی سے انگریزی آلہ سے نکلتا ہے ویسا اُس سے نہیں نکلتا۔

طریق پیمائش راہ:

اُس بات کے دریافت کرنے کا کہ دن رات میں یعنی دو پہر سے دو پہر تک جہاز کتنا چلا فی گھنٹہ کے میل چلتا ہے نہایت عجیب اور آسان قاعدہ ہے اور وہی مثل ہے کہ تِل کے اوجھل پہاڑ۔

ایک رسّی ہے جس کے سِرے میں ایک کاٹھ کا ٹکڑا بقدر ربع دائرہ کے تین رسیوں میں چھینکے کی طرح لٹکتا ہے۔ دو رسیاں تو مضبوط بندھی ہوئی ہیں اور ایک رسّی اس طرح پر اٹکائی ہے کہ اگر برابر زور دیے رہو تو اٹکی رہے اور اگر جھٹکا مارو تو اُس کا سرا نکل جاوے۔

اس کے سوا ایک ریت کی گھڑی ہے جو ایک منٹ میں خالی ہو جاتی ہے ایک شخص اُس گھڑی کو لے کر کھڑا ہوتا ہے اور ایک شخص وہ کاٹھ کا چھینکا جہاز کے پیچھے کھڑے ہو کر ڈالتا ہے۔ جہاز چلا جاتا ہے اور وہ شخص رسّی چھوڑے جاتا ہے جہاں ایک منٹ پورا ہوا اور رسّی کو روکا اور جھٹکا مارا چھینکا کھل گیا اور رسی کو ناپ کر یا اُس کی گرہوں کو شمار کر کر دیکھا کہ ایک منٹ میں کس قدر جہاز چلا، اُس کا حساب کر کر گھنٹوں میں اور دن رات میں رفتار کا حساب کر لیا۔ یہ عمل دِن رات میں متعدد دفعہ کرتے رہتے ہیں تا کہ رفتار کی تیزی اور کمی کا حال معلوم ہوتا رہے اور شاید ہر دفعہ کے عمل کا اوسط نکال کر دن رات کی رفتار کا حساب کرتے ہیں۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۸؍جون ۱۸۶۹ء)

●

(۷)

مسافران لندن

گھنٹہ بجنے کا طریق

جہاز میں اس طرح پر گھنٹے نہیں بجتے جیسے ہمارے ملک میں ایک سے بارہ تک بجتے ہیں بلکہ جہاز میں یہ دستور ہے کہ دن رات کے چھ حصہ حسب تفصیل ذیل کرتے ہیں۔

۱۔ دوپہر دن سے چار بجے تک

۲۔ آٹھ بجے رات تک

۳۔ بارہ بجے رات تک

۴۔ چار بجے رات تک

۵۔ آٹھ بجے صبح تک

۶۔ دوپہر دن تک

اور گھنٹہ اور آدھا گھنٹہ بجاتے ہیں اور اس لیے یہ قاعدہ ہے کہ ایک گھنٹہ کی دو چوٹ متصل لگاتے ہیں اور آدھ گھنٹہ کے لیے صرف ایک چوٹ مثلاً ایک بجانے کے لیے دو چوٹ متصل لگادیں گے اور ڈھائی گھنٹہ بجانے کو دو چوٹ متصل، پھر دو چوٹ متصل، پھر ایک چوٹ۔ اس حساب سے چار بجے بھی آٹھ بجتے ہیں اور آٹھ بجے بھی آٹھ بجتے ہیں اور بارہ بجے بھی آٹھ بجتے ہیں۔

کھیل ہائے جہاز:

عدن تک جو لوگ ہمارے ساتھ جہاز میں تھے وہ صرف دو کھیل علاوہ شطرنج و گنجفہ و نرد کے جہاز میں کھیلتے تھے۔

Skittles:

ایک اسکٹل۔ یہ کھیل اس طرح پر کھیلتے ہیں کہ نو موگریاں نیچے سے پتلی اور اوپر سے موٹی اس طرح پر کھڑی کرتے ہیں اور ایک بھاری گیند توپ کے گولہ برابر ہوتی ہے اس کو فاصلہ معین سے دوڑ کر زور سے لڑھکا کر ان موگریوں پر مارتے ہیں تا کہ وہ گر پڑیں اور ہر شخص تین دفعہ وہ گیند لڑھکاتا ہے اور جس قدر موگریاں گرتی ہیں اُن کی تعداد لکھتے جاتے ہیں جس نے سب سے زیادہ موگریاں گرائیں وہی میری ہیں۔

Quiots:

دوسرا کھیل کوائٹس کھیلا گیا یہ کھیل میمیں کھیلتی ہیں۔ دو خالی بالٹیاں پانی کی ایک فاصلہ پر رکھی جاتی ہیں اور سن کی خوبصورت خوبصورت اینڈویان بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہر ایک میم تین تین اینڈویان ہاتھ میں لے لیتی ہے چند میمیں ایک بالٹی کے پاس کھڑی ہوگئیں اور چند دوسری بالٹی کے پاس اور ایک نے دوسری کی بالٹی میں اینڈوی پھینکنی شروع کی جس کی اینڈویاں بالٹی کے اندر پڑی رہی میری ہے۔ یہ کھیل اس لیے ہیں کہ جہاز میں کچھ ریاضت کرنی چاہیے سُست پڑا رہنا نہ چاہئے۔

جانوران سمندر:

عدن تک ہم کو کوئی عجیب جانور سمندر میں نہیں دکھائی دیا۔ صرف تین جانور ہم نے دیکھے۔

اوّل ''فاسفورس'' جب جہاز چلتا ہے اُس چلنے کی لہر میں ہزاروں جانور جھاڑی بوٹی کے بیر کے برابر پٹ بیجنے [۳۲] کی طرح چمکتے ہوئے اور پانی میں تیرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سمندر کے پانی میں نہایت باریک جو آنکھ سے نہیں دکھائی دیتے یہ کیڑے ہیں اور پانی کی حرکت سے پٹ بیجنے کی طرح چمکتے ہیں اور چمک کے سبب اتنے بڑے دکھائی دیتے ہیں۔ رات کو اگر سمندر کا پانی اُچھالیں یا اندھیرے میں ہلا دیں تب بھی یہ جانور چمکتے ہیں۔

دو، ''جلفش''، جس کو خلاصی جھتنا کہتے ہیں یہ ایک قسم کی مچھلی ہے نصف سیپی کی طرح اُس کا چھلکا ہے اور گووہ آدھی سیپی چت تیرتی ہے اور اُس کے بیچ میں گلابی رنگ کی ایک چیز معلوم ہوتی ہے اور پانی میں کنول کے پھول کی طرح تیرتی پھرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ جو گلابی رنگ کی چیز ہے وہ صرف ایک لمبا تانتواں ہے اور کچھ نہیں اور اسی سبب سے کھانے کے لائق نہیں ہے مجھ کو یہ مچھلیاں روپیہ کے برابر اور ہتھیلی کے گڈھے کے برابر دکھائی دیں مگر لوگ کہتے ہیں کہ نو انچ کے قطر تک ہوتی ہیں۔

سوم ''پرند مچھلی''، یہ مچھلی عجیب کیفیت دکھاتی ہے غول کے غول اور متفرق بھی پانی میں سے اُڑ جاتی ہے اور بیس تیس قدم تک اُڑتی ہوئی چلی جاتی ہے اور پھر سمندر میں ڈوب جاتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جہاز کی چھت پر اور کبھی کھڑکی کی راہ سے کمرہ کے اندر آن پڑتی ہے چنانچہ ایک مچھلی میجر فریزر صاحب کے کمرہ میں آن پڑی۔ بالشت برابر لمبی اور انگوٹھے برابر موٹی تھی مثل مچھلی کے پروں کے دو پر اُس کے ہوتے ہیں وہ اِس قابل نہیں ہیں کہ مثل پرند جانوروں کے اُن سے اُڑا جاوے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرکت ان مچھلیوں کی اُڑان نہیں ہے بلکہ زقند ہے۔ کوئی بڑی مچھلی اُن کو کھانے کو دوڑتی ہے اور وہ بھاگتی ہیں جب زیادہ دباؤ پڑتا ہے تو زور سے زقند مار کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا پڑتی ہیں اور اِس کود میں اُن کے پر چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُن پروں سے اُڑ رہی ہے۔

حال راہ و مینار ہائے روشنی:

جب ہم بمبئی سے چلے تو تھوڑی دیر میں ہماری آنکھ سے زمین غائب ہوگئی اور بجز پانی پانی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا چاروں طرف ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پانی کا کنارہ آسمان سے ملا ہوا اور آسمان مثل سرپوش کے پانی کے اوپر ڈھنکا ہوا ہے چھ دن اور چھ رات اسی طرح پانی پانی میں چلے گئے تب ۱۱ر اپریل روز جمعہ کو علی الصباح بعد نماز فجر زمین مقدس عرب دکھائی دی۔ ہم کو اُسے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور میرے دِل میں خیال گذرا کہ سبحان اللہ اس وادی غیر ذی زرع میں سے خدا تعالیٰ نے ایسا نبی الوالعزم آخر الزماں،

ختم پیغمبران پیدا کیا۔ میں اسی خیال میں تھا کہ ہمارے محسن و شفیق میجر ڈاڈ صاحب نے مجھ سے آن کر کہا کہ پیغمبر کی زمین دیکھی۔ میں نے کہا: ہاں دیکھی جو عرب دی بلسڈ یعنی رحمت کیا گیا تھا عرب کہلاتا ہے۔ اسی تاریخ رات کو عدن کے قریب کے پہاڑ دکھائی دیئے اور جہاں سے پہاڑ شروع ہوئے ہیں وہاں ایک مینار روشنی کا جہازوں کو راہ بتانے کے لیے بنا ہوا ہے۔ قریب صبح کو ہم کو پہاڑ شمشم دکھائی دیا جو خاص عدن کا پہاڑ ہے اور تھوڑا دن نکلا تھا کہ ہم عدن میں جا پہونچے اور جہاز نے کنارہ عدن کے بہت قریب لنگر ڈالا۔ عدن میں بھی ایک مینار روشنی کا ہے اور کنارہ پر کے پہاڑ اور مکانات اور فصیل و برج قلعہ کی نہایت خوشنما سیر جہاز میں سے دکھائی دیتی ہے۔

تمام راہ نہایت امن سے گذری، سمندر نہایت چُپ چاپ سیدھا تھا کہیں سمندر میں شورش نہیں ہوئی اور نہ موجیں اٹھیں اور نہ کسی طرح کی گھبراہٹ نے ہم کو گھیرا، سمندر ایسا رہا کہ گویا ایک بڑی جھیل ہے۔ الحمد اللہ علیٰ ذالک اب دیکھئے جناب بحر احمر کیا کیفیت دکھلاتے ہیں۔

کیفیت شہر عدن :

جب جہاز لنگر کر چکا تو ہم چاروں شخصوں نے ایک چھوٹی سی کشتی کرایہ کی اور ہم چاروں معہ جھجّو کے اُس پر سوار ہو کر کنارہ پر پہونچے۔ وہاں دو گھوڑوں کی اور ایک گھوڑے کی بگھیاں اور فٹن اور سواری کے گھوڑے اور گدھے اور خچر کرایہ کے موجود رہتے ہیں کنارہ پر ایک ہوٹل ہے جس کے مالک پارسی ہیں اور اُسی کے پاس سوداگروں کی دکانیں ہیں اور چھاؤنی اور قلعہ وہاں سے دو ڈھائی میل ہے۔ ہم نے فٹن اور بگھی کرایہ کی اور قلعہ چھاؤنی کو دیکھنے گئے۔

ٹانکہ ہائے عدن:

سب سے عمدہ اور عجیب اور نہایت قدیم چیز جس کی تعمیر کی تاریخ اب تک معلوم نہیں ہے عدن کے حوض ہیں جن کو یہاں کے لوگ ٹانکہ کہتے ہیں۔ سب سے اوّل ہم انہیں کے دیکھنے کو گئے۔ ہم نے دیکھا کہ دامن کوہ میں چھوٹے اور بڑے نو دس حوض ہیں جو پہاڑ

میں کھودے گئے ہیں اور درجہ بہ درجہ ہیں یعنی ایک حوض سب سے بلند جگہ پر ہے دوسرا اُس سے نیچی جگہ میں، تیسرا اُس سے نیچی جگہ میں اور علیٰ ھٰذ القیاس اور وہ حوض عمیق بھی بہت ہیں جب مینہ برستا ہے تو پہاڑ کے پانی سے اوّل پہلا حوض بھرتا ہے پھر اُس کا پانی اُبل کر دوسرے میں آتا ہے اور دوسرے کا تیسرے میں اور علی ھٰذ القیاس یہاں تک کہ سب حوض بھر جاتے ہیں لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ حوض اس انداز سے اور پہاڑ کے پانی کے بہاؤ کے ایسے موقع پر بنائے ہیں کہ اگر گھنٹہ دو گھنٹہ بھی پانی برسے تو سب حوض پانی سے بھر جاتے ہیں۔

عدن سمندر کے کنارہ پر ہے جس کا پانی نہایت کھاری ہے اور تمام شہر و چھاؤنی اور پہاڑ میں جہاں کہیں کنواں کھودا جاتا ہے۔ اس کا پانی بھی کھاری نکلتا ہے اس لیے عرب کے بادشاہوں میں سے جو قبل اسلام ہوئے ہیں کسی بادشاہ نے مینہ کا پانی جمع کرنے کے لیے یہ حوض بنائے ہیں چنانچہ اب بھی انہیں حوضوں کا پانی پینے میں آتا ہے، یہاں کے عوام الناس کہتے ہیں کہ شداد کے یہ حوض بنائے ہوئے ہیں۔

سرکار انگریزی نے اب اِن حوضوں کی نہایت عمدہ مرمت کی ہے اور ہر ایک کے گرد لوہے کا کٹہرا لگایا ہے اور ہر ایک کے گرد پھرنے کو پختہ بہت عمدہ روشیں بنائی ہیں اور کہیں کہیں پتلے پتلے خوبصورت پُل بنائے ہیں اور حوضوں کے درمیان میں جو فاصلہ ہے وہاں زمین ہموار کر کر خوبصورت کیاریاں بنا کر ایسے درخت جو اُس شہر میں اور ایسے گرم پہاڑ پر ہو سکتے ہیں لگائے ہیں اور موقع موقع پر بیٹھنے اور سیر کرنے کے لیے مثل باغوں کے بینچیں وغیرہ ڈال رکھی ہیں اور اُس جہنم کے ٹکڑے میں بہشت کا کونہ آباد کر رکھا ہے۔

عدن میں گرمی اس شدت سے ہوتی ہے کہ بیان سے باہر ہے کوئی ہرا درخت یا ہری گھاس کہیں نہیں دکھلائی دیتی۔ باسی پانی ایسا ہوتا ہے جیسے سمرا ہوا گرم پانی اور اس پر مصیبت یہ ہے کہ برف نام کو بھی میسر نہیں۔

یہاں پانی پینے کا نہایت گراں قیمت کو بکتا ہے تین پیسہ کو ایک صراحی پانی کی آتی ہے جس میں تین گلاس کے قریب پانی ہوتا ہے۔

متصل انہیں حوضوں کے کسی پارسی اور عرب نے مل کر ایک بڑا حوض کھودا ہے اور جب وہ قدیم سب حوض بھر جاتے ہیں تب اس میں پانی آتا ہے مگر یہ حوض بہت عمیق ہے اُس وقت بھی پانی خوب موجود تھا مویشی کو اس حوض سے پانی پلایا جاتا ہے۔ شاید ایک گھوڑے کی پلائی دو آنہ ہیں۔ سنا ہے کہ سات برس تک اس حوض کی آمدنی وہ لوگ لیں گے جنہوں نے بنایا ہے اور اُس کے بعد اس حوض کی اور اس کی آمدنی کی مالک گورنمنٹ ہوگی۔

ان سب حوضوں کی سیر کر کر ہم بازار میں آئے اور خوب سیر کی جہاں ترکاری بکتی ہے وہاں دو دوکانیں بھُٹّے والوں کی تھیں۔ جو کوئلوں پر بھُٹے بھون کر بیچتے تھے ہم کو اپنا ہندوستان یاد آیا اور چار بھنے ہوئے بھُٹے ہم نے خریدے، پھر بازار میں آئے اور مختلف نان پڑوں کی دوکان سے روٹی خریدی اور ایک دوکان سے سالن خریدا، ایک نان بائی پراٹھے پکاتا تھا اُس سے پراٹھے پکوائے جیسے کہ ہمارے قطب صاحب میں پراٹھے بکتے ہیں بعینہ، اسی قطع کے اُس نے پراٹھے پکائے۔ قہوہ والے کی دوکان پر جا کر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو قہوہ پیتا دیکھا۔ غرضیکہ خوب سیر کر کر ایک مسجد میں آئے اور جو کچھ خریدا تھا اُس میں سے کچھ کھایا کچھ بانٹا۔

یہاں متعدد قومیں موجود ہیں مگر عرب اور مصری اکثر ہیں اور سب سے زیادہ جو قوم ہے وہ سُمالی قوم ہے ہر چند میں نے تحقیق کیا مگر مجھے نہ معلوم ہوا کہ سُمالی کیا قوم ہے۔ عربی بولتے ہیں مگر ایسی خراب کہ سوائے دو چار لفظوں کے اور کچھ ہماری تو سمجھ میں آتا نہیں اور ہماری عربی بھی وہ بخوبی نہیں سمجھتے۔ لہجہ کا اسقدر فرق ہے کہ الفاظ ایک دوسرے کی سمجھ میں نہیں آتے۔

واہ ری ہماری قسمت یہاں کے بازار کے لوگ اور سُمالی قوم بھی کسی قدر اردو بولتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ کوئی ضروری کام بند نہیں رہ سکتا۔ سب اردو میں انجام ہوسکتا ہے۔ الحمدللہ کہ عدن تک تو اردو زبان کی شہنشاہی قائم ہے۔

سُمالی قوم کے لوگ جیسی اُردو جانتے ہیں ویسی ہی انگریزی اور فرانسیسی زبان بھی جانتے ہیں ان دونوں زبانوں میں سب ضروری باتیں کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں بلکہ انگریزی زبان فرانسیسی زبان کی بہ نسبت زیادہ جانتے ہیں۔

چند مسجدیں یہاں ہیں جن میں سے مسجد ادریس بڑی اور مسجد جامع بطور درگاہ کے ہے جب ہم اُس مسجد میں سے جس میں ہم بیٹھے تھے باہر آئے تو ہم نے ایک ہندو کو دیکھا اُس کے پاس جا بیٹھے، معلوم ہوا کہ وہ مارواڑی ہے بمبئی سے عدن میں آیا ہے اور عدن میں مہاجنی کی دوکان کی ہے مدّت سے رہتا ہے اور ہمیشہ جہاز پر آتا جاتا ہے۔ اُس کی زبانی معلوم ہوا کہ عدن میں تین دیول یعنی مندر ہندوؤں کے ہیں۔ مہادیو کا اور ہنومان کا اور ایک اور کسی کا بتایا کہ اُس کا نام بھول گیا اور یہ مندر ہندوؤں کے چندہ سے بنے ہیں جو عدن میں آتے جاتے ہیں۔ مجھے اس بات کے دریافت ہونے سے کہ عدن تک ہندو آتے جاتے ہیں اور جہاز میں بیٹھنے سے اُن کی ذات و مذہب میں کچھ فرق نہیں آتا، نہایت خوشی ہوئی۔ خدا ہمارے ملک کے ہندوؤں کو بھی یہ دن نصیب کرے۔

یہاں تمام لوگ اور دوکاندار نہایت کثیف اور میلے کچیلے ہیں اور سُمالی تو بالکل وحشی جنگلی معلوم ہوتے ہیں نان بائیوں کی اور قہوہ والوں کی دکانیں ایسی میلی اور خراب اور بدبودار ہیں کہ پاؤں رکھنے کو دِل نہیں چاہتا۔ حقیقت میں صفائی اور اُجلا پن یوروپ کی اور خصوصاً انگریزوں کی قوم پر ختم ہے گو کہ بعض باتیں اعتراض کے لائق بھی ہیں۔

عدن کی چھاؤنی اگرچہ چھوٹی ہے تین سو، چار سو سپاہی ہندوستانی اور گورے رہتے ہیں۔ الّا توپ خانہ کا سامان بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ چھاؤنی قلعہ کے اندر ہے اور خوبصورت طور پر بنائی ہوئی ہے اور بازار اور جو کچھ کہ عدن میں ہے سب چھاؤنی کے قریب ہے۔

قلعہ جو کہلاتا ہے وہ حقیقت میں پہاڑ ہے چاروں طرف سے بلند پہاڑ ہے اور اُس کے حلقہ کے اندر جو جگہ ہے وہاں چھاؤنی اور بازار وغیرہ ہیں۔ قلعہ کے اندر جانے کا رستہ سرکار انگریزی نے ایک پہاڑ کو کاٹ کر بطور گھاٹی کے بنایا ہے اور نہایت پیچ دار ہے۔

دس مستعد سپاہی ایک لشکر کو اُس میں جانے سے روک سکتے ہیں قلعہ بسبب محیط ہونے پہاڑ کے ایسا بلند ہے اور قدرتی ایسا استحکام رکھتا ہے کہ حملہ کرنے والے کا اُس پر غالب اور فتحیاب ہونا نہایت مشکل اور قریب غیر ممکن کے معلوم ہوتا ہے۔ اُس پر سرکار انگریزی نے جابجا پہاڑوں کی چوٹی پر اور ان کی کمر میں موقع موقع پر پختہ برج بنائے ہیں اور مورچہ بندی کی ہے اور ہر جگہ توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور نہایت عمدہ اور مستحکم جنگی قلعہ بنا رکھا ہے۔

وہ قلعہ دیکھ کر انگریزی گورنمنٹ کی قوت اور شان وشوکت کا بلاشبہ ایک اثر دل میں ہوتا ہے اور اس بات کا بھی یقین ہوتا ہے کہ عدن ہندوستان کی حفاظت کا پہلا ناکہ ہے اور بحر احمر کی کنجی ہے۔ ہندوستان میں اگر کچھ فساد ہو تو چھ روز میں یہاں سے ہر قسم کے سامان حرب کی مدد ہندوستان میں پہونچ سکتی ہے اور اگر والی مصر سے کچھ بگاڑ ہو یا فرانسیسی مصر پر کچھ فساد کریں تو فی الفور عدن سے وہاں حملہ ہوسکتا ہے اور سامان حرب کی رسد اور کمک پچاس ہزار بلکہ اُس سے بھی زیادہ فوج بغیر کھٹکے پہنچ سکتی ہے۔

بحر احمر کی کنجی میں نے اس لیے کہی ہے کہ جس قدر فوج اور توپ خانہ اس وقت عدن میں موجود ہے اگر وہ چاہے تو ایک پرندہ کو بھی بحر احمر سے نکلنے نہ دے اس موقع کے مورچہ بنے ہوئے ہیں کہ کوئی جہاز یا کشتی یا بغلہ بلا مرضی افسر عدن اس بڑے سمندر میں جو بمبئی کے نیچے سے عدن تک ہے اور جو خلیج عرب کہلاتا ہے نہیں آسکتا۔

سابق میں عدن میں سلطان روم کی عملداری تھی۔ شاید تیس برس ہوئے ہوں گے سرکار انگریزی نے سلطان سے لے لیا اور جب سے سرکار انگریزی کی عملداری میں ہے اور اُس کا انتظام ہندوستان کے گورنر جنرل سے متعلق ہے لوگ بیان کرتے ہیں کہ قبل عملداری انگریزی کے نہایت خراب اور ویران اُفتادہ جگہ تھی سُمالی قسم کا ایک گاؤں پہاڑ پر تھا جو شاید اب بھی ہے۔ یہ تمام رونق جواب ہے اور یہ خوبصورت مکانات اور عمدہ اور عجیب سڑکیں اور پہاڑی نقبیں اور قلعہ کے بُرج اور مورچہ سب گورنمنٹ انگریزی کے عہد میں بنے ہیں۔

ٹرکش وال:

یعنی ترکی عملداری کی حد کی دیوار عدن سے ملی ہوئی سلطان روم کی عملداری ہے عدن کے نیچے جو سمندر ہے اُس میں ایک کونا زمین کا نکلا ہے جس پر سے سلطان روم کی عملداری میں چلے جاتے ہیں جب سے کہ عدن گورنمنٹ انگریزی کے قبضہ میں آیا ہے اُس مقام پر ایک دیوار بہت لمبی اور چوڑی بنا کر آمدورفت کا رستہ بند کر دیا ہے اور اُس دیوار پر برج اور مورچہ بندی کی ہے اور توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور کچھ گورے وہاں رہتے ہیں اُس دیوار میں ایک دروازہ ہے اُس دروازہ سے لوگوں کی آمدورفت ہے مگر سلطان روم کی عملداری کا جو شخص اُس دروازہ سے عدن میں آتا ہے تو ہتھیار دروازہ پر لے لیے جاتے ہیں۔ ہتھیار بند آنے نہیں دیتے افسوس ہے کہ اُس دیوار کے دیکھنے کا ہم کو موقع نہیں ملا۔

عدن میں سمندر کے کنارہ پر ایک کل لگا رکھی ہے جس میں سمندر کا کھارا پانی میٹھا اور نہایت سُبک اور شیریں ہو جاتا ہے اور اُس کا پانی خرچ میں آتا ہے اُس کی بھی ہم نے سیر کی بعد اُس کے تھوڑی دیر ہوٹل میں آن کر ٹھہرے اور پھر اپنے جہاز پر چلے آئے۔

عدن میں لڑکوں کا تیرنا:

یہ بھی عجیب تماشا ہے جہاں جہاز عدن میں ٹھہرا اور سُمالی قوم کے بیسیوں لڑکے سمندر میں تیرتے ہوئے جہاز کے پاس آپہونچے۔ کالے کالے رنگ اور سُرخ بال بالکل مینڈھک کی طرح تیرتے ہیں اور بخششیں مانگتے ہیں۔ جہاں پیسہ، روپیہ، دوانّی، چوانّی، آٹھ انّی سمندر میں پھینکی اور وہ غوطہ مار کر نکال لائے۔ ہمارے سامنے اکّیس لڑکے تھے اور آٹھ بجے سے پانچ بجے تک برابر ایک حالت پر تیرتے اور غوطے مارتے اور دوانّیاں نکالتے رہے۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۵/جون ۱۸۶۹ء)

●

(۸)

مسافران لندن

سترہویں اپریل سنہ ۱۸۶۹ء روز شنبہ کو دوپہر پانچ بجے جہاز نے لنگر اُٹھایا اور دوخانی کل نے شور مچایا اور جہاز نے سوئیز کی راہ لی عدن سے ایک مصری پائلٹ جس کو یہاں کے لوگ ارکاٹی کہتے ہیں ساتھ ہوا۔ یہ شخص مسلمان ہے عدن کا رہنے والا متولی اُس کا نام ہے، عربی بولتا ہے، میں نے اُس سے سلام علیک کی، بات چیت کی، اُس نے اپنی قوم کچھ نہیں بتائی کہا کہ میں عامی برعرب کا رہنے والا ہوں۔ بالکل ناخواندہ تھا اُس کا لہجہ سُمالی قوم کے لہجہ کے بہت قریب تھا اور بے حیثیت اور میلا آدمی تھا، کپڑے اچھے نہ تھے مگر انگریزی زبان اور فرنچ زبان اپنا کام کرنے کے لائق جانتا تھا۔

خبر تھی کہ رات کو باب المندب میں سے جہاز گذرے گا جو کہ یہ ایک مشہور خطرہ کی جگہ ہے مجھے اس کے دیکھنے کا نہایت شوق تھا جس وقت باب المندب قریب آیا مجھے ایک شخص نے جس سے میں نے کہہ رکھا تھا اُٹھایا، میں نے دیکھا کہ دونوں طرف پہاڑ ہیں مگر بہت اونچے نہیں۔ اُن میں سے جہاز جاتا ہے۔ دونوں طرف پہاڑوں میں ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ ہوگا، کچھ بہت تنگ رستہ بھی نہیں ہے۔ شاید یہ پانی کے نیچے دونوں طرف پہاڑ ہوں اور اس سبب سے رستہ جہاز کے چلنے کا تنگ ہو۔ غالباً بادبانی جہاز کو یا انگریزوں کے سوا اور قوموں کے جہاز رانو کو یہاں اندیشہ ہوگا۔ ہمارے جہاز رانوں کو تو کچھ خیال بھی نہیں ہوا۔ رات کے وقت میں بغیر ذرا سے بھی تردد کے فَر فَر جہاز کو لیے چلے گئے۔ حقیقت میں یوروپ کی قوم نے علم جہاز رانی کو نہایت درجہ کی ترقی پر پہنچا دیا ہے ایسے ایسے عمدہ آلات جہاز رانی کے ہیں جن کی خوبی کا بیان نہیں ہوسکتا جس زاویہ پر چاہتے ہیں سمندر کی سطح پر جہاز چلاتے ہیں سینکڑوں میل تک جہاز کو سیدھا خط مستقیم پر

لے جاتے ہیں جس میں ذرا بھی ٹیڑھا پن نہیں ہوتا اگر جہاز کو چکر دینا چاہیں تو مثل پٹے باز[۳۳] یا نہایت عمدہ گھوڑے کی جو کاوے[۳۴] اور ایٹرن[۳۵] پر خوب صاف ہو پھرا سکتے ہیں اور اس کے پھرانے میں اتنا بھی زور نہیں لگتا جتنا کہ دس سیر بوجھ کے ہلانے جُلانے میں لگتا ہے۔

رات ہی کے وقت ہم کو ایک بہت چھوٹا جزیرہ ملا جس کو پیرم کہتے ہیں یہ جزیرہ اُسی آبنائے میں ہے جس سے بحر عرب اور بحر احمر ملتا ہے ایک میل سے بھی کم چوڑا ہے اور تخمیناً ڈھائی تین میل لمبا ہوگا اُس میں بجز مینار روشنی کے اور کچھ نہیں ہے۔ دس بیس سپاہی رہتے ہیں اور انگریزی جھنڈا اُڑا کرتا ہے۔

دس برس سے زیادہ نہیں ہوئے کہ جب تک یہ جزیرہ محض افتادہ تھا کسی کا قبضہ خاص اس پر نہ تھا اور نہ کسی ملک کی سرحد خشکی کی راہ سے اس سے ملی ہوئی تھی۔ شاید ولایت کے قوانین متعلق اقوام مختلفہ کی رو سے جو قوم چاہے اُس پر قبضہ کر سکتی تھی لوئیس نپولین فرانس کے بادشاہ نے ایک جہاز بھیجا کہ اُس بالشت بھر کے جزیرہ پر قبضہ کر لو۔ وہ جہاز بڑے پھیر کے رستہ سے عدن تک آیا اور رات کو لنگر ڈالا کہ صبح کو اُس جزیرہ پر قبضہ کریں گے۔ عدن میں جو انگریزی افسر تھا وہ رات کو جہاز میں فرانسیسی افسر سے ملنے آیا۔ بات چیت ہوئی، کھانے پر بیٹھے، باتوں باتوں میں فرانسیسی افسر نے اپنا ارادہ اور اپنے آنے کی وجہ بیان کی۔ انگریزی افسر نے سنتے ہی اپنی پاکٹ میں سے پنسل اور ایک ٹکڑا کاغذ کا نکالا اور میز کے نیچے ہاتھ کر کر اپنے دوخانی جہاز کے کپتان کو چٹھی لکھی کہ فی الفور انجن میں آگ جلاؤ اور جہاز کو تیار کرو اور خود وہیں بیٹھا رہا اور کھانے پینے کی باتوں میں مصروف رہا۔ تھوڑی دیر بعد گڈ نائیٹ (Good Night) کر کر اور ہاتھ ملا کر رخصت ہوا اور فی الفور اپنے جہاز میں آن کر اُسی وقت روانہ ہوا اور رات ہی کو اُس جزیرہ پر پہنچ کر انگریزی حکومت کا جھنڈا گاڑ دیا اور پھریرا اُڑا دیا۔ صبح کو فرانسیسی اُس جہاز کو لے کر پہنچا دیکھا کہ جزیرہ پر انگریزی جھنڈا اُڑ رہا ہے اور انہوں نے قبضہ کر لیا ہے لاچار مایوس ہوا اور

پھر چلا گیا۔ سُنا ہے کہ اس بات سے نپولین بہت ناراض ہوا اور لندن میں بہت خط و کتابت کی مگر کچھ نہ ہوا۔ نپولین کا ارادہ تھا کہ اپنے ہاں کے دوخانی جہازوں کے لیے اس جزیرہ میں اسٹیشن مقرر کرے۔

اٹھارویں کی صبح سے پھر ہم نے دریائے ناپیدا کنار دیکھنا شروع کیا۔ دو دن بعد پھر پہاڑ و زمین دکھائی دینی شروع ہوئی اور جوں جوں چلتے گئے ایک طرف عرب کا کنارہ اور دوسری طرف افریقہ کا کنارہ برابر دکھائی دینا شروع ہوا۔ دونوں کناروں کے پہاڑ نہایت خوش نما معلوم ہوتے تھے اور عجیب کیفیت دکھائی دیتی تھی سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ دونوں طرف کے پہاڑوں پر کوئی درخت اور ذرا سا بھی سبزہ اور مطلق آبادی نہ تھی۔ محض ویران لق ودق جنگل اور بے آب و بے برگ وشجر پہاڑ تھے۔

۲۲ر تاریخ رات کے وقت حامد تو نہیں معلوم کہ جہاز کے کس گوشہ میں جا کر سو رہا تھا اور میں اور خداداد بیگ اور محمود کمرہ میں اپنے اپنے پلنگوں پر اور چھجو پلنگ کے نیچے سوتا تھا اور کمرہ کی کھڑکی سمندر کی طرف کی ہوا آنے کو بہ سبب شدت گرمی کے کھلی ہوئی تھی کہ رات کو دفعتاً تند ہوا چلی اور سمندر میں موجیں اُٹھیں اور اُلالا کر کے سمندر کا پانی کھڑکی کے اندر اس قدر آپڑا کہ تمام پلنگ اور بچھونے اور ہم سب اور چھجو شرابور ہو گئے اُسی وقت ہم گھبرا کر کمرہ میں سے بڑے کمرہ میں نکل آئے اُس وقت تمام انگریزوں نے بھی اپنے اپنے کمروں کی کھڑکیاں کھول رکھی تھیں، ہماری طرف کی لین میں سب کا یہی حال ہوا، سب بڑے کمرہ میں نکلے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے کہتا تھا کہ تمہارے کمرہ میں بھی پانی آ گیا۔ غرض کہ اسٹورڈ کو اسی وقت پُکارا۔ کھڑکی بند کی، بچھونے اُٹھا دیئے اور جس طرح ہوا رات کاٹی۔ محمود کو بہتیرا منع کیا پر وہ گیلے بچھونے پر سو رہا۔ صبح کو جب اُٹھا تو اُس کی بانہہ میں درد تھا، دوسرے دن تک جاتا رہا، جب پانی آیا قریب دو ڈھائی گھنٹہ کے رات ہو گئی، کچھ وقت کپڑے اتارنے اور نماز کی تیاری میں گذرا۔ میں نے صبح کی نماز پڑھی اور دم بدم ہوا تیز ہوتی گئی بالکل سیدھی مخالف ہوا تھی

اور نہایت ہی تند تھی اور جہاز اُٹھتا تھا اور بیٹھتا تھا۔ اُس دن طبیعت نہایت متغیر ہوئی سر کی عجب کیفیت تھی، جی متلاتا تھا اور قے نہیں ہوتی تھی اور ایسی تکلیف دہ مالش تھی کہ بیان نہیں ہوسکتی۔ انگریز جو جہاز میں تھے وہ کہتے تھے کہ ہیں ایسے صاف سمندر میں جو تالاب کی طرح کھڑا ہے تمہارا یہ حال ہے۔ یہ ہوا، یہ حرکت جو اس وقت ہے کچھ بھی نہیں ہے اور ہم کو ذرا بھی نہیں معلوم ہوتی مگر میں نے دیکھا کہ بعض انگریزوں کو کسی قدر تغیر تھا اور تین چار میموں کو بہت زیادہ تغیر تھا۔ مسز اسمتھ بھی پڑی ہوئی تھیں میں نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ اشارہ سے کہا کہ سر پھرتا ہے۔ طبیعت اچھی نہیں۔ ایک میم صاحبہ کو میں نے دیکھا کہ منہ سے بے اختیار کف اور بہت ذرا سی اُبکائی کے ساتھ نکل پڑے۔ آج تو مرزا خداداد بیگ کا بھی بُرا حال ہوا اور چھکّے چھوٹ گئے اور ہم سب سے زیادہ اُن کا پتلا حال تھا۔ اور حامد آج پھر اُسی اپنی پہلی کیفیت کو جا پہونچے۔ بعد اس کے ہوا دھیمی ہونی شروع ہوئی اور جہاز کا ہلنا بھی کم ہوا اور قریب چار بجے کے بہت کم ہوگیا۔ مجھ کو تو بہت تخفیف ہوئی مگر اور سب ہمارے ساتھیوں کا وہی حال رہا ایک میم صاحبہ میرے پاس آئیں اور نہایت مہربانی سے مجھ سے کہا کہ تم نشہ کے لیے شراب مت پیو، بُری ہے، میں بھی کبھی نہیں چھوتی مگر دوا کے لیے ایک تولہ بھر برانڈی پی لو، میں اسٹورڈ کو بُلا کر منگا دیتی ہوں۔ فی الفور تکلیف جاتی رہے گی۔ میں نے اُن کی مہربانی کا بہت سا شکریہ کیا اور کہا کہ نہیں، میں نہیں پی سکتا۔

اسی تاریخ ہم کو گنگا اسٹیمر ملا جو ہم سے تین دن پہلے بمبئی سے روانہ ہوا تھا۔ پہلے دونوں جہازوں میں جھنڈی سے صاحب سلامت ہوئی پھر آپس میں بات چیت ہونی شروع ہوئی۔ پہلی دفعہ جو جہازوں میں بات چیت ہوئی تھی تو مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ چند باتیں جو خاص متعلق جہاز ہوں گی، انہیں کے اشارات معین ہوں گے مگر معلوم ہوا کہ نہیں اُن چند کپڑے کے ٹکڑوں کے وسیلہ سے تمام دنیا کی باتیں کر سکتے ہیں چنانچہ اُس وقت اب دونوں جہازوں میں کوئی خاص بات چیت نہیں ہوئی۔ خیر و عافیت کی علامت

دکھادینے کے بعد گنگا اسٹیمر نے کہا کہ رسی ڈال کر مجھے بھی کھینچے لیے چلو۔ ہمارے جہاز نے کہا کہ پیچھے پیچھے چلے آؤ اسی طرح اور چند باتیں ہنسی ہنسی کی آپس میں ہوئیں معلوم ہوا کہ امریکہ اور یوروپ کی قوموں کے سوا اور کسی قوم میں یہ فن نہیں ہے۔ جہاز پر ایک کتاب رہتی ہے اور شاید اتفاقیہ یا حفاظت کے لیے اُس کے پٹھوں میں قفل لگا ہوا تھا اُس میں تمام کام متعلق جہاز مندرج ہیں وہ سب کام ایسے آسان طرح پر ہوتے ہیں کہ جہاز میں جو چھوٹے چھوٹے عہدہ دار ہیں اور صرف بطور حرف شناسی کے لکھنا پڑھنا جانتے ہیں وہ سب اُن کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ یہ نتیجہ صرف اس بات کا ہے کہ تمام علوم وفنون اسی زبان میں ہیں جو زبان وہ لوگ بولتے ہیں اگر آج انگریزی زبان میں تمام علوم وفنون نہ ہوتے بلکہ لیٹن میں یا گریک میں یا فارسی، عربی میں ہوتے تو آج تک تمام انگریز ایسے ہی جاہل اور بے علم اور لاکھوں ناخواندہ ہوتے۔ جیسے کہ بدنصیبی سے ہم لوگ ہندوستان میں جاہل ہیں اور آئندہ کو بھی جب تک کہ تمام علوم وفنون ہماری زبان میں نہ ہونگے جاہل اور نالائق رہیں گے اور کبھی عام تربیت نہ ہوگی۔

اُسی دن ہم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہاڑ یعنی جبل سینا دور سے دکھائی دیا اور دوربین کے ذریعہ سے کسی قدر کیفیت اُس کی معلوم ہوتی تھی۔ سنا ہے کہ اُس کی چوٹی پر کسی رومن کیتھولک پادری کا ایک بہت قدیم گرجا ہے۔

رات کو جزیرہ شروان ہم کو ملا جو افریقہ کے متعلق ہے کوئی چیز اس میں بھی بہ سبب رات ہونے کے دکھائی نہیں دی سُنا ہے کہ ولایت سے جو ٹیلی گراف آتا ہے اُس کا ایک اسٹیشن اُس جزیرہ میں ہے۔ یہ جزیرہ بہت چھوٹا شاید آٹھ دس میل کا لمبا اور دو تین میل کا چوڑا ہوگا۔

۲۳/اپریل سنہ ۱۸۶۹ء روز جمعہ کو ہم سب مع الخیر سات بجے صبح سوئیز میں پہنچے۔ جہاز نے لنگر کیا اور ہم سب جہاز پر سے اُترے۔ بڑودہ جہاز کو ڈنڈوت کر کے رخصت کیا اور سوئیز ہوٹل میں جا کر ٹھہرے اب یہاں سے عملداری ویسرائے مصر کی

شروع ہوئی۔ جونہی ہم ہوٹل میں گھسے۔ پہلا نشان عمل داری ترک کا ہم نے یہ دیکھا کہ ہوٹل کے چپراسیوں کی چپراس پر عربی اور انگریزی میں یہ عبارت کندہ تھی۔

"Sowis Hotel" "لو کاندۃ لسوئیس"

مجھے نہیں معلوم کہ لوکاندۃ کس زبان کا لفظ ہے شاید ترکی ہوگا۔ مگر تمام مصری، عربی گفتگو اور عربی تحریر میں اس لفظ کو بمعنی ہوٹل مستعمل کرتے ہیں۔

سوئیز کا ہوٹل بہت اچھا ہے چاروں طرف دو منزلہ مکانات اور کمرے مسافروں کے لیے بنے ہوئے ہیں۔ بیچ میں صحن ہے اُس صحن میں کاٹھ کے محرابوں دار ستون کھڑے کر اُس پر شامیانہ کھینچا ہے اور اس کو اور تمام صحن کو پھولوں سے آراستہ کیا ہے تمام پھول گملوں اور کاٹھ کی بالٹیوں اور پیپوں میں لگے ہوئے ہیں اور زمین پر اور تپائیوں پر بطور چمنوں کی روشوں کے بہ ترتیب لگائے ہیں اور بیچ میں جو جگہ بطور چمن کے خالی رہی ہے وہاں چھوٹی سی میز اور کرسیاں لوگوں کے بیٹھنے اور سیر کرنے کے لیے بچھائی ہیں۔

وہاں شہر کی سیر کرنے سوئیز کی نہر دیکھنے جانے کو سواری کے لیے بہت سے گدھے زین کسے ہوئے موجود تھے بہت سے انگریزوں نے سوئیز کی نہر دیکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ وہ مقام جہاں دیکھنے جاتے تھے وہاں سے پانچ میل تھا ہم نے بھی وہاں جانے کا ارادہ کیا مگر جب لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جس مقام کو لوگ دیکھنے جاتے ہیں وہاں بجز اُس کے کہ زمین کھودی جارہی ہے اور کچھ نہیں ہے۔ ہمارا ارادہ سست ہوگیا۔ ہمارے شفیق میجر ڈاڈ صاحب نے اور اُن کے چند دوستوں نے مل کر ایک گاڑی تین گھوڑوں کی کہیں سے منگائی اور چند انگریز اور دو ایک میمیں اُس پر سوار ہوکر گئیں۔ ہم نے بھی چاہا کہ سہل طور پر ہم کو بھی گاڑی مل جاوے تو ہم بھی جاویں مگر ہم کو نہیں ملی۔ بہت سے انگریز انہیں گدھوں پر سوار ہوکر گئے اور میں نے دیکھا کہ ایک میم نے بھی ایک گدھا کرایہ کیا اور اُس پر نہایت چالاکی اور خوبی سے سوار ہوکر روانہ ہوئی۔

جس وقت کوئی انگریز گدھا کرایہ کرنا چاہتا تھا اُس وقت عجیب سیر ہوتی تھی گدھے والوں نے جہاں دیکھا کہ گدھا کرایہ کو چاہتے ہیں اور دس دس بارہ بارہ آدمی اپنے اپنے گدھے لے کر دوڑے ہر شخص ایک کے گدھے کو دھکا دے کر ہٹاتا ہے اور اپنا سامنے کرتا ہے اور چلاتا ہے کہ ''ڈنکی سر، ڈنکی سر، ڈنکی سر'' یعنی صاحب گدھا، صاحب گدھا اور کبھی یہ کہہ کر چلاتے تھے ''ویری گڈ ڈنکی، سر' ویری گڈ ڈنکی، سر' یعنی صاحب بہت اچھا گدھا، صاحب بہت اچھا گدھا، اور اس قدر غُل ہوتی تھی اور اتنے گدھوں میں آدمی کو گھیر لیتے تھے کہ لینے والا گھبرا جاتا ہے جب تک وہ کسی نہ کسی گدھے پر سوار نہ ہو لے، اس وقت تک وہ اسی آفت میں پڑا رہتا ہے۔

تھوڑی دیر تک ہم نے سمندر کے کنارہ کی اور ہوٹل کی سیر کی اور پھر شہر کی سیر کو گئے ایک بہت چھوٹا تنگ بازار دیکھا ہر قسم کے لوگ مصری اور تُرکی اور جرمنی اور یونانی دوکاندار وہاں تھے اور بہت سے آدمی عربی بولتے تھے بازار میں جو نئی بات تھی وہ یہ تھی کہ سارا بازار تختوں سے پٹا ہوا تھا، پانی کا تو مطلق رکاؤ نہ تھا، مگر دھوپ بالکل بازار میں نہ تھی غالباً یہاں مینہ بہت کم برستا ہے۔ ہم نے بازار کے لوگوں سے جو عربی بولتے تھے، دیر تک باتیں کیں۔ حامد و محمود و مرزا خدا دا بیگ نے سُرخ تُرکی ٹوپیاں اور چاقو خریدے۔ بازار سے عربی روٹی خریدی جو درحقیقت نہایت عمدہ اور بہت ہی مزہ دار تھی وہاں سے ہم ریل کے اسٹیشن کو دیکھنے گئے وہاں ایک تُرکی افسر کو دیکھا جس کے لباس میں اور انگریزوں کے لباس میں بجز سُرخ ٹوپی کے اور کچھ فرق نہ تھا۔ الّا ایک تسبیح اُن کے ہاتھ میں تھی۔ میں نے اُن سے سلام علیک کی، انہوں نے جواب دیا، مگر میری طرف کچھ زیادہ ملتفت نہیں ہوئے۔ وہاں سے پھرتے وقت بازار میں ایک بزرگ عمامہ باندھے کھڑے تھے میں نے اُن سے سلام علیک کی مصافحہ کیا، عربی زبان میں بات چیت شروع کی۔ شیخ اسمٰعیل اُن کا نام ہے شہر سوبایا علاقہ جاوہ کے رہنے والے ہیں۔ شیخ عثمان اُن کا بیٹا جس کی عمر اٹھارہ اُنیس برس کی ہوگی اُن کے ساتھ تھا۔ شیخ اسمٰعیل سیّاح آدمی ہیں دراصل سیریا کے رہنے

والے ہیں پچیس برس سے جاوہ میں جارہے ہیں چین اور آسٹریلیا اور ہندوستان اور دکھن کی سیر کی ہے اور اب بھی صرف سیاحت کو اُٹھے ہیں، کسی قدر اردو میں بھی بات چیت کر سکتے ہیں اسی ہوٹل میں منشی محمد طاہر سے ملاقات ہوئی نواب ناظم مرشد آباد کے ہاں منشیوں میں نوکر ہیں نواب صاحب اُن کو لندن ساتھ نہیں لائے تھے اب بُلایا ہے وہ بھی لندن جاتے ہیں ساوتھمپٹن کی راہ سے جاویں گے۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲/جولائی ۱۸۶۹ء)

●

(۹)
مسافران لندن

نقشہ مندرجہ ذیل سے معلوم ہوگا کہ ہم عدن سے کسی راہ ہوکر سوئیز میں پہنچے۔ اگر کوئی نقشہ جغرافیہ لے کر بموجب عرض وطول مندرجہ ذیل کے نشان لگائے جاویں گے تو جس راہ ہمارا جہاز چلا وہ معلوم ہو جاوے گی۔

تاریخ	عرض مقام		طول مقام		رفتار جہاز دوپہر سے دوپہر تک
	درجہ	دقیقہ	درجہ	دقیقہ	
۱۸ر مئی ۱۸۶۹ء					
روز یک شنبہ	۱۳	۴۲	۴۲	۵۶	۱۶۹ میل
۱۹ مئی ۱۸۶۹ء	۱۷	۳	۴۰	۴۹	۲۴۰
۲۰ مئی ۱۸۶۹ء	۲۰	۳۹	۳۸	۳۰	۲۵۳
۲۱ مئی ۱۸۶۹ء	۲۴	۲۶	۳۶	۱۰	۲۶۲
۲۲ مئی ۱۸۶۹ء	۲۷	۴۹	۳۳	۴۷	۲۳۵
۲۳ مئی ۱۸۶۹ء	۳۰	*	۳۱	۴۰	۱۶۰

تخمیناً مقام سوئیز

عدن سے سوئیز تک متعدد مینار روشنی کے ہیں جہاں کہیں جہاز کو خطرہ ہے یعنی پانی کم ہے اور پانی کے نیچے پہاڑ چھپے ہوئے ہیں جن سے جہاز کی پیندی کو صدمہ پہونچنے کا اندیشہ ہوتا ہے وہاں وہاں روشنی کے مینار بنائے ہیں۔ آدمی متعین ہیں شام سے صبح تک برابر ایک بہت بڑی لالٹین میں روشنی ہوتی رہتی ہے اور بہت دور سے دکھائی دیتی ہے۔

میں نے قصد کیا تھا کہ تمام میناروں کو جو رستے میں پڑیں دیکھوں اور غالباً سب کو دیکھا شاید کوئی ایک آدھ رہ گیا ہو اور رات کو سوتے میں گذر گیا ہو۔ مگر جتنے میناروں کو میں نے دیکھا اُن کی تفصیل بقید عرض وطول مقام کے لکھتا ہوں۔

نام مینار	عرض مقام		طول مقام	
	درجہ	دقیقہ	درجہ	دقیقہ
پیرم	۱۲	۴۰	۴۳	۲۵
ابوالخیصان یا دیدس شول	۲۵	*	۳۶	*
اشرفی	۲۷	۴۰	۳۳	۴۰

مینار ابوالخصیان بالکل پانی میں ہے ایک انگل بھر زمین بھی اس کے گرد نہیں ہے دو یا تین انگریز اُس مینار پر دن رات رہتے ہیں اور کھانا پینا اپنے ساتھ رکھ لیتے ہیں اور شاید تیسرے مہینے اُن کی بدلی ہوتی ہے۔ ایسی سخت نوکری ہے کہ خدا پناہ میں رکھے، اُس کے خیال سے دِل گھبراتا ہے، قید تنہائی سے بھی زیادہ سخت ہے۔

اشرفی مینار نہایت عمدہ ہے اور سوئیز کے قریب ہے پانی کی سطح سے ایک سو چالیس فیٹ بلند ہے اور بالکل لوہے کا بنا ہوا قابل دیکھنے کے ہے۔

اب ہمارا راستہ سوئیز سے اسکندریہ تک خشکی کا ہے اور یہاں سے اسکندریہ تک ریل ہے جو والیِ مصر کی عملداری میں گذرتی ہے اور والیِ مصر ہی ریل کا مالک ہے اور تمام کارکن مصری اور ترکی اور شاید کوئی کوئی یونانی بھی ہیں۔

عربی زبان میں مصری ریل کی سڑک کو ''سکتہ الحدید'' اور ''وابورالبر'' کہتے ہیں اور لفظ ثانی کو لفظ اوّل سے زیادہ ترفصیح جانتے ہیں اور فصیح گفتگو میں یہی نام لیتے ہیں۔

غرضِ کہ ۲۳ رمئی سنہ ۱۸۶۹ء روز جمعہ کو قریب شام کے ہم سوئیز سے ''وابورالبر'' پر سوار ہوئے اور اسکندریہ کو چلے ہم نے سنا تھا کہ اس رستہ میں بجز ریگستان اور جنگل کے اور کچھ نہیں ہے پانی بھی رستہ میں نہیں ملے گا اور اسی لیے ہم نے تین صُراحیاں پانی کی

بھری ہوئی خرید کر ریل میں رکھ لیں تھیں اس لیے رات کو ہم سب ریل میں سو رہے ہم کو نہیں معلوم کہ رات کو کیا کیا گزرا۔ مگر رات کو جو میری آنکھ کھلی تو میں نے ریل کو ایک بڑے اسٹیشن پر کھڑا دیکھا۔ اسٹیشن بھی اچھا تھا۔ روشنی لالٹینوں کی اچھی تھی اور اس قطع کی لالٹینیں تھیں اور اسی طرح پر لگی ہوئی تھیں جیسا کہ ہمارے ملک کے اسٹیشنوں پر ہیں۔ جب میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسٹیشن طنطنا ہے۔ طنطنا ایک بہت بڑا قصبہ یا شہر مصر کی عملداری کا ہے مگر رات کے سبب ہم کو شہر مطلق نہیں دکھائی دیا۔

صبح کو ایک نہایت عمدہ اور نفیس ابادان شہر دکھائی دیا مکانات اُس کے بالکل انگریزی شہروں کے مکانات کی قطع پر تھے مگر ہر طرف لمبی لمبی مینار مسجدوں کے جس کو (ماذنہ) کہتے ہیں دکھائی دیتے ہیں۔ مصر کی مسجدوں میں دو مینار بنانے کا دستور نہیں ہے بلکہ مسجد کے صحن میں یا کسی طرف میں ایک بلند مینار اذان دینے کو بنائے ہیں جیسا کہ دلی میں درگاہ قطب صاحب [۳۶] کے پاس مسجد قوۃ الاسلام [۳۷] کا ایک مینار بنا ہوا ہے جس کو قطب صاحب کی لاٹھ کہتے ہیں۔ میں اس شہر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ ''کفرالزیات'' اس شہر کا نام ہے۔ یہاں کسی بزرگ بدوی کا مزار نہایت مقدس ہے۔

کچھ دن چڑھے ہم ایک اسٹیشن پر اُترے رود نیل کے قریب ہے وہاں ایک عمدہ ہوٹل بنا ہوا ہے وہاں کافی یعنی قہوہ پیا، نان پاؤ اور مکھن کھایا۔ اس ہوٹل کے طریق میں اور انگریزی ہوٹل کے طریق میں کچھ فرق نہ تھا۔ الّا کھانا کھلانے اور قہوہ پلانے والے بالکل انگریزوں کے سے کپڑے لال ٹوپی پہنے ہوئے تُرک تھے۔ میز کرسی لگی ہوئی تھی، کانٹا چھری دھرے ہوئے تھے اور بلا تمیز انگریز و مسلمان کے سب ملے ہوئے تھے۔ قہوہ جو تُرکوں نے بنا کر پلایا جس میں نہایت عمدہ گائے کا دودھ پڑا ہوا تھا ایسا خوش ذائقہ اور مزے دار تھا کہ میں نے تمام عمر نہ گھر میں اور نہ کسی ہوٹل میں ویسا مزے کا پیا تھا۔

اس ہوٹل میں کھا پی کر پھر ریل پر سوار ہوئے۔ تھوڑی دور آگے بڑھے تھے کہ دریائے نیل کی زیارت ہوئی اُس پر آہنی پُل بندھا ہوا تھا۔ ریل اُس پر سے گذری۔

اگر چہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ پُل نہایت مستحکم طور پر بنا ہوا ہے الّا کچھ خوبصورت نہ تھا بلکہ کہنا چاہیئے کہ نہایت بدصورت تھا۔ ہمارے ملک کے آہنی پُل دیکھنے میں بھی نہایت خوبصورت ہیں تھوڑی دور اور چلے تو شہر دمنھور کا اسٹیشن ملا۔ اُس سے اگلا اسٹیشن اسکندریہ کا تھا چنانچہ اسکندریہ میں جا پہونچے۔ ہمارے لیے جہاز تیار تھا اس لیے ہم کو شہر کے اسٹیشن پر نہیں اُتارا ہم اُترتے ہی سیدھے جہاز پر چلے گئے اور پونا نامی جہاز کے کمرہ میں جو ہمارے لیے موجود تھا جا بیٹھے۔

افسوس ہے کہ ہم کو اسکندریہ دیکھنے کی ذرا بھی فرصت نہیں ملی کوئی چیز اسکندریہ کی ہم نے نہیں دیکھی بجز سمندر کے اور اس کے کنارہ کے مکانات کے جو جہاز میں سے دکھائی دیتے ہیں۔ سمندر کے کنارے پر بہت کثرت سے جہاز دخانی اور بادبانی اور بغلے اور چھوٹے بجرے کھڑے ہوئے تھے ایک جنگی جہاز فرانسیسیوں کا بھی کسی کام کو آیا ہوا تھا اور وائسرائے مصر کی سواری کا دخانی جہاز جو نہایت عمدہ اور بہت تیاری کا ہے کنارہ پر کھڑا ہوا تھا۔ سنا ہے کہ وہ دخانی جہاز انگلستان کا بنا ہوا ہے۔ کنارے پر کے بہت سے مکانات اور کارخانہ جات دکھائی دیتے تھے ایک یا دو مقام پر سمندر کے کنارہ مورچال [۳۸] بنے ہوئے تھے اور توپیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وایسرائے مصر کے آنے اور اُترنے کے لیے سمندر کے کنارہ پر ایک بہت بڑا مکان بنا ہوا تھا مگر باہر سے کچھ ایسا خوبصورت نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اُسی کے قریب چھوٹی سی پہاڑی پر ایک مینار روشنی کا بنا ہوا ہے۔ بہر حال سمندر کے کنارہ کی فضا بہت اچھی ہے کچھ بُری نہیں۔

مصر کے ملک کے اس قدر حصہ کے دیکھنے سے جہاں ہمارا گذر ہوا اور جس کو نہایت سرسری طور پر ریل کی سواری میں ہم نے دیکھا، ہماری عقل حیران ہوگئی میں نے مالوہ بھی دیکھا جو ہندوستان میں نہایت زرخیز اور عمدہ پیداوار کا ملک مشہور ہے۔ مگر مصر کے ملک کے سامنے اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے مصر کی زمین کی خوبی اور اس کی کثرت پیداوار کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ ہر جگہ زمین کی ایسی صورت ہے گویا نہایت عمدہ کھاد ملی ہوئی ہے۔

اس ٹکڑہ ملک میں جس قدر نہروں کی کثرت دیکھی بیان نہیں ہوسکتی چپے چپے پر نہر جاری ہے اور نہر میں سے بیسوں شعبے نکلے ہیں جہاں تک میں نے دیکھا میری دانست میں کوئی کھیت ایسا نہیں جسمیں نہر کا پانی نہ آتا ہو۔

نہر کے بنانے کا فن مصر والوں کو بخوبی معلوم ہے ہر مقام پر پانی کی تقسیم کرنے کے دہانے اور پانی اونچا کرنے اور نیچا کرنے کی جھالیں [۳۹] اور تختے [۴۰] سب بنے ہوئے تھے نہر کے پاس جو اونچی زمینیں ہیں اور جن میں نہر کا پانی بہاؤ سے نہیں جاسکتا اُن زمینوں کے سیراب کرنے کے لیے نہر کے کنارہ کاٹ کا خانہ دار ایک پہیہ لگایا ہے اور بذریعہ ٹٹو یا بویا بیل کے پھرتا ہے اور بخوبی کھیتوں میں پانی پہونچتا ہے مگر یہ پہیہ پانچ چھ فیٹ اونچی زمین پر پانی پہونچا سکتا ہے اس سے زیادہ اونچی زمین پر پانی نہیں پہونچا سکتا۔ ہمارے ملک میں جو یہ دستور ہے کہ تھوڑی سی اونچی زمین پر پانی پہونچانے کو دو آدمی ایک چھاج رسیوں میں باندھ کر پانی اولیچتے ہیں اُس کے عوض اگر اس پہیہ کا رواج دیا جاوے تو بلاشبہ فائدہ مند ہوگا۔

ایک جگہ کنویں سے پانی دیتے ہوئے دیکھا مگر بذریعہ رہٹ کے پانی دیتے تھے پانی پت اور کرنال کے ضلعوں میں جس قسم کے رہٹ جاری ہیں اُسی قسم کا رہٹ مصر میں بھی جاری ہے مگر اس ضلع کے رہٹوں سے بھی ہلکا اور بہت کم لاگت کا معلوم ہوتا ہے۔

ہل بھی چلتے ہوئے یہاں دکھائی دیئے۔ ظاہراً اسی طرح پر ہل چلتے ہیں جیسے ہمارے ملک میں دو گھوڑوں یا ٹٹوؤں سے بھی ہل چلتا تھا۔ ایک جگہ ایک بیل اور ایک بھینسا اور ایک جگہ دونوں بھینسے ہی ہل میں جوتے ہوئے دیکھے۔

مصر کی ''وابورالبر'' یعنی ریل کا بھی کچھ حال لکھنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ مصر کی ریل کی گاڑیاں فرسٹ وسکنڈ کلاس کی ہم نے دیکھیں، کیوں کہ ہم ایکسپریس بلکہ اسپیشل ٹرین میں گئے تھے اور اُس میں صرف دو درجہ کی گاڑیاں تھیں تمام گاڑیاں ولایت کی ''برمنگھم'' (Birmingham) کی بنی ہوئی تھیں۔ سیکنڈ کلاس کی گاڑیاں جس میں چھجو،

ہمارا خدمت گار بیٹھا تھا، ہمارے ملک کے سکنڈ کلاس سے اچھا تھا یعنی اُس میں بھی چمڑے کی گدیاں لگی ہوئی تھیں۔ فرسٹ کلاس نہایت عمدہ اور مکلّف آرام کا تھا۔ مگر ہر درجہ میں آٹھ آدمیوں کی نشست ہے چار ایک طرف، چار ایک طرف۔ سونے کی کوئی تدبیر اُس میں نہیں ہے بیٹھے بیٹھے اس طرح پر سو سکتے ہیں جیسے کہ آرام کُرسی پر آدمی سو سکتا ہے۔ رفع حاجت کے لیے گاڑی میں کوئی تدبیر نہیں ہے سوائے اسٹیشن کے۔ معلوم ہوا کہ تمام یوروپ میں اسی قسم کی گاڑیاں ہیں۔ ریل پر کام کرنے والے اور ریل چلانے والے اور گارڈ، خلاصی، چپراسی وغیرہ سب مصری اور تُرک ہیں اور نہایت مشاق ہیں اور بہت ہوشیاری اور چالاکی سے کام کرتے ہیں۔ مصر کی ریل کے کارخانے میں جو چیز کہ قابل غور کے تھی وہ یہ ہے کہ تمام گاڑیاں اور پمپ اور پانی دینے کے ستون اور ریل کی سڑک اور ہر قسم کی کلیں جو کچھ کہ ریل کے کارخانوں میں درکار ہوتا ہے، یہاں تک کہ لوہے کی ایک کیل بھی وہ سب انگلستان یا فرانس کا بنا ہوا تھا اُس میں سے کوئی چیز بھی مصر یا ترکستان کی بنی ہوئی نہ تھی۔ البتہ بہ نسبت ہندوستان کے مصر والوں کی اس قدر تعریف کرنی چاہئے کہ وہ خود اُن سب چیزوں سے کام کرنے اور کام لینے کے لائق ہیں۔ ہندوستانی بد بخت اس لائق بھی نہیں ہوئے اور جب تک کہ تمام علوم وفنون انہی کی زبان میں نہ مروج ہوں گے، اُس وقت تک ہرگز لائق نہ ہوں گے۔ مصر والوں کو جو اس قدر لیاقت آئی ہے صرف اُس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ان چیزوں سے کام لینے کے فنون انہی کی زبان میں مروج ہو گئے ہیں۔

دوسری بات قابل افسوس کے یہ تھی کہ تمام کارخانہ بہ نسبت انگریزی کارخانہ کے نہایت میلا کچیلا تھا۔ ریل کی سڑک اور اسٹیشنوں میں مطلق صفائی نہ تھی۔ لالٹینیں ایسی میلی تھیں کہ شاید مہینوں میں صاف ہوتی ہوں گی۔ انجن میں پانی دینے کے آہنی ستون نہایت عمدہ اور خوبصورت بیل بوٹے مرغولہ دار بنے ہوئے تھے مگر اُن پر انگل انگل بھر موٹی کائی اور خاک مٹی جمی ہوئی تھی۔ نہروں کا جو میں نے بیان لکھا اُن کا بھی یہی حال تھا۔ کسی

جگہ میں نے پٹری بنی ہوئی نہیں دیکھی۔ نہر کھودتے وقت جو کناروں پر مٹّی ڈالی تھی اُسی طرح پر پڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی بلاشبہ صفائی اور ہر کام میں خوبصورتی یوروپ کے لوگوں کی طبیعت میں ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتی ہے اور ملک کے لوگوں کی طبیعت میں یہ بات نہیں ہے۔ البتہ ایشیا کے بعض ملک کے لوگوں میں نفاست بلاشبہ ہے۔

بہر حال ہمارا پونا جہاز چوبیسویں اپریل سنہ ۱۸۶۹ء روز شنبہ کو قریب دوپہر کے اسکندریہ سے مارسیلز کو روانہ ہوا اور میڈیٹیرینین سی یعنی بحر روم کو ہم نے طے کرنا شروع کیا اور انتیسویں اپریل روز پنجشنبہ کو رات کے وقت قریب سات آٹھ بجے کے بخیر و عافیت تمام مارسیلز میں داخل ہوئے۔

جب ہم اسکندریہ سے روانہ ہوئے تو الحاج احمد بکری اسکندریہ کا رہنے والا پائلٹ یعنی ارکاٹی ہمارے ساتھ ہوا۔ یہ شخص نہایت لئیق اور ذی وجاہت ہے لباس بھی بہت اچھا اشرافوں کا پہنے ہوئے ہے۔ کالی بانات کا لمبا کوٹ ہے قریب قریب انگریزی کوٹ کے، پاجامہ مصری قطع کا ہے اوپر سے بہت ڈھیلا اور نیچے سے تنگ اور میانی ٹخنوں تک، کوٹ کے نیچے قمیض ہے اور اُس پر شالی پٹکہ سے کمر بندھی ہے۔ سر پر لال ٹوپی اور اُس پر نہایت چھوٹا کپڑا بطور عمامہ لپٹا ہوا ہے۔ لکھا پڑھا قابل آدمی ہے عربی تو نہایت عمدہ اور صاف بولتا ہے اور انگریزی اور فرانسیسی بھی جانتا ہے، مجھ سے اُن سے بہت ملاقات ہوگئی، جب فرصت ہوئی آپس میں ایک جگہ بیٹھ کر عربی میں کچھ کچھ باتیں کرتے۔ ملک مصر اور دارالحکومت قاہرہ اور شہر اسکندریہ کی بہت تعریف کرتا تھا جب سے اُس نے یہ جانا کہ میں بنی ہاشم سادات رضوی سے ہوں، میری نہایت خاطر اور تعظیم کرنے لگا۔ اردو کا ایک لفظ نہیں جانتا تھا اور شاید کبھی اُسکا نام بھی نہیں سنا تھا۔ پوچھنے لگا کہ ہندوستان جس پر انگریزی عملداری ہے کتنا بڑا ملک ہے اور اور کسی کی بھی عملداری ہے یا نہیں۔ میں نے سب حال وسعت و آبادی ملک ہند، و حکومت انگریزی کا اُس سے بیان کیا۔

پونا دخانی جہاز پہلے جہاز سے بھی نہایت عمدہ اور مستحکم اور پہلے سے بھی بڑا ہے۔ سنہ ۱۸۶۲ء میں بنا تھا۔ تین سو ساٹھ فیٹ لمبا اور اکتالیس فیٹ چوڑا اور اکتیس فیٹ گہرا ہے۔ چھ سو گھوڑوں کے زور کا انجن اُس میں لگا ہے۔ اُس کا انجن ایک نئی قطع کا ہے اور تمام پُرزے اُس کے دکھائی دیتے ہیں اور ہر ایک کل چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے دو ہزار دو سو ٹن بوجھ اُٹھا سکتا ہے۔ ایک سو اکیس آدمی اس میں نوکر ہیں مگر سب کے سب یوروپین ہیں کوئی اور کسی ملک کا نہیں۔ Mr.White, Mr.Case اور Mr. Mudil اِس جہاز میں افسر ہیں۔ مسٹر وھائٹ کپتان جہاز کے بمبئی میں بھی رہے تھے اور اس لیے تھوڑی تھوڑی اُردو بول سکتے تھے اور فرانسیسی بہت اچھی بولتے تھے۔

ہمارے ساتھ اکثر مسافر سوتھمپٹن (Southampton) کی راہ کو گئے اور بعضے ٹریسٹ (Trest) کی راہ کو۔ اس لیے چند قدیم مسافر ہمارے ساتھ ہوئے اور کچھ نئے مسافر آن ملے چنانچہ اس جہاز میں سو مسافر جمع ہو گئے اور نئے آدمیوں کے ملنے اور دیکھنے سے اور پُرانے رفیقوں کے جدا ہونے سے ایک اور ہی کیفیت معلوم ہوئی۔ مگر ہمارے شفقت فرما میجر ڈاڈ صاحب اور میجر بنگٹن اور مس کارپینٹر اور ہمارے صاف طینت دوست میجر فریزر اسی جہاز میں رہے۔

اس جہاز میں جو خاص بات قابل ذکر کے ہے وہ یہ ہے کہ اس جہاز کا غسل خانہ بہ نسبت پہلے جہاز کے غسل خانہ کے اور طور کا ہے۔ سوئیز تک نہانے کے لیے گرم پانی کی حاجت نہ تھی اب اسکندریہ سے یوروپ شروع ہو گیا اور سردی ہونے لگی اس لیے اس جہاز کے غسل خانہ میں پانی گرم کرنے کی نہایت عمدہ تدبیر ہے۔ غسل خانہ میں اسی طرح کا حوض ہے جیسے کہ پہلے جہاز میں تھا الّا لوہے کا ہے، جس پر نہایت عمدہ روغن کیا ہوا ہے۔ اُس میں دو نل اور تین ہتھیاں ہیں، ایک ہتھی سرد پانی کی ہے جہاں اس کو گھمایا اور سرد پانی حوض میں آن بھرا، دوسری ہتھی اُس پانی کو گرم کرنے کی ہے جہاں اُس کو پھرایا اور انجن میں سے صرف گرم بھاپ پانی میں آنی شروع ہوئی اور اتنا کثیر پانی حوض کا جو کئی قلتین کے

برابر ہے پانچ منٹ میں نہایت گرم ہو جاتا ہے اور بعضی دفعہ ٹھنڈا پانی ملانے کی حاجت ہوتی ہے اور جہاں تیسری ہتھی کو پھرایا اور ایک بدرو کھلی اور ایک منٹ میں تمام پانی نکل گیا اور حوض خالی ہو گیا۔

جس دن پونا دخانی جہاز روانہ ہوا اُسی دن کھانے کے بعد میجر ڈاڈ صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب یوروپ میں آپہونچے۔ میں نے ادب آمیز اخلاق سے اُس کو تسلیم کیا اور بشاشت کے ساتھ یہ بات کہی کہ ہاں آج ہماری پہلی منزل یوروپ کے ملک میں ہے۔

ڈاڈ صاحب نے کہا کہ ہاں اب پیغمبر کا ملک چھوٹا اور کافروں کا ملک آیا۔ اگرچہ اس میں انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس میں ہم کچھ بُرا مانتے اور جو سخت یا نا مناسب لفظ انہوں نے کہا وہ اپنی یا اپنی قوم کی نسبت کہا مگر اُن کا یہ طرز کلام مجھ کو نہایت نا پسند آیا اور طبیعت کو بہت نا گوار گذرا اور میں نے خیال کیا کہ ایسی لَے میں گفتگو کرنا کیسا اخلاق اور تہذیب کے برخلاف ہے اور ایسے عمدہ اور متین اور حلیم ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن کی زبان سے اس طرز پر کیوں گفتگو ہوئی۔ خیر میں نے چند دَم توقف کر کر کہا کہ یوں نہ کہیے بلکہ یوں کہیے کہ اہل کتاب کا ملک آیا۔ مگر کئی گھنٹہ تک مجھ کو بڑا خیال رہا اور میں سوچتا رہا کہ اُن کی طبیعت اور طینت کس قسم کی ہے مگر آخر کو میں نے خیال کیا کہ غالباً اُن کی یہ گفتگو کسی قسم کے تعصب کی راہ سے نہ تھی اتفاقیہ سہل طور پر اُن کی زبان سے نکل گیا اور جو کبیدگی میرے دل میں آئی تھی اس کو میں نے نکال دیا۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۹ر جولائی ۱۸۶۹ء)

●

(۱۰)
مسافران لندن

اس جہاز میں بھی کئی نئے صاحبوں سے ملاقات ہوئی۔ اتفاق سے D. Fitzpatrick صاحب ڈپٹی کمشنر دہلی بھی اس جہاز میں تھے۔ اگرچہ مجھ سے اور اُن سے پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی مگر نہایت مہربانی سے ملے۔ ایک دن پنجابی انتظام کی بھلائی بُرائی کا ذکر آیا۔ میں نے کہا کہ ہاں ایک ڈسپاٹک گورنمنٹ ہے اور بلاشبہ سکھوں کی عملداری سے ہزاروں درجہ بہتر ہے۔ شاید پنجاب کے لوگ خوش ہوں اور پسند کرتے ہوں کیوں کہ اُن کو آگ میں سے (یعنی سکھوں کی عملداری میں سے) نکال کر دھوپ میں بٹھایا ہے مگر ہم لوگ اس کو پسند نہیں کر سکتے۔ پنجاب گورنمنٹ یا بے قانونی ملک کی گورنمنٹ کی بھلائی یا بُرائی دہلی، پانی پت، رُہتک، حصار، سرسہ وغیرہ اضلاع سے پوچھنی چاہیئے جو ایک زمانہ میں قانونی ملک تھا اور اب بے قانونی تحت انتظام پنجابی ہے جہاں تک مجھ کو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ غدر میں جہاں اور سزائیں اہل دہلی اور اُس کے متعلق اضلاع کو دی گئی منجملہ اُنہی سزاؤں کے ایک یہ بھی سزا ہے کہ دہلی اور اُس کے متعلق اضلاع میں پنجابی انتظام کیا گیا اور بے قانونی ملک بنایا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا جس میں ڈسپاٹک گورنمنٹ کو لوگ پسند کرتے تھے اور نہ اب وہ بھلائیاں جو ہزاروں بُرائیوں کے ساتھ اگلے زمانہ کی ڈسپاٹک گورنمنٹ میں ملی ہوئی تھیں اور جن سے اُن برائیوں کا علاج ہوتا تھا۔ چورگ زن کہ جراح و مرہم نہ است۔ اب اُن کا ہونا کسی ڈسپاٹک گورنمنٹ میں ممکن نہیں ہے۔ وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بجائے کانسٹیٹیوشنل گورنمنٹ کے ڈسپاٹک گورنمنٹ

جیسے کہ قدیم سے تھی زیادہ تر مفید ہوگی وہ نہایت غلطی میں ہیں اُن کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی باغ کو صرف موسم خزاں میں دیکھ کر اُسکی بھلائی بُرائی کی نسبت رائے لگائے اور موسم بہار کا کچھ خیال نہ کرے۔

نہایت خوشی اور بہت ہی مبارکی جو اس جہاز میں ہوئی وہ مسٹر ڈی۔ لسپس صاحب بہادر (M. D. Lesseps) کی ملاقات ہے۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ یہ صاحب وہ فرانسیسی انجینیر ہیں جنہوں نے نہر سوئیز بنانے کی تجویز کی اور باوجودیکہ تمام یوروپ کے بڑے بڑے انجینیر کہتے تھے کہ اس نہر کا بنانا غیر ممکن ہے مگر صرف اسی عالم اور دانا اور دلاور انجینئر کی تجویز تھی کہ بے شک بنے گی اور میں بناؤں گا۔ چنانچہ جیسا اُس نے کہا تھا ویسا کر دکھایا دو سمندروں کو ملایا اور سوئیز کی نہر کو بنایا۔

یہ صاحب جناب پرنس آف ویلس کے ساتھ تھے جبکہ جناب ممدوح نہر سوئیز کے ملاحظہ کو تشریف لائے تھے اور سوئیز سے اُس جہاز میں سوار ہوئے تھے۔ ایک دن کے بعد مجھے اُن کا حال معلوم ہوا وہ انگریزی بھی نہیں جانتے تھے، ہمارے جہاز کے کپتان صاحب نے جو فرانسیسی جانتے تھے میری ملاقات کرائی۔ نہایت اخلاق اور تواضع سے ملے اور نہایت خوشی سے ہاتھ ملایا۔ اُس وقت معلوم ہوا کہ کسی قدر عربی بولتے ہیں میں نہایت خوش ہوا اور چند باتیں عربی میں کیں۔ مگر عربی میں بھی بہت تھوڑی معمولی باتیں بول سکتے ہیں کوئی مضمون یا لمبی بات نہیں کہہ سکتے۔ اُس دن سے برابر ہمیشہ نہایت مہربانی سے ملتے رہے اور ہر روز گھنٹوں تک میں اور وہ ایک میز پر بیٹھے لکھا کرتے تھے ایک دن انہوں نے سب لوگوں کے سامنے نہر سوئیز کا حال بیان کیا اور بعض پُرانی نشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت کی جو اُس کے قرب و جوار میں ہیں بیان کیں۔ مجھ سے کہنے لگے کہ جب تم ولایت سے پھروگے تو امید ہے کہ نہر کے رستہ تمہارا جہاز جاوے گا۔ اُن کا بیان ہے کہ چھ مہینے بعد نہر بالکل جاری ہو جاوے گی اور بڑے بڑے جہاز و اسٹیمر اُس میں آمد و رفت کریں گے۔ غرضیکہ ایسے شخص کی ملاقات سے جو دلیری اور جرات میں بھی ایسا ہی کامل

ہے جیسا کہ اپنے فن میں اور حقیقت میں یکتائے دہر و بے مثل و بے نظیر ہے مجھے نہایت خوشی ہوئی بلکہ میں نے اپنا فخر سمجھا۔

جب کہ ایک دن مارسیلز پہنچنے کا باقی رہا تو تمام انگریزوں نے جو جہاز میں تھے صلاح کی کہ ڈی لسپس صاحب کو اُن کی کامیابی نہر سوئیز پر ایک ایڈریس بطور مبارکبادی کے دی جاوے۔ چنانچہ ۲۸ رمئی کو کھانے کے بعد ایڈریس پیش کی گئی۔ اوّل کپتان میتھون صاحب (Captain Mathoen) نے بہت لمبی اسپیچ کی اور پھر مسٹر اوزلی (Mr. Ousely) نے اور اس کے بعد جنرل ٹیپ صاحب (General Tapp) نے، اس کے بعد مسٹر بلیٹ (Mr. Baitlettt) نے، اس کے پیچھے مسٹر سانڈرس (Mr. Saunders) نے تب ایک مختصر ایڈریس مبارکبادی انجام و کامیابی نہر سوئیز جس پر تمام لوگوں کے جو جہاز پر تھے دستخط تھے اُن کو دی گئی انہوں نے کھڑے ہو کر اُس کو لیا اور جواب میں ایک لمبی اسپیچ بطور شکریہ فرانسیسی زبان میں کی۔ عمدہ الفاظ، قابل یادگاری جو اُن تمام اسپیچوں میں تھے وہ یہ ہیں کہ جنرل ٹیپ صاحب نے اپنی اسپیچ میں کہا تھا کہ نہایت زیبا ہے کہ بجائے نہر سوئیز کے نہر لسپس اس کا نام رکھا جاوے۔ بلاشبہ ان کا یہ کہنا بہت بجا تھا کہ ایسے آدمی کی جہاں تک قدر اور یادگاری اور عزت کی جا سکے وہ کی جاوے۔ جبکہ مسٹر ڈی لسپس نے اسپیچ کی تو اُس میں انہوں نے کہا کہ میری خوشی اور میرا فخر اس میں نہیں ہے کہ اس نہر کا نام لسپس ہو بلکہ میری خوشی اور میرا فخر اس میں ہے کہ یہ نہر فرنچ نہر کہلاوے۔ جس وقت کہ میں نے بذریعہ ایک دوست کے جو وہاں موجود تھا یہ مضمون سمجھا میرے دل میں اُس دلاور آدمی کی اس فیاضی پر کہ اپنی قوم کی نام آوری پر ایسا غش ہے کہ اپنی خوشی اور اپنی عزت اس میں سمجھتا ہے۔ ہزار ہزار آفریں کی اور اپنی قوم پر جن کا کام بجز حسد اور بغض اور اپنی ذاتی جھوٹی شیخی جتانے کے اور کچھ نہیں ہے افسوس کیا اور یقین جانا کہ ایسی ہی بدخصلتوں سے اُن کو ایسی بدنصیبی و ذلت نے گھیرا ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالك امرا۔

یہ بھی واضح ہو کہ درحقیقت یہ نہر فرنچ نہر کے نام سے مشہور ہے سوئیز میں عموماً تمام آدمی قلی سے لے کر بھلے مانس تک فرنچ کنال، فرنچ کنال اس کا نام لیتے ہیں۔ درحقیقت فرانسیسیوں نے یہ ایسا بڑا کام کیا ہے کہ اگر اس سے نیا سال شروع کیا جاوے تو بھی زیبا ہے۔

جیسی عجیب بات مسٹر ڈی لسپس کو جہاز میں ایڈریس دینے کی ہوئی ویسی ہی اس کے برخلاف ایک چیز میں نے دیکھی جس سے مجھ کو کمال تعجب ہوا۔ مس کارپینٹر صاحبہ اپنی کتاب میں ہر ایک سے کچھ رائیں لکھواتی ہیں۔ جس کا میں نے پہلے ذکر لکھا ہے۔ ہمارے شفیق میجر جنرل بیلنگٹن صاحب (Major General Balington) سے بھی انہوں نے لکھنے کو کہا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک رائے لکھی اُس میں انہوں نے ہندوستانیوں کی نسبت یہ کلمے لکھے "Ungrateful and heartless" ''احسان فراموش اور بیدل یا بے ہمت'' ان لفظوں کے دیکھنے سے مجھے تعجب یہ ہوا کہ باوجودیکہ وہ نہایت بشاشی سے ہندوستانیوں سے ملے مگر اُن کے دل میں ہندوستانیوں کی طرف سے یہ کیا بات سمائی ہوئی ہے یہ سب نتیجے اس بات کے ہیں کہ ہندوستانیوں اور انگریزوں میں ملاپ نہیں ہے۔ ہندوستانی تو انگریزوں کی نسبت عجیب قسم کے خیالات رکھتے ہیں اور انگریز ہندوستانیوں کی نسبت، اور کچھ شبہ نہیں کہ اکثر دونوں غلطی میں ہیں۔

مسماۃ نصیباً آیا مسز کوپر ڈپٹی کمشنر لکھنو کے ساتھ اسی جہاز میں ہے وہ بھی نہر سوئیز سے کچھ کم عجیب نہیں۔ یہ آیا کانپور کی رہنے والی ہے قوم پٹھان مسلمان ہے۔ اُس کا بیان ہے کہ اُس کو یوروپ میں آتے ہوئے اکیسویں دفعہ ہے۔ ہمیشہ انگریزوں اور اُن کے بچوں کو ٹھیکہ پر ولایت پہنچانے آتی ہے اور پہونچا کر چلی جاتی ہے انگریزی بخوبی بولتی ہے انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ، آیرلینڈ، فرانس، پرتگال، سپین اور اور مقامات یوروپ کے اُس نے دیکھے ہیں، میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاباش تجھ کو، تو تو مردوں سے بھی اچھی ہے۔

ایک دفعہ میں اُس سے کھڑا ہوا باتیں کر رہا تھا ہمارے شفیق دوست میجر ڈاڈ صاحب بھی وہاں آ کھڑے ہوئے انھوں نے آیا سے پوچھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے۔ اُس

نے کہا محمڈن یعنی مسلمان۔ میجر ڈاڈ صاحب نے یا تو دل لگی سے یا طنز سے مجھ سے کہا کہ 'تمہاری قوم'۔ میں نے نہایت خوشی اور صدق دلی سے کہا کہ ہاں بے شک ہماری قوم، ہماری قوم۔ بلاشبہ تمام انسان ہمارے نسلی بھائی ہیں اس لیے کہ ایک باپ سے پیدا ہوئے اور سب مسلمان ہمارے مذہبی بھائی ہیں جو ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں۔

اس سفر میں جو اسکندریہ سے مارسیلز تک ہوا نہایت دلچسپ چیزیں دیکھنے میں آئیں۔ تین دن تک تو ہم نے بجز پانی پانی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ ستائیسویں تاریخ کو چار بجے کے بعد ہم کو سرزمین اٹلی اور سسلی جن کو عربی میں اطالیہ اور صفالیہ کہتے ہیں دکھائی دی پھر جوں جوں آگے بڑھتے گئے نئے نئے اور عجیب عجیب شہر ہم نے دیکھے۔ ہمارے دائیں ہاتھ کو اٹلی کا کنارہ تھا اور بائیں ہاتھ کو سسلی کا۔ جب ہمارا جہاز آبنائے مسینا میں گذرا تو دونوں کنارے ایسے پاس ہو گئے تھے کہ گویا ہم ہاتھ پھیلا کر ایک ہاتھ اٹلی کے اور دوسرا سسلی کے کنارہ پر رکھ دیں گے۔

اٹلی کے کنارہ پر مفصلہ ذیل شہر اور قصبے ہم کو ملے جن کے مکانات اور آبادی بخوبی ہم کو دکھائی دیتی تھی۔

رگیو Ragguo، آرکو Arco، گیلی گو Galligo، ایڈلارسا Edellorsa، گوانائی Gaovannai، پائینٹ پیگو Pt. Peggo، ٹاری ڈی کوالو Tarre de Covallo، سیلا کیسل Seylla Castle۔

اور سسلی کے کنارہ پر مفصلہ ذیل شہر ہم کو دکھائی دیئے:

مسینا Messina، ریکو Rigo، جی آٹا Geotta، سلگاٹا Salgotta، فیرولائیٹ Faro Light۔

جب ہم آبنائے مسینا میں گذرتے تھے تو ہم نے بہت چاہا کہ آتشیں پہاڑ ایٹنا (Etna) کو دیکھیں مگر اُس وقت نہیں دکھائی دیا جب اُس آبنائے سے نکلے تو ایٹنا سامنے آ گیا اور دوربین کے ذریعہ سے بخوبی دکھائی دیتا تھا مگر ان دنوں میں روشن نہ تھا۔

افسوس ہے کہ ہمارا جہاز کیپریا (Capria) کے مقابل اور آبنائے بونی فیشیو (Bonifacio) میں رات کو گذرا اور اس سبب سے کیپریا جہاں اس زمانہ کے دلاور اعظم گاری بالڈی ؒ کا گھر ہے اور جزیرہ کارسیکا (Corsica) جہاں شہنشاہ نپولین اعظم پیدا ہوا تھا اور جزیرہ سارڈینیا (Sardinia) دکھائی نہ دیے۔ مجھ کو کمال آرزو تھی کہ میں اس زمانہ کے سب سے بڑے فیاض دلاور گاری بالڈی کے پھونس کے جھونپڑے کی جو بڑے بڑے قیصروں کے محلوں سے بھی زیادہ معزز اور قابل ادب و تعظیم ہے زیارت کروں، مگر افسوس کہ رات ہونے کے سبب یہ دولت اور یہ نعمت مجھ کو نصیب نہیں ہوئی۔

جزیرہ سارڈینیا میں جو آتشیں پہاڑ ہے اور جس کا اسٹرامیولی نام ہے ہم کو آنکھ سے بھی اور دوربین سے بھی دکھائی دیتا تھا یہ پہاڑ تین ہزار فٹ بلند ہے اور جب روشن ہوتا ہے تو دور دور سے اس کی روشنی دکھائی دیتی ہے مگر ان دنوں میں یہ بھی روشن نہ تھا۔

ان شہروں کی خوبی اور خوبصورتی جو ہم کو اٹلی اور سسلی کے کنارہ پر ملی بیان نہیں ہوسکتی۔ انگریزی قطع پر جو شہر آباد ہیں وہ فی نفسہ بہت خوبصورت ہیں مگر ان شہروں کا سمندر کے کنارہ پر پہاڑوں کے تلے اور چوٹی پر ہونا ایسا لطف دیتا تھا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ علاوہ اس کے پہاڑوں کی قدرتی خوبصورتی سے ان شہروں کو اور بھی زیبائش ہوگئی تھی۔ اونچے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں پر اکثر گرجا بنے ہوئے تھے جو حد سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتے تھے۔ پہاڑوں پر ٹیڑھی سیدھی سڑکیں، شہروں کے بازار عجیب کیفیت سے معلوم ہوتے تھے۔

جزیرہ اٹلی کے گرد سمندر کے کنارے کنارے پہاڑوں کے تلے ریل بنی ہوئی ہے جہاں جہاں سمندر میں کوئی نالہ یا دریا ملا ہے وہاں آہنی پُل بڑے لمبے لمبے بنے ہوئے اور جا بجا اسٹیشن وغیرہ ہیں ان سب چیزوں سے سمندر کے کنارے کو اور ہی زیبائش ہوگئی ہے یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی، صرف دیکھنے سے تعلق ہے۔

میسینا (Messina) جو سسلی کا دارالخلافہ تھا نہایت عمدہ اور بہت بڑا شہر ہے۔ ہمارا جہاز اس شہر کے نہایت قریب گذرا تھا سب کچھ شہر کا دکھائی دیتا تھا۔ شہر کے گرد سمندر کی طرف دیوار بطور فصیل کے ہے خوبصورت مورچے بھی بنے ہوئے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ سسلی میں مدت تک مسلمانوں کی عملداری رہی تھی مگر اس وقت کنارہ پر سے ہم کو کوئی مکان مسلمانوں کی عملداری کا دکھائی نہیں دیا مگر کوئی نہ کوئی نشان ضرور وہاں ہوگا۔

جب کہ ہم آبنائے بونی فیشیو طے کر کر صبح کے وقت شہر ٹولونس (Toulones) کے سامنے پہنچے جو فرانسیسیوں کی عملداری کا شہر ہے وہاں نہایت عمدہ تماشا دیکھا جو ہم نے عمر بھر نہ دیکھا تھا اگرچہ سنا تھا مگر شنیدہ کے بود مانند دیدہ اور وہ تماشا یہ تھا کہ فرانسیسیوں کے بارہ جنگی دخانی جہاز وہاں جمع تھے اور اُن کی قواعد ہو رہی تھی اور برابر توپ و گولہ چل رہا تھا۔ جہاز بالکل اُسی طرح جیسے کہ آدمی قواعد کرتے ہیں۔ کبھی دو دو کی ٹکڑی ہو گئی اور کبھی لین بندھ گئی، کبھی دور دور فاصلہ پر چلے گئے اور پھر آن ملے اور یہ سب باتیں اس طرح پر ہوتی تھیں جیسے پتہ ہوا سے اِدھر اُدھر اُڑ جاتا ہے۔ برابر گولہ جہازوں پر سے چلتا تھا اور جب پانی میں جا کر گرتا تھا تو اُس مقام پر فوارہ کی طرح ایک ستون پانی کا بلند ہو جاتا تھا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ جا کر گولہ گرا۔ غرض کہ یہ بھی ایک عجیب کیفیت تھی جو پہلی دفعہ ہمارے دیکھنے میں آئی۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۶ر جولائی ۱۸۶۹ء)

●

(۱۱)
مسافران لندن

لوگوں نے ہم سے بیان کیا تھا کہ میڈیٹیرین سی یعنی بحر قلزم میں تموّج بہت زیادہ ہے اور جہاز کو حرکت بہت ہوتی ہے اور اکثر طوفان بھی ملتا ہے جو کہ ہم ابھی جہاز کے ہلنے کی تکلیف اُٹھا چکے تھے اور صفرا کی حرکت اور جی متلانا اور قے یا اُبکائی کی تکلیف بہت ہی ناگوار معلوم ہوتی ہے اس لیے ہم کو تردد تھا کہ دیکھئے کیسی تکلیف ہوگی مگر تعجب ہے کہ سمندر ایسا سیدھا چُپ چاپ تھا کہ ذرا بھی اُس میں تموج نہ تھا بالکل سمندر کی ایسی مثال تھی کہ گویا پیالہ میں پانی بھرا ہوا ہے اکثر مسافر جو جہاز میں تھے کہتے تھے کہ ایسا چُپ چاپ سمندر بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔

اس سمندر میں ہم نے ویل مچھلیاں متعدد دفعہ دیکھیں وہ نہایت خوشی سے پانی کے اوپر نکلتی تھیں اور پھر غوطہ مار جاتی تھیں۔ بعض دفعہ دو دو تین تین ایک ہی جگہ آپس میں کھیلتی ہوئی نکلتی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بلّی کے بچے آپس میں اچھلتے اور کھیلتے ہیں۔ جو مچھلیاں ہم نے دیکھیں وہ بلاشبہ گنگا کی کشتیوں کے عرض کے برابر موٹی اور اُس کے طول کے برابر لمبی ہونگی۔ اس سمندر میں ہم کو بڑی کیفیت آئی اور اگر سمندر ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہو تو شہر کے مکانوں اور باغوں سے بہت زیادہ فرحت بخش ہے۔

اس جہاز میں علاوہ اُن کھیلوں کے جو پہلے جہاز میں کھیلے جاتے تھے یہ دو کھیل اور کھیلے گئے۔ ہندوستان میں بھی انگریز اور میمیں اکثر یہ کھیل کھیلتی ہیں۔

ایک ربع تختہ بنا ہوا تھا اور اُس پر حسب مندرجہ ذیل خانے بنا کر ہندسہ لکھ دیتے تھے اور جست کی گول گتیاں ہتھیلی کی گہرائی کے برابر بنی ہوئی تھیں اور فاصلہ معین سے وہ گتیاں خانوں میں ڈالتے تھے ہر شخص کے ہاتھ میں چھ گتیاں ہوتی تھیں جو شخص ایسے

خانوں میں گنتیاں ڈال دے جن کے اعداد کا مجموعہ اکتیس ہو وہ میری ہوتا ہے انگریزی میں اس کھیل کا نام بُل ہے اس لیے کہ بُل بیل کو کہتے ہیں اور جہاں میں نے پھول بنا دیے ہیں وہاں بیل کی صورت بنی ہوئی ہوتی ہے۔

*	۱۰	*
۸	۱	۶
۳	۵	۷
۴	۹	۲

دوسرا کھیل یہ تھا کہ لوہے کے موٹے تاروں کی محرابیں اس طرح پر کھڑی کی تھیں اور ایک کاٹھ کی موگری سے کاٹھ کی گنتیاں معین محرابوں سے نکالتے ہیں زمین پر جب یہ کھیل کھیلتے ہیں تو بجائے کاٹ کی گنتیوں کے کاٹ کے انٹے ہوتے ہیں جہاز کی حرکت کے سبب بجائے انٹوں کے چپٹی گول گنتیاں بنائی ہیں اس کھیل کو مسٹر ڈی لسپس اور اُن کی بہو اور بیٹی اور فرینچ مسافر جو جہاز میں تھے بہت کھیلتے تھے انگریزی میں کروکی اس کھیل کا نام ہے۔

نقشہ مندرجہ ذیل سے معلوم ہوگا کہ ہمارا جہاز سمندر میں کس راہ ہو کر مارسیلز میں پہنچا اور کس قدر روز چلا۔

تاریخ	عرض مقام		طول مقام		رفتار جہاز بحساب میل
	درجہ	دقیقہ	درجہ	دقیقہ	
۲۵/اپریل ۱۸۶۹ء	۳۳	۲۹	۲۵	۲۳	۲۶۳
۲۶/اپریل ۱۸۶۹ء	۳۵	۳۰	۲۱	۲۲	۲۴۴
۲۷/اپریل ۱۸۶۹ء	۳۷	۴۲	۱۶	۲۲	۲۷۴
۲۸/اپریل ۱۸۶۹ء	۴۰	۱۷	۱۱	۵۴	۲۷۴
۲۹/اپریل ۱۸۶۹ء	۴۲	۲۵	۶	۴۰	۲۷۳

مارسیلیس کی لنگر گاہ بھی عجیب وغریب ہے سمندر کے کنارہ دیوار اُٹھا کر بہت بڑا چبوترہ بنایا ہے جہاں چبوترہ کی دیوار بنائی ہے وہاں اتنا گہرا پانی ہے کہ بڑے سے بڑا جہاز چبوترہ کی دیوار تک چلا جاتا ہے چنانچہ ہمارا دخانی جہاز بھی اُس چبوترہ کے برابر جالگا اور جہاز میں سے قدم اُٹھا کر چبوترہ پر رکھ دیا۔

مارسیلز فرانسیسیوں کی عملداری میں ہے تھوڑی دیر پہلے جہاز کے پہونچنے سے تمام صندوق اور بکس جس قدر تھے وہ جہاز کے تہہ خانوں میں سے نکال کر جہاز کی چھت پر رکھ دیے تھے اور ہر ایک کے نام کا یا کسی حرف کا ٹکٹ ہر ایک شخص کے صندوقوں پر لگا دیا تھا جب جہاز کنارہ پر پہونچا اُسی وقت فرانسیسی افسر پرمٹ کے محصول لینے والے آئے اور سب صندوق اُن کے سپرد ہو گئے۔ انہوں نے کسٹم ہاؤس کے نہایت بڑے کمرہ میں میزوں پر ہر ایک کے نام کے یا ہر ایک حرف کے صندوق چُن کر علیحدہ علیحدہ لگا دیئے اور تمام مسافر ایک نہایت اچھے کمرہ میں جو اُس کے پاس تھا اور جس میں کُرسیاں اور کوچیں نہایت عمدہ لگی ہوئی تھیں جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک پتلا سا دروازہ کھلا جو اُس بڑے کمرے یعنی کسٹم ہاؤس میں جانے کی راہ تھی۔ مسافر ہجوم کر کے جلدی سے اندر جانا چاہتے تھے مگر محافظ دروازہ تعداد مناسب سے زیادہ کو اندر جانے نہیں دیتا تھا۔ وہاں اُن صندوقوں کو کھول کر تلاشی لیتے تھے کہ کوئی محصولی مال تو نہیں ہے مگر تلاشی نہایت نرمی اور آسانی سے لیتے تھے بعضی دفعہ اشراف صورت کی بات پر کہ کوئی محصولی مال نہیں ہے اکتفا کرتے تھے اور اگر کوئی اشراف صورت کہتا تھا کہ اس قدر فلاں مال محصولی ہے تو بلا تکرار اُسی قدر کا محصول لے لیتے تھے۔ ہمارے پاس دس صندوق تھے اور اُن صندوقوں میں ایک جوڑہ شال کا نیا علیحدہ پلندہ میں بندھا ہوا تھا بعض دوستوں نے کہا کہ اگرچہ یہ مال محصول کا نہیں ہے کیوں کہ استعمال کے لیے ہے پھر علیحدہ پلندہ بنانا کچھ ضرور نہیں۔ چنانچہ ہم نے پلندہ کھول کر شال کو اپنے کپڑوں کے ساتھ رکھ دیا۔ جب ہمارے صندوقوں کی نوبت آئی تو مرزا خداداد بیگ اور محمد حامد مع چھجو کے اُس کمرہ میں گئے وہاں کے افسر نے پوچھا کہ پہننے

کے کپڑے ہیں، کوئی محصولی چیز تو نہیں۔ مرزا صاحب نے کہا کہ کوئی محصولی چیز نہیں۔ اُس نے پوچھا کہ تمبا کو تو نہیں انہوں نے کہا نہیں۔ اُس افسر نے کہا کہ اچھا نے جاؤ۔ اُس وقت قلیوں نے جو وہاں موجود تھے ہاتھوں ہاتھ اسباب اُٹھا کر باہر رکھ دیا اور مہر تلاشی ہو جانے کی کر دی۔ واضح ہو کہ یہ طریقہ اُسی اسباب کی تلاشی کا تھا جو مسافروں کے ساتھ کا تھا غالباً کل مسافروں کی تلاشی میں دو ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ نہ لگا ہوگا۔

ذکر پینشولا اورینٹل کمپنی جہاز ہائے دخانی

یہ وہ کمپنی ہے جس کے دخانی جہازوں میں ہم نے بمبئی سے مارسیلز تک سفر کیا۔ یہ کمپنی صرف مارسیلز تک مسافروں کے پہونچانے کا کرایہ کرتی ہے چنانچہ جو ذمہ داری اُس کی تھی وہ اس مقام پر ختم ہوئی۔ اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ جو ہماری رائے نسبت اس کمپنی کے کاروبار اور انتظام کے ہے وہ بھی لکھیں۔

میں حد سے زیادہ اس کمپنی کی خوبی اور انتظام کی اور جو آسائش کہ مسافروں کو اس کمپنی کے جہازوں میں تھی تعریف کرتا ہوں۔ بمبئی میں ہم نے تمام اسباب جو صندوقوں میں بندھا تھا اور جن پر ہمارے نام کے ٹکٹ لگے ہوئے تھے کمپنی کے گودام میں سپرد کر دیا ایجنٹ نے ایک ٹکٹ دیا کہ فلاں وقت پر فلاں گھاٹ پر ایک چھوٹا اسٹیمر مسافروں کو بڑے جہاز تک لے جانے کو آوے گا آپ اُس پر سوار ہوں کیوں کہ بڑا جہاز بمبئی کے کنارہ تک نہیں آتا۔ چنانچہ ہم اُسی طرح سوار ہوئے۔ جب جہاز میں پہنچے تو اپنا کمرہ آراستہ اور مرتب پایا اور ہمارا اسباب کمرہ میں نہایت خوبی سے سجا ہوا تھا اور جو غیر ضروری تھا وہ تہہ خانوں میں رکھ دیا گیا تھا۔ سوئیز سے الکزنڈریہ تک ریل کے سفر کا بھی ذمہ اُسی کمپنی کا تھا۔ کمپنی کے ایجنٹوں نے ایسی عمدگی سے انتظام کیا تھا کہ گاڑیاں تجویز کر کے ہر ایک نام کے ٹکٹ گاڑیوں پر لگا دیے تھے۔ ہمارا نام جس گاڑی پر تھا ہم سب لوگ بہ آرام اس میں جا بیٹھے۔ جب الکزنڈریہ میں پہنچے اور پونا جہاز ملا، ریل پر سے اتر جہاز میں چلے گئے وہاں

اپنا کمرہ مرتب پایا اور سب اسباب سجا ہوا ملا۔ ہم نہیں جانتے کہ وہاں تک کون اسباب لے گیا اور الگذنڈریہ یا سوئیز میں کچھ تلاشی ہوئی یا نہیں۔ مگر ہمارے پاس کوئی اسباب محصول نہ تھا اور ہم نے قواعد معینہ کمپنی سے ذرا بھی تجاوز نہیں کیا تھا۔ جب سب لوگ ریل پر بیٹھ لیے تو ایجنٹ کمپنی نے ہر گاڑی میں آ کر سب کا حال دریافت کر لیا۔

جہازوں پر کھانا نہایت عمدہ اور متعدد اقسام کا بہ افراط تھا اور تر و خشک میوہ جس قدر کھا سکو میز پر موجود تھا شراب اس قدر افراط سے پینے والوں کو پینے کو ملتی تھی کہ میں دیکھ کر حیران ہو گیا بعض انگریز شکایت کرتے تھے کہ بمبئی سے سوئیز تک کھانا اچھا نہیں ملتا مگر یہ شکایت میری دانست میں صحیح نہ تھی کیوں کہ گرم ملک میں گوشت نہایت اچھا نہیں ہوتا۔ بلاشبہ الگذنڈریہ سے مارسیلز تک جیسا عمدہ گوشت تھا ہم نے تو آج تک ویسا عمدہ گوشت نہیں دیکھا تھا۔ غرضیکہ یہ کمپنی نہایت عمدہ ہے اور تمام مسافروں کو اُس کا شکر گذار ہونا چاہیے۔

جب کہ ہم لنگر گاہ مارسیلز میں جہاز سے اُترے تو ہم نے دیکھا کہ بہت سی گاڑیاں اومنی بس کھڑی ہوئی ہیں اور وہاں چند شخص نہایت معقول اور اشراف صورت کھڑے ہوئے ہیں (یہ لوگ ہوٹلوں کے کمشنر تھے) انہوں نے پوچھا کہ آپ کس ہوٹل میں تشریف لے جاویں گے ہم نے کہا کہ 'ہوٹل ڈی دلوور' میں۔ ہم نے پہلے سے ٹھہرالیا تھا کہ اُس ہوٹل میں اُتریں گے۔ یہ سنتے ہی اُس ہوٹل کا کمشنر ہمارے پاس آیا اور اومنی بس جو اُس ہوٹل کا تھا حاضر کیا اور ہمارے تمام اسباب کی خود سربراہی کر کے سب لدوالیا۔ ہم کو کچھ بھی کرنا نہیں پڑا۔ اُسی طرح اور مسافروں کو بھی جو اس ہوٹل میں جانے والے تھے اُس نے لیا اور اومنی بس ہنکوا ہوٹل جا اُتارا۔

رستہ میں ہمارا گزر شہر مارسیلز میں ہوا رات کا وقت تھا اور یہ پہلا یوروپ کا شہر ہے جس کو ہم نے دیکھا جب کہ ہمارا اومنی بس بازار میں پہنچا ہم دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کبھی ایسا راستہ، بازار اور اس قدر روشنی شیشہ آلات میں ہم نے کبھی دیکھی

نہ تھی دیوالی میں جو روشنی ہندوستان میں ہوتی ہے اُسکی کچھ حقیقت بھی نہ تھی دوکانوں کا رُخ جو بازار کی طرف ہے نہایت آراستہ ہے اور بالکل سر تا سر شیشوں کے دروازے اور شیشے کی دیواریں بنی ہوئی ہیں۔ ایک ایک شیشہ دس دس فٹ لمبا اور بعضا اسی قدر چوڑا اور بعضا اس سے کم لگا ہوا ہے ایک دروازہ میں ایک شیشہ عموماً لگا ہوا تمام اسباب جو دوکان میں سجا ہوا ہے باہر سے بالکل دکھائی دیتا ہے اور ایسی خوبی سے آراستہ ہے کہ ایک باغ معلوم ہوتا ہے عموماً دوکانوں میں لیمپ اور فانوسیں اور جھاڑ اور سڑک پر نہایت نفیس لالٹینیں گیس کی روشنی سے روشن ہیں اور اُن کا عکس جو شیشوں میں پڑتا ہے ایک عجیب کیفیت دکھاتا ہے جو کہ ایسا شہر اور اس قدر آراستہ ہونا ہمارے خیال میں بھی نہ تھا بلکہ ہم نے ہندوستان میں کسی امیر کا دولت خانہ بھی ایسا آراستہ نہیں دیکھا تھا۔ اس واسطے حقیقت میں ہم حیران اور متحیر ہو گئے کہ یہ کیا چیز ہے۔

اُسی بازار میں دو تین مکان نظر پڑے جو سب سے زیادہ آراستہ تھے ان کی دیواریں اور دروازے جو بازار کی جانب تھے بالکل اُسی قدر بڑے بڑے شیشوں کے تھے اور چھت بھی جو ماہی پشت یا کھپریل نما تھی وہ بھی بالکل اُسی طرح شیشے کی تھی اور اندر نہایت نفیس چینی کے گملوں میں طرح طرح کے درخت اور پھول اور بیل دار درخت لگے ہوئے تھے کہیں کہیں سرو کے درخت بھی گملوں میں لگے ہوئے رکھے تھے اور نفیس نفیس نہایت خوبصورت کُرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور ایک میز آگے لگی ہوئی تھی اور بہت سے لوگ اُس میں بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ کچھ عورتیں بھی دور دور دکھائی دیتی تھیں اور متعدد جھاڑ اور لیمپ اور فرشی جھاڑ گیس کی روشنی سے روشن تھے میں نے ہرگز کوئی مکان ایسی خوبصورتی سے آراستہ ہوا نہیں دیکھا تھا اُس وقت مجھ کو یقین ہوا کہ کوئی بہت بڑی شادی ہے اور لوگ جمع ہیں اور مکان آراستہ ہے مگر جب صبح کو دیکھا اور تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ عام لوگوں کے شراب پینے کے لیے شراب خانے ہیں لوگ جمع ہوتے ہیں اور شراب پیتے ہیں اور اسی طرح کے بہت سے شراب خانے ہیں اور ایک ایک سے زیادہ اور عمدہ آراستہ ہے۔ کیا خدا

کی قدرت ہے کہ عام لوگوں کو بھی یہاں تک کہ قُلی اور مزدوروں کو بھی ایسی خوبی اور آراستگی سے شراب پینی میسر ہے کہ جمشید کو کبھی خیال میں بھی میسر نہ ہوئی ہوگی۔

ہوٹل مارسیلز کا جس کا نام ہوٹل ڈی دلوور ہے اور جس میں ہم ٹھہرے تھے نہایت عجیب اور عمدہ ہوٹل ہے۔ بیچ میں بطور بیضوی دائرہ کے صحن اور چاروں طرف کمرے بنے ہوئے ہیں۔ سات منزلہ ہوٹل ہے اور اوپر تلے کمرے بنتے چلے گئے ہیں اور صحن کے اوپر شیشہ کی چھت ہے جس کے سبب سے پانی برف کچھ نہیں آسکتا اور روشنی بخوبی ہے ہم کو پانچویں درجہ میں کمرے ملے تھے کیوں کہ اور سب گھرے ہوئے تھے ایک سو بیس سیڑھیاں چڑھے تب اپنے کمروں میں پہونچے، ہر جگہ گیس کی روشنی تھی اور ہر کمرہ نہایت خوبی سے آراستہ تھا۔ ایک نوکر ہوٹل کا ہمارے ساتھ تھا وہ کمروں میں پہونچا کر چلا گیا۔ میرے دل نے اُسی وقت چائے پینے کو چاہا۔ میں حیران ہوا کہ نوکر کیوں کر بُلاؤں اور اس قدر نیچے کون جاوے اسی فکر میں تھا کہ مجھے خیال آیا کہ ولایت کے بڑے ہوٹلوں میں ایک کل لگی ہے کہ جہاں اس کو ہاتھ لگایا اور برقی قوت سے یا پہیہ کی حرکت سے گھنٹہ بجا اور آدمی آیا۔ اسی خیال میں میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ یکا یک میری نگاہ دیوار پر پڑی وہاں ہاتھی دانت کا نہایت خوبصورت پھول لگا ہوا تھا میں نے خیال کیا کہ وہی چیز ہے میں اُس کے پاس گیا اور انگوٹھا لگا کر ذرا دبایا اور جہاں نوکر بیٹھے رہتے ہیں وہاں گھنٹہ بجا ایک دو منٹ نہیں گذرنے پائے تھے نوکر آحاضر ہوا۔ اُس کو چائے کے لیے کہا، اسی وقت بنا لایا مگر مجھ کو یہ خلجان رہا کہ اُس نے یہ کیونکر جانا کہ فلاں کمرہ میں بُلایا ہے۔ خیر رات کو سو رہے صبح کو اُٹھ کر میں اس کمرہ میں گیا جہاں خدمتگار ہوٹل کے جمع رہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہاں ایک گھنٹہ لگ رہا ہے اور گھنٹہ کے نیچے ایک تختہ لگا ہوا ہے اور اُس میں بہت سے خانے خانے بنے ہوئے ہیں جس کمرہ میں مسافر نے اُس پھول کو دبایا اُسی وقت وہ گھنٹہ بجا اور فی الفور ایک خانے میں ایک نمبر دکھائی دیا مثلاً ۴ یا ۶ یا ۹ وغیرہ۔ بس خدمتگار نے جانا کہ فلاں نمبر کے کمرہ میں بُلایا ہے پھر یہ نمبر از خود آہستہ آہستہ دو منٹ کے عرصہ میں

غائب ہو جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس لیے غائب ہوتا ہے کہ اگر شاید خدمتگار وہاں حاضر نہ ہو اور گھنٹہ کی آواز سنکر دوڑے تو نمبر موجود رہے تا کہ اُسکو دیکھ کر جان لے کہ کس کمرہ میں جانا ہے۔

ذکر شہر مارسیلز

فرانس کی سلطنت کے شہروں میں مارسیلز کچھ بڑا شہر نہیں ہے تھوڑے دنوں سے اُسکی ترقی اور آبادی شروع ہوئی ہے حال کے خانہ شماری کی رُو سے تین لاکھ ایک سو اکتیس آدمی اُس میں رہتے ہیں انجینیر کے متعلق کارخانوں میں سات ہزار آدمی نوکر ہیں، باون دخانی کلیں ہیں جو صابن بناتی ہیں۔ اور ہر سال سولہ لاکھ اسّی ہزار من صابن بنتا ہے، اٹھائیس دخانی کولہو تیل بنانے کے ہیں اور ایک لاکھ بارہ ہزار من ہر سال تیل بنتا ہے۔ ہر سال سُرخ ترکی ٹوپی پچاس ہزار تیار ہوتی ہیں۔ گرجا اور میوزیم اور پبلک کتب خانے اور پکچر گیلری اور تھیٹر، زولاجیکل گارڈن موجود ہیں۔

تیسویں اپریل سنہ ۱۸۶۹ء روز جمعہ کو ہم نے وہاں قیام کیا تا کہ ایسا خوبصورت شہر دن میں دیکھا جاوے ایک گاڑی دو گھوڑوں کی منگائی اور تقریباً تمام شہر میں پھرے۔ ایسی وسیع اور صاف اور خوبصورت اور ایسی ایسی عمدہ آراستہ دوکانیں دیکھنے میں آئیں کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ بازاروں میں مٹّی یا تنکے یا کوڑے کا نام تک نہ تھا۔ تمام عمارات نہایت صاف اور اُجلی، زن و مرد نہایت صاف اور وضع دار ہر طرح کی خوبصورتی میں آراستہ نظر آئے۔ میوزیم نہایت عمدہ اور خوبصورت مکان تعمیر ہوا ہے۔ اور کسی قدر اُس وقت بھی بن رہا تھا۔ زولاجیکل گارڈن نہایت خوبصورت ہے اور ہر قسم کے عجیب عجیب جانور وہاں ہیں۔ زرافہ ایک احاطہ میں پھرتا ہے اور سردی میں اُس کے رہنے کے لیے ایک مکان بنا ہوا ہے۔ اُس مکان پر مسلمانوں کے جھنڈہ کا نشان ہے اور یہ عربی عبارت کھدی ہوئی ہے خدیو مصر نے یہ تحفہ اس میوزیم میں بھیجا ہے۔

ماشاء اللہ مماخلق کیف لاینده شریها لطلعت زرافه المعانی
من ینظرها من المحاسن واللطایف

اس گارڈن میں ایک ہاتھی بھی ہے اور نہایت عجائبات سے گنا جاتا ہے اور اکثر لوگ اس کو دیکھتے ہیں۔ متوسط قد کا ہاتھی ہے مگر نہایت دُبلا ہو رہا ہے بیچارہ ایک مکان میں بند ہے۔

اسی باغ میں ایک نہایت بڑی مچھلی کا پورا ڈھانچہ ہے لوہے کی سلاخوں پر زمین سے قد آدم اونچا رکھا ہوا ہے اب بھی وہ ڈھانچہ اکیس قدم لمبا ہے۔ نہایت عجیب قابل دیکھنے کے تھا۔

نہایت عمدہ اور نئی عمارت اس شہر میں ''نیو کیتھیڈرل'' یعنی نیا صدر گرجا ہے یہ گرجا ایک چھوٹے پہاڑ پر بنایا گیا ہے۔ سفید پتھر کا نہایت ہی خوبصورت ہے ہم اس کے اندر گئے اور نہایت عمدہ عمارت اور بہت ہی خوبصورت دیکھی جہاں بشپ بیٹھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے وہاں پوری قد آدم سنگ مرمر کے پتھر کی حضرت مریم علیہ السلام کی مورت بنی کھڑی ہے اور اُن کی گود میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ غرضیکہ ہندوؤں کے مندر میں اور اُن کے گرجا میں کچھ بھی فرق نہیں تھا۔ آج کے دن ہزاروں عورت و مرد اس گرجا میں آتے تھے اور بطور میلہ کے ہر قسم کی دوکانیں پہاڑ پر لگی ہوئی تھیں اور کافی اور شراب کی دوکانیں اکثر جگہ تھیں۔

اس پہاڑ پر سے شہر نہایت خوب صورت دکھائی دیتا ہے اور سارا شہر اور اُس کے بڑے بڑے مکانات سب پہاڑ کے نیچے معلوم ہوتے ہیں پہاڑ کے اوپر بہت دور تک بگی و چرٹ اُڑے ہوئے جاتے ہیں پھر بہت سی شاید کئی سو سیڑھیاں چڑھ کر گرجا تک پہنچنا ہوتا ہے۔

یہاں ایک عجیب بات چرٹ اور فٹن وغیرہ میں دیکھی پہاڑ پر چرٹ کو چڑھا لے جاتے ہیں باوجودیکہ کہ نہایت پھسلواں اور ڈھلواں سڑک ہوتی ہے، جب اُس ڈھال پر

سے چرٹ اُترنے کو ہوتا ہے تو کوچوان ایک کل پھراتا ہے اور فٹن یا چرٹ کے پچھلے دونوں پہیوں میں ایک پُرزہ لوہے کا جا چمٹتا ہے جس کے سبب وہ دونوں پہیے پھرنے سے بند ہو جاتے ہیں صرف اگلے دو پہیے پھرتے ہیں اور نہایت آہستگی سے گاڑی اُترتی ہے اور نہ ڈھلکنے کا مطلق خوف نہیں ہوتا۔

رات کو ہم پھر شہر دیکھنے کو نکلے اور اکثر بازاروں میں وہی کیفیت بلکہ اُس سے زیادہ دیکھی ایک مکان بہت بڑا اور ایسا ہی مکلّف جیسے کہ شراب خانوں کے مکانات تھے دکھائی دیا۔ ہوٹل کا کمشنر جو ہمارے ساتھ تھا اُس نے کہا کہ یہ کزینو[۴۲] ہے یعنی ہر روز گانا ہونے کا مکان ہے ہم بھی اُس میں گئے دیکھا کہ نہایت آراستہ مکان ہے اور باغ سا لگا ہوا ہے۔ شیشوں کا اور شیشہ آلات کا کچھ حساب نہیں۔ سینکڑوں کُرسیاں بچھی ہوئی ہیں اور ہر کرسی کے سامنے چھوٹی سی میز ہے کوئی چائے پیتا ہے کوئی کافی کوئی شراب۔ خدمتگار متعین ہیں اور سب چیز حاضر کرتے ہیں اور سامنے نہایت مکلّف شہ نشین بنی ہوئی ہے اُس میں گانے والے اور گانے والیاں اور باجا بجانے والے ہیں۔ جو شخص چاہے ٹکٹ لے اور اُس مکان میں جاوے جب تک چاہے گانا بجانا سنے۔ قیمت ٹکٹ کی بقدر چھ آنہ ہندوستان کے ہے ہم تھوڑی دیر وہاں ٹھہرے اور تماشا دیکھ کر چلے آئے۔ کہانیوں میں بھی ایسی کیفیت نہیں سنی تھی جو آنکھوں سے دیکھی۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۷/اگست ۱۸۶۹ء)

●

(۱۲)
مسافران لندن

یکم مئی ۱۸۶۹ء روز شنبہ کو ہم مارسیلز سے روانہ ہوئے۔ وہی عمدہ اومنی بس جو ہم کو لنگر گاہ مارسیلز سے ہوٹل میں لایا تھا، حاضر ہوا۔ افسران ہوٹل نے سب ہمارے بکس اسباب کے لے لیے اور ان پر اپنے دفتر کے ٹکٹ لگا دیے اور سب اسباب اومنی بس کی چھت پر رکھ دیا اور ہم سب لوگ اومنی بس میں جس میں نہایت نفیس دو گھوڑے جتے ہوئے تھے، سوار ہوئے۔ کمشنر ہوٹل ہمارے ساتھ ہوا اور عین وقت پر ریل کے اسٹیشن پر پہنچایا۔ کمشنر ہوٹل نے ریل کے ٹکٹ لا دیے، اسباب تلوا دیا، ریل کی گاڑی میں سوار ہونے کے بعد رخصت ہوا۔ جتنا کہ ہم کو ہندوستان میں ریل کا ٹکٹ لینے اور سوار ہونے میں تردّد دیا فکر کرنا پڑتا تھا اتنا بھی نہیں ہوا بلکہ کچھ بھی نہیں ہوا۔

جب کہ ہم مارسیلز سے چلے اور ٹرین نے نہایت نرمی اور سبکی سے قدم اٹھایا اور میدان اور کھیت اور گاؤں ہماری نظر سے گزرے تو ہم کو ایک اور ہی عالم دکھائی دیا۔ مارسیلز میں تو جو کچھ تماشا تھا وہ سب انسان کی کاری گری کا تھا مگر یہاں قدرت کی خوبی اور خوب صورتی اور انسان کی کاری گری اور عقل مندی نے مل کر عجب ہی کیفیت دکھلائی تھی۔ ملک کی خوبی اور سرسبزی و شادابی اور مٹیالے چھوٹے چھوٹے ٹیبوں کی بلندی اور پستی اور سرو نما اور گھٹی دار درختوں کی سرسبزی اور خوب صورتی دل کو لبھائے لیتی تھی۔ اس قدرتی خوب صورتی پر انسان نے یہ کاری گری کی تھی کہ اس کا حسن دوبالا ہو گیا تھا، تمام زمین جہاں تک نگاہ جاتی تھی نہایت خوب صورت چمن بندی و تختہ بندی سے آراستہ تھی، اُن تختوں میں گھاس کاشت ہوئی تھی، نہایت سبز و شاداب و دل کش، چپّے چپّے پر نہر جاری تھی اور ہر کھیت و چمن و تختے میں اس کی جدولیں [۴۳] بہہ رہی تھیں، ان سبز تختوں میں پانی کی

نہریں اور پتلی پتلی جدولیں ایسا لطف دکھاتی تھیں کہ بیان نہیں ہوسکتا، اور ان پر طرّہ یہ تھا کہ اس سبز گھاس کے تختوں میں ایک قسم کا سرخ پھول جا بجا کھلا ہوا تھا اور جیسے کہ نیلے آسمان میں ستارے چمکتے ہیں ویسے ان سبز تختوں میں وہ قدرتی اُگے ہوئے پھول چمکتے تھے۔ ہزاروں بیگھے زمین میں انگور بوئے ہوئے تھے۔ جیسے کہ فرخ آباد و میرٹھ میں آلو بوئے جاتے ہیں یا غازی پور میں گلاب کے تختے لگاتے ہیں۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ مٹیالے چھوٹے چھوٹے پہاڑ نما جو ٹیلے تھے ان کی جڑ سے چوٹی تک چاروں طرف انگور کے درخت لگائے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت بڑے گول اور بیضوی برجوں پر انگور کی بیلیں لگادی ہیں۔ انگور کی تاکوں [۴۴] کی بیلیں ابھی تک بہت بڑی نہیں ہوئی تھیں، انگور پھٹاؤ پر تھا اور نئی نئی پتّی نکل رہی تھی اور بیلیں بڑھتی جاتی تھیں اور اس سے اور بھی زیادہ خوبی اور خوب صورتی ہوگئی تھی۔ میں نے کہا کہ سعدی کا یہ فقرہ ''تو گوئی خوردہ مینا بر خاکش ریختہ وعقد ثریا بر تاکش آویختہ'' حقیقت میں اسی جگہ موزوں ہے۔

غرض کہ اسی طرح کا تماشا اور عجائبات قدرت کو دیکھتے ہوئے لینز اسٹیشن پر پہنچے۔ ہم سب لوگ گاڑی پر سے اُترے اور اسٹیشن میں جا کر کچھ کھایا، چائے پی اور کچھ کھانے کی چیزیں اور دو بوتلیں پانی کی اور کچھ میوہ خرید کیا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ رات ہوئی، اپنی گاڑی میں سوتے، کھاتے اور ہنستے بولتے ساری رات چلا کیے۔

دوسری مئی ۱۸۶۹ء روز یک شنبہ کو ساڑھے سات بجے صبح کے پیرس میں داخل ہوئے۔ چوں کہ ہم نے دو روز تک پیرس میں رہنے کا قصد کیا تھا اس لیے وہاں اُترے۔ مارسیلز کی طرح وہاں بھی ہوٹلوں کے کمشنر موجود تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ کس ہوٹل میں جائیں گے۔ ہم نے کہا کہ میورس ہوٹل میں، اس لیے کہ ہم نے تحقیق کرلیا تھا کہ وہاں اکثر انگریز اُترتے ہیں اور اس سبب سے وہاں کے اہل کار انگریزی زبان بہ خوبی جانتے ہیں۔ کمشنر نے ہمارے لیے دو گاڑیاں حاضر کیں اور ہم ریلوے اسٹیشن سے وہاں آئے۔ کوچوان نے کچھ ہم سے فرنچ زبان میں پوچھا ہم کچھ نہیں سمجھے اور نہ وہ کچھ ہماری سمجھا۔

میورس ہوٹل اگر چہ عمدہ ہے مگر بہت عمدہ نہیں ہے۔ مارسیلز کا ہوٹل اور وہاں کا کھانے کا عمدہ کمرہ اور کھانا کھلانے کا نہایت عمدہ طریقہ اور کھانے کھلانے والوں کی نہایت نفیس وردیاں ہماری آنکھ میں سمائی ہوئی تھیں اس لیے یہ ہوٹل ہماری نگاہ میں کچھ نہیں جچا۔

ہم نے وہاں کھانا کھایا اور اس خیال سے کہ آج اتوار ہے کچھ سیر و تماشہ کا قصد نہیں کیا (یہ ہماری غلطی تھی، پیرس میں اتوار کو سب دوکانیں اور سیر تماشہ سب کھلے رہتے ہیں) مگر ہم نے ہوٹل کے کمشنر کو جو انگریزی جانتا تھا ساتھ لیا اور پیدل ٹہلنے اور کچھ ادھر اور اُدھر پھرنے کا ارادہ کیا۔

ہوٹل کے سامنے ایک بہت وسیع میدان نظر آیا جس کے دروازے نہایت عمدہ تھے اور لوہے کا قد آدم جنگلہ نہایت خوب صورت لگا ہوا تھا۔ ہم نے کہا یہ کیا ہے؟ کمشنر نے جواب دیا کہ فلاں مکان ہے۔ ایک نہایت وسیع میدان کئی میل مربع کا گھرا ہوا ہے اس میں نہریں اور حوض اور فوارے بنے ہیں اور جا بجا پورے پورے قد کی سنگ مرمر کی مورتیں کھڑی ہیں؛ کسی جگہ چمن بندی ہے اور پھول پھلواری، کھلی ہوئی ہے، کسی جگہ تختہ بندی ہے اور ذرا قد آور خوب صورت درخت لگے ہیں اور کسی جگہ گھاس کے نہایت خوب صورت چمن ہیں اور نہایت درخت مگر بہت خوب صورت ہیں اور کل میدان نگاہ میں سبزہ دکھائی دیتا ہے اور موقع موقع پر ہزار ہا کرسیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ہر روز زن و مرد نہایت عمدہ عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ان میدانوں میں چہل قدمی کرتے پھرتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں بیٹھتے ہیں اور سیر کرتے ہیں۔ کھانے پینے کے لیے جو کچھ چاہیے سب مہیا و موجود ہے؛ ہم بھی اس میں خوب پھرے اور خوب سیر کی۔

جب سب جگہ دیکھ چکے تب ہماری خوش نصیبی نے زور کیا اور ہم نے کمشنر سے کہا کہ اور کسی اچھی جگہ لے چلو۔ اس نے کہا کہ وارسیل چلو وہ آج کھلا ہوا ہے اور ہر مہینے پہلے اتوار کو کھلتا ہے، نہایت عمدہ جگہ دیکھنے کے قابل ہے۔ ہم پیدل اس کے ساتھ چلے

اور چوں کہ بہت پھر چکے تھے میں تھک گیا اور وہ لیے جاتا ہے۔ کبھی دوکانات اور مکانات اور بازاروں کو دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں اور تھکن کا مطلق خیال نہیں رہتا اور کبھی پھر تھکن کے سبب طبیعت اُکتا جاتی ہے اور کمشنر قدم اُٹھائے لیے چلا جاتا ہے اور ہم کچھ نہیں جانتے کہ وارسیل کیا ہے اور کتنی دور ہے۔ غرض کہ خدا خدا کر کے ایک نہایت بڑے مکان کے دروازے میں گھسے، وہاں بہت غول آدمیوں کا جمع تھا اور ایک اور دروازے میں وہ لوگ گھسے چلے جاتے تھے۔ کمشنر نے ہم کو ایک جگہ ٹھہرایا اور کہا کہ میں ٹکٹ لے آؤں اور جھٹ پٹ وہ ٹکٹ لے آیا اور کہا چلو۔ ہم نے یقین کیا کہ اب جس دروازے میں گھستے ہیں وہی وارسیل ہے۔ جب اس میں گھسے تو دیکھا کہ نہایت عالی شان ریل کا اسٹیشن ہے اور ٹرین تیار کھڑی ہے۔ اس کو دیکھ کر طبیعت نہایت منغص ہوئی۔ تمام رات ریل کا سفر کیے چلے آتے تھے اور پھر پھرتے پھرتے دق ہو گئے تھے، اب پھر ریل میں بیٹھنا ایسا ناگوار معلوم ہوا اور ایسی طبیعت دق ہوئی کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ کم بخت کمشنر ہماری اجازت کے بغیر دوسرے درجے کا ٹکٹ لے آیا تھا۔ یہاں کی گاڑیاں دوہری ہیں؛ اندر تو فرسٹ کلاس کے مسافر بیٹھتے ہیں اور چھت پر دوسرے درجے کے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ چھت پر بیٹھنا پڑے گا تو اور بھی طبیعت دق ہوئی اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہاں سے تیس میل جانا ہے تب تو ایسا دل ناراض ہوا کہ ٹرین پر سے اُترنے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں انجن نے سیٹی بجائی اور چل دیا اور ہم لاچار، بے بس، نہایت دق و رنجیدہ اس پر چلے جاتے ہیں۔ جب تھوڑی دور چلے اور چھت پر سے دور دور کی فضا اور خوب صورت خوب صورت مکانات اور ہرے ہرے میدان دکھائی دینے لگے تب تو سب کچھ بھول گئے اور کہا کہ کمشنر نے نہایت عقل مندی کی جو چھت پر بیٹھنے کا ٹکٹ لیا۔ اب طبیعت خوش ہو گئی اور یہ کہنے لگے کہ اگر بہت دور تک اسی طرح چلے چلیں تو نہایت خوب بات ہے؛ غرض کہ جس قدر رستہ ریل کا تھا وہ طے کیا اور وارسیل میں پہنچے۔

ریل کے اسٹیشن سے تھوڑی دور جا کر ایک دروازہ ملا جو بند تھا مگر اس کے کواڑ آہنی جالی دار تھے جس میں سے اندر کی سب چیزیں دکھائی دیتی تھیں۔ ہم نے دیکھا کہ اندر مکانات ہیں، باغ و چمن بندی ہے اور نہریں اور حوض فوارے ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ یہ محل ہیں جن میں فرانس کے بادشاہان سابق رہا کرتے تھے اور اب بھی سب مرتب و آراستہ ہیں اور ہر مہینے کے پہلے یک شنبہ کو اس لیے کھولے جاتے ہیں کہ عام رعایا آوے اور سیر و تماشا دیکھے اور بادشاہی محلوں کو دیکھے اور اس میں جو جو کچھ عجائبات اور کاری گریاں اور قومی نام آوریاں ہیں، ان کو دیکھ کر خوش ہو، پانی کی لہروں اور فواروں کے اچھلنے کا مزہ اٹھاوے اور جو لطف بادشاہ اُٹھاتے ہیں اس میں رعایا بھی کچھ حصہ لیوے۔

ایک زمانے میں یہاں صرف میدان تھا اور کچھ نہ تھا۔ شہنشاہ لوئی سیزدہم ایک شکار کے پیچھے دوڑا اور تن تنہا یہاں آ نکلا۔ بہ مشکل ایک جھونپڑی ملی وہاں جا کر ٹھہرا اور فضا اس میدان کی اس کو نہایت پسند آئی، وہاں شکارگاہ بنائی اور فرانسس دی کرندی آرک بشپ سے وہ زمین خرید کر لی اور ۱۶۳۲ء میں وہاں ایک چھوٹا محل بنایا؛ لموسر معمار نے اس محل کو بنایا تھا جس کا نام اب تک مشہور ہے۔

شہنشاہ لوئی چہاردہم نے ۱۶۸۲ء میں وہاں ایک اور عمدہ محل بنانا شروع کیا اور اگرچہ ۱۶۸۲ء میں اس نے اس محل میں دربار کیا الّا اس وقت تک وہ پورا بن نہ چکا تھا۔ مان سرت آور گبریل جو بڑے نامی معمار تھے، ان محلوں کی تعمیر میں ان کی فن معماری کی یادگاریاں اب تک باقی ہیں۔

اس محل کے احاطے کے دروازے کے پاس جو اب تک بند تھا بہت سے مرد اور عورتیں نہایت عمدہ عمدہ اور نفیس خوش نما لباس پہنے ہوئے کھڑے تھے۔ ہم بھی وہاں جا کر ٹھہرے۔ تھوڑی دیر میں وہاں کے گرجا کے افسر کا حکم دروازہ کھولنے کا آیا اور دروازہ کھولا گیا۔ ہم سب اس میں گھسے۔ جب اندر گئے تو ہم نے جانا کہ ہم دنیا میں نہیں بہشت کے کسی محل میں چلے آئے ہیں: حوض اور نہروں اور فواروں کی خوبی و خوش نمائی اور جس جس

خوب صورت اور قدرتی بناوٹ کی سی چیزوں اور مورتوں اور جانوروں کے مونہوں کے فوارے چھوٹنے کی ترکیب رکھی تھی اور جس کج و پیچ و خوب صورتی سے حوض و نہریں بنائی تھیں اور جس خوب صورتی سے جا بجا نہایت قد آور اور چھوٹے درخت لگے ہوئے تھے اور سب کے سب بڑے سے چھوٹے تک قینچی سے نہایت خوب صورت کترے ہوئے تھے اور بعض جگہ اپنی قدرتی حالت میں تھے، کہیں ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے کھڑا تھا، کہیں کوئی کسی سے ہاتھ ملا رہا تھا، کہیں باہم ہم آغوش تھے، کسی مقام پر چمن چمن پھولوں اور عجیب عجیب خوش نما پتوں کے پودوں کی چمن بندی تھی؛ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر ہماری عقل حیران ہوگئی اور ہم کو اس وقت قلعۂ دہلی کی مشہور مار پیچ نہر جو دیوان خاص میں ہو کر رنگ محل میں جاتی تھی اور جس کے پانی سے ہم بھی ایک زمانے میں کھیلا کرتے تھے اور مہتاب باغ کا حوض جس کے کناروں سے تین سو ساٹھ فوارے چھوٹا کرتے تھے اور اس قلعے کا اور ڈیگ گھمیر بھرت پور کی عمل داری کا ساون بھادوں یاد آیا اور بلا مبالغہ اتنا ہی فرق پایا جتنا کہ نہایت خوب صورت اور نہایت بدصورت آدمی میں ہوتا ہے۔

ہمارے ملک کی شہنشاہی عمارتوں کی قطع اور یہاں کی عمارتوں کی قطع بہ سبب اختلاف آب و ہوا کے مختلف ہے۔ یہاں عمارت کا طریق یہاں کی آب و ہوا کے نہایت مناسب ہے مگر ہمارے ملکوں کی عمارت کا طریق اس ارادے سے کہ وہ زیادہ خوب صورت ہوں اور بہ لحاظ وہاں کی آب و ہوا کے وہاں کے عام و خاص لوگوں کے لیے زیادہ تر مفید و صحت بخش ہوں، بہت زیادہ ترمیم و اصلاح کے قابل۔

بایں ہمہ صرف عمارت، جیسی عمدہ و مستحکم اور نہایت ہی خوب ہمارے ملکوں کی ہے، اب تک یہاں دیکھنے میں نہیں آئی۔ بلاشبہ تاج محل کے روضے اور قطب کی لاٹھ سے ہندوستان کی عمارت کو فخر ہے۔

غرض کہ باہر کی فضا کی سیر کرتے ہوئے ہم اندر محل میں داخل ہوئے۔ اس کی خوبی و خوب صورتی بھی اور کمروں کی تقسیم اور ان کی قطع اور وسعت نہایت ہی عمدہ اور

عجیب تھی مگر سب سے زیادہ جو کام مصوری کا تھا جس کا بیان آگے کروں گا اس کو دیکھ کر ہمارا تو تصویر کا عالم ہو گیا۔ آنکھیں مل مل کر دیکھتے تھے کہ حقیقت میں یہ تصویر ہے یا سچ مچ سب لوگ زندہ موجود ہیں؟ ہر چند دل کو یقین دلاتے تھے کہ تصویر ہے مگر جہاں غور سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا شروع کیا وہ یقین جاتا رہتا تھا۔

غرض کہ ہم سب مکانوں اور کمروں کی سیر کرتے پھرے اور اس کمرے میں جہاں شہنشاہ لوئی چہار دہم دربار کرتا تھا اور تمام رئیس اور امراء وہاں آن کر ملازمت کرتے تھے، پہنچے۔

اس کے بعد ہم ایک اور کمرے میں گئے جہاں شہنشاہ لوئی چہار دہم اپنی شہنشاہی پوشاک پہنتا تھا اور جو طرح بہ طرح کی تصویروں سے آراستہ تھا اور آخر کار جس کو اس بادشاہ نے اپنی خواب گاہ بنا لیا تھا اور اسی کمرے میں ۱۷۱۵ء میں مرا تھا؛ اس کے سونے کا پلنگ جس پر وہ مرا تھا اب تک اسی طرح سجا ہوا بچھا تھا اور عبرت اور دنیا کی ناپائیداری بلند آواز سے پکار رہی تھی کہ اولوئی! کہاں ہے تو کہ تیرا پلنگ خالی پڑا ہے؟

شہنشاہ لوئی چہار دہم کے دربار کا کمرہ ۳۴۰ فٹ کا چوڑا چکلا اور ۴۲ فٹ بلند ہے، سات بڑی بڑی محرابیں ہیں، اس کمرے کو لیبرن نے جو معمار بھی تھا اور مصور بھی تھا، آراستہ کیا تھا؛ لوئی پانزدہم نے ۱۷۳۸ء میں اس کو اپنی خواب گاہ بنایا۔

اسی جگہ ایک کمرہ ہے جس میں بادشاہ بلیرڈ کھیلا کرتا تھا۔ لوئی پانزدہم نے اس کو نہایت عمدہ نقش و نگار سے آراستہ کیا تھا۔ اس کے دروازے پر اس بادشاہ کی دختر نیک اختر کی قد آدم تصویر ہے اور اس کے مقابلے میں اس بادشاہ کی جوانی کی اور اس کے بعد اس وقت کی جب کہ وہ تخت پر بیٹھا تھا۔ یہ بادشاہ ۱۷۷۴ء میں اسی کمرے میں مرا ہے۔

اسی جگہ ایک اوپیرا ہے؛ اڑتیس ستونوں پر بنا ہوا، ۱۷۵۳ء میں بننا شروع ہوا، اٹھارہ برس میں یعنی ۱۷۷۰ء میں ختم ہوا۔ اس کے سوا ایک گرجا ہے؛ سولہ ستونوں پر بنا ہوا، مان سرٹ معمار نے ۱۶۹۹ء میں بنانا شروع کیا اور ۱۷۱۰ء میں ختم کیا۔

اس تمام محل میں مصوروں کا کام بے نظیر ہے؛ لیبرن، مکنارڈ، گوپل، ریکارڈ، جوئی نت، لیموں جونہایت نامی مصور تھے ان سب کا اس میں کارنامہ ہے۔ وہ کمرہ جو تصویر خانۂ سلطنت کے نام سے مشہور ہے اور جس میں تیرہ کمرے اور شامل ہیں، نہایت عمدہ بنا ہوا ہے اور اس میں ایک سو تیس کارنامے تصویروں کے پورے پورے قد کے بنے ہوئے ہیں؛ شہنشاہ نپولین اوّل کی فتوحات اور محاربات کی تصویریں پورے پورے قد کی بنی ہوئی ہیں۔

ایک اور بہت بڑا کمرہ ہے جس کا نام کمرۂ کروسیڈ ہے۔ اس کمرے میں تمام واقعات و محاربات کی تصویریں جو کہ کروسیڈ کی لڑائی (محاربات صلیبی) میں ہوئی تھیں، بنی ہوئی ہیں۔

اس کمرے کے اوپر ایک اور کمرہ ہے اور اس میں تمام واقعات اور محاربات الجزائر کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔

ایک بہت بڑے کمرے میں جو ۳۷۳ فٹ لمبا اور ۴۲ فٹ مرتفع ہے تمام لڑائیوں کی تصویریں جو فرنچ لڑے ہیں، بنی ہوئی ہیں۔

تصویروں کی خوبی بیان نہیں ہوسکتی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ سب کچھ سچ مچ کا ہے۔ جو لوگ زخمی ہوئے ہیں صاف گولی لگی ہوئی اور گوشت اُبھرا ہوا اور پھٹا ہوا اور خون بہتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

یہ تصویر خانہ نہیں ہے بلکہ قومی ہمت اور قومی جرأت اور قومی شجاعت بڑھانے کا آلہ ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ تمام قوم فرنچ کی جب ان تصویروں کو دیکھتی ہوگی اور اپنے بزرگوں کی بہادری اور شجاعت اور میدان جنگ میں مرنا اور اپنے تن بدن کو زخموں سے چور کرنا اور مرنا یا مارنا خیال کرتی ہوگی، اس کی ہمت اور شجاعت دُگنی ہوجاتی ہوگی اور چلّوؤں خون بڑھ جاتا ہوگا۔

اس تمام تصویر خانے میں صرف ایک یہی بات تھی جو فرنچ کی شجاعت اور سویلیزیشن (تہذیب و شائستگی) کو بٹا لگاتی تھی اور مجھ کو اسے دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ ایسی

بہادر اور شجاع اور سپاہی قوم نے جو سویلیزیشن کے زیور سے بھی نہایت آراستہ ہے، ایسی عجیب بات جوان سب خوبیوں کے برخلاف ہے کیوں کر کی ہے؟ الجزائر کے محاربات کی تصویروں کے کمرے میں امام عبدالقادر ۴۵ کی عورتوں کو گرفتار کرنے کی تصویر بنائی ہے؛ اس کی عورتیں اُونٹ پر کجاوے میں تھیں، فرنچ سپاہیوں نے اُونٹ کو بٹھا کر کجاوہ گرا دیا ہے اور عورتیں اس میں سے نکل پڑی ہیں اور ان کے بدن پر سے کپڑا ہٹ گیا ہے اور فرنچ سپاہی سنگین اُٹھائے ہوئے اور ان کی نوکیں عورتوں کی طرف کیے ہوئے کہ گویا اب ماریں گے، گرد کھڑے ہوئے ہیں۔ کیا فرنچ کو یہ زیبا تھا کہ عورتوں کی گرفتاری کی تصویر اپنے محل میں لگاتے؟ کیا عورت پر سنگین سیدھی کرنی اور اس کو کجاوے میں سے گرا دینا فرنچ سپاہیوں کی بہادری کی یادگاری تھی؟ کیا ایک عورت کا تصویر میں کپڑا بدن پر سے ہٹا ہوا بنا دینا (بالفرض اگر ایسا ہوا بھی ہو) فرنچ کی سویلیزیشن کے مناسب تھا؟

امام عبدالقادر نہایت سچا بہادر سپاہی ہے۔ جب کہ وہ الجزائر کا بادشاہ تھا اور جو عزّت کہ اس وقت لوگوں کی آنکھ میں اس کی تھی اب بھی اس میں کچھ کمی نہیں ہے؛ نہایت بہادری اور سچائی سے بغیر دغا و فریب کے بیس برس تک تن تنہا لڑتا رہا، انجام کو شکست ہوئی جس سے کچھ بھی اس کی سپاہ گری یا مشہور عزّت میں فرق نہیں آیا۔ پس ایسی تصویریں بنانے سے بعوض اس کے کہ اس کی حقارت ہو، اس کی جرأت و شجاعت ثابت ہوتی ہے۔

مگر اسی کے پاس ایک دوسری تصویر ہے جس سے فرنچ کی اور خصوصاً حال کے شہنشاہ نپولین کی نہایت فیاضی اور دانائی اور ہمت اور تمام خوبیاں ثابت ہوتی ہیں یعنی جب کہ شہنشاہ حال تخت پر بیٹھا تو امام عبدالقادر کو قید سے چھوڑ دیا؛ خود شہنشاہ قید سے اس کو چھوڑ رہا ہے، شہنشاہ نپولین کے پورے قد کی تصویر ہے، اس کے پاس امام عبدالقادر کھڑا ہے اور اس کے سامنے امام عبدالقادر کی ماں باہر پھرنے کی پوری ڈریس (لباس) پہنے ہوئے کھڑی ہے، شہنشاہ نپولین امام عبدالقادر کی ماں سے شیک ہینڈ (مصافحہ) کر رہا ہے

اور عبدالقادر کی آزادی کا حکم دیتا ہے۔ درحقیقت اس تصویر میں شہنشاہ نپولین پر شہنشاہی برس رہی ہے اور تمام قوم فرنچ کا فخر اور عزّت اور سویلیزیشن کی آراستگی اس سے معلوم ہوتی ہے۔

غرض کہ یہ سب سیر بہ خوبی کی۔ شام کے قریب وہاں سے چلے اور ریل میں سوار ہوکر اسٹیشن پیرس میں پہنچے۔ وہاں سے اومنی بس میں بیٹھے اور ہوٹل میں آئے۔ چھجو ہمارا نوکر ہوٹل میں تھا، وہ یہ جانتا تھا کہ ہم سب ہوٹل کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ جب ہم نہ آئے تو اس کو تردّد ہوا۔ جب سارا دن گزر گیا اور رات ہوگئی، جب بھی نہ آئے تو اس نے رونا شروع کیا۔ ہم نے آن کر اسے روتا ہوا پایا۔ جب پوچھا کہ ارے تجھے کیا ہوا؟ تو کہا کہ اجی آپ کہاں چلے گئے تھے؟

ہم نے رات کو کھانا کھا کر سیر کا ارادہ کیا اور کمشنر ہوٹل کو ساتھ لے کر بازاروں کی اور دوکانوں کی سیر کی اور مارسیلز کی جتنی خوبی تھی وہ پیرس کے مقابلے میں نہایت کم معلوم ہوتی تھی۔ ادھر مکانات کی خوب صورتی اور دوکانوں کی آراستگی اور شیشہ آلات کی روشنی اور نہایت طرح دار خوش لباس زن و مرد کا پھرنا جو عالم دکھا رہا تھا، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس قدر روشنی بازاروں اور سڑکوں پر تھی کہ اگر سوئی گر پڑے تو آدمی اُٹھا سکتا ہے۔ ہر جگہ ایسی تھی کہ اسی کے دیکھنے کو بے اختیار دل چاہتا تھا اور ٹھیک یہ شعر اس پر صادق آتا تھا۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

خیر تھوڑی دیر سیر کر کے ہم چلے آئے، سو رہے، صبح کو یعنی تیسری مئی روز دوشنبہ ۱۸۶۹ء کو بازاروں کی سیر کو پیدل نکلے اور رمشلیو، ریولی، سینٹ ہونورو ایوین بازاروں کی سیر کی، پھر آن کر کھانا کھایا اور دو گھوڑوں کی گاڑی منگا کر سوار ہوئے۔ کمشنر ہوٹل کو ساتھ لیا اور کہا کہ ہم کہیں اُترنے کے نہیں، صرف عمدہ مقاموں کی باہر سے سیر کرنا اور

ایک سرسری نظر سے ہر چیز کو دیکھ لینا منظور ہے۔ اگر چہ کمشنر ہر ایک عمدہ جگہ لے جاتا تھا اور نام بھی ہر جگہ کے بتاتا جاتا تھا مگر فرنچ نام یاد نہیں رہ سکتے تھے؛ علاوہ اس کے ہم کمشنر کی بات سنیں یا مکانات کو اور بازاروں کی خوب صورتی کو دیکھیں: ایک ایک بازار اور ایک ایک مکان اور ایک ایک دوکان تصویر کا عالم تھا، مکانوں پر اور بازاروں میں صفائی اس قدر تھی کہ ایک تنکا بھی پڑا نہیں دکھلائی دیتا تھا، میلے کچیلے کا تو کیا ذکر ہے۔ جیسی صفائی ہم نے پیرس کے عام بازاروں میں دیکھی اس کو بیان کرنا لوگ مبالغہ سمجھیں گے۔ ہر ایک بازار میں سے دن رات میں ہزار ہا اور بعضے میں لاکھوں بگھیاں و چیرٹ و کیپ و اومنی بس اور چھکڑے اور ہاتھ کی گاڑیاں گزرتی ہیں اور آدمیوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں اور اس پر کوئی بازار میلا نہیں۔ لید کا یا کسی اور میلی چیز کا دکھائی دینا تو درکنار حقیقت میں تنکا تک بھی پڑا دکھائی نہیں دیتا، برابر صفائی ہوتی رہتی ہے۔ ایک کل کی گاڑی دیکھی جو سڑک پر دو گھوڑوں سے چلتی ہے۔ اس میں ایک بیلن دو ڈھائی گز کا موٹا برش کا لگا ہوا، وہ سب سڑک پر برش کرتا ہے اور کل کیچڑ اور میلا جو کچھ ہے، از خود اس گاڑی کے ایک مخفی صندوق میں بھرتا جاتا ہے۔ علاوہ اس کے ہر جگہ آدمی سڑک پر صفائی رکھنے کو متعین ہیں۔ نہایت نفیس اور خوب صورت لالٹینیں جو گیس سے روشن ہیں ہر سڑک پر نہایت کثرت سے اور بہت قریب قریب لگی ہوئی ہیں اور دوکان داروں کی روشنی اور شیشہ آلات کے روشن کرنے کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہے، بے انتہا ہے؛ پیرس میں رات اور دن میں کچھ فرق نہیں ہے۔

پولیس کا انتظام ظاہراً نہایت ہی عمدہ معلوم ہوتا ہے۔ ہر مقام پر دو دو سو قدم کے فاصلے پر کانسٹیبل نہایت صاف خوب صورت شان دار بانات کی وردی پہنے ہوئے کھڑا ہے، کسی سے کچھ نہیں کہتا، ہر ایک کی طرف نرم نگاہ سے اور اخلاق سے اور اس دلی خیال سے کہ ہم ان لوگوں کی آسائش اور ان کو آرام دینے کے لیے کھڑے ہیں، دیکھتا ہے۔ ہر ناواقف ان ہی سے راستہ پوچھتا ہے، دوکان داروں کی دوکانیں۔ بعض دفعہ لوگوں کے گھر

پوچھتا ہے اور وہ نہایت خوشی اور خندہ پیشانی سے بتاتے ہیں۔ پوچھنے والا نہایت اخلاق سے اس کا شکر (سی او پلی) کہ کر ادا کرتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

پیرس میں جنگی فوج اس قدر دکھائی دی کہ کیا بیان کریں۔ ہم نے تو ہر گھنٹے دو گھنٹے کے بعد کسی نہ کسی ٹکڑۂ فوج کو شہر میں جاتے ہوئے دیکھا۔ وردی فوج کی ہم کو نہایت پسند آئی؛ بہت خوش وضع تھی اور سب سے زیادہ یہ خوبی تھی کہ نہایت اجلی اور صاف براق۔ ہم نے سنا کہ شہنشاہ نپولین فوج کو بہت دوست رکھتا ہے اور فوج بھی اس سے نہایت خوش ہے اور بہت چاہتی ہے۔

پیرس کے بازار نہایت چوڑے اور دل افزا ہیں۔ دلّی میں جو چاندنی چوک کا بازار ہے جس کے بیچ میں نہر ہے اور ایک سڑک نہر کے ایک طرف اور ایک سڑک نہر کے دوسری طرف ہے، ان دونوں سڑکوں کو مع نہر کے ملا لو تو اس قدر چوڑے بازار تو اکثر بلکہ عموماً ہیں جو ہم نے دیکھے اور بعضے اس سے بھی زیادہ چوڑے اور ان کی خوب صورتی تو بیان سے باہر ہے۔ بولیرڈ سپاسٹپول اور بولیرڈ ڈومپل بڑی بڑی دو چوڑی سڑکیں ہیں جن کے گرد نہایت خوب صورتی سے سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں اور جگہ بہ جگہ لوگوں کے آرام کے لیے اور بیٹھنے اور فرحت حاصل کرنے کے لیے اس قسم کی کرسیاں جو باغیچوں میں بچھائی جاتی ہیں، بچھی ہوئی ہیں اور زن و مرد بے غم چلتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں بیٹھتے ہیں، اپنے دوستوں سے باتیں کرتے ہیں اور دل خوش کرتے ہیں۔ یہاں کے میونسپل کمشنروں کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ اگر شاید بہشت میں بھی اس عہدہ کی ضرورت ہوئی تو بلاشبہ پیرس کے میونسپل کمشنر وہاں کے عہدوں کے بھی لائق ہیں۔

کیتھیڈرل آف نوٹرڈیم ایک بہت بڑا مشہور و معروف گرجا ہے۔ ہم نے سواری میں اس کو باہر سے دیکھا، بلاشبہ نہایت عمدہ و خوب صورت ہے اور اندر سے اور بھی عمدہ ہوگا۔ پیلیس الایسی نپولین جہاں اب شہنشاہ رہتا ہے، دور سے سڑک پر جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ مینار اور فواروں کے نہایت خوب صورت حوض جن کی تصویریں ہم

سائنٹیفک سوسائٹی کے ہال میں دیکھا کرتے تھے اور تعجب کیا کرتے تھے، ان کو سچ مچ اپنی آنکھ سے دیکھا۔ دن رات وہ فوارے چھوٹتے رہتے ہیں اور ایسے خوب صورت معلوم ہوتے ہیں کہ بیان سے باہر ہے؛ پس یہ دل چاہتا ہے کہ انھیں کے پاس کھڑے رہیے اور دیکھا کیجیے۔ ایک دروازہ نہایت عالی شان سنگ مرمر کا دیکھا جس پر شہنشاہ نپولین کی فتوحات کی تصاویر سنگ مرمر میں کھدی ہوئی ہیں اور قومی ہمت اور قومی جوش اور قومی بہادری اور قومی عزّت بڑھانے کو نہایت عمدہ اور نہایت بے نظیر چیز ہے۔ کون کم بخت ہوگا فرانس میں جوان تصویروں کو دیکھ کر اسی طرح سے بہادری کرنے کی آرزو اپنے دل میں نہ رکھتا ہوگا؟

غرض کہ ہم سے شہر میں جہاں تک پھرا گیا پھر کر، شہر کی حد سے باہر چلے۔ شہر کی حد سے باہر چلنا میں نے کہا اور شہر سے باہر چلنا نہیں کہا؛ اس کا سبب یہ ہے کہ اس حد کے باہر بھی ویسے ہی مکانات ویسے ہی بازار تھے۔ حال کے شہنشاہ نپولین نے اس وقت کے موجودہ شہر کے گرد خندق کھود کر بہ طور قلعہ برج و فصیل کے بنالی ہے مگر چوں کہ شہر بڑھتا جاتا ہے اب اس حد تک کے باہر بھی ایسی ہے جیسی کہ اندر آبادی ہے، مکانات و بازار ہیں۔ یہ فصیل و برج بالکل زمین دوز ہیں اور جیسا کہ انگریزی جنگی قلعوں کا دستور ہے اسی قاعدے پر فصیل و خندق و برج و بارہ[۴۶] ہے مگر نہایت ہی خوب صورت و خوش نما ہے اور صفائی تو ایسی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

غرض کہ ہم اس حد کے باہر ہوئے اور چند میل چلے گئے کہ دفعتاً ہمارے سامنے ایک بہشت کا ٹکڑا آیا یعنی پارک؛ ایک نہایت وسیع میدان کوسوں کا محدود کیا ہے، اس میں نہایت نفیس و خوب صورت سڑکیں بنائی ہیں۔ وہ تمام میدان بالکل سبز و گلزار ہے: سایہ دار درخت نہایت خوب صورتی سے لگائے ہیں، ان کو عجیب عجیب قدرتی خوب صورتیوں سے کترا ہے، جابجا کرسیاں اور بنچیں نہایت خوب صورت و خوش نما آہنی اور چینی کاری کی بچھی ہوئی ہیں، کہیں نہایت خوب صورت پیچ دار اور عجیب عجیب تراش کی چمن بندی ہے، طرح

طرح کے درخت پھول دار بیل دار رنگ برنگ کے سرونما گمٹی دار جھومنے والے لگے ہوئے ہیں؛ متعدد بڑے بڑے تالاب ہیں اور اس وضع سے بنائے ہیں کہ بنائے ہوئے نہیں معلوم ہوتے بلکہ صرف قدرتی معلوم ہوتے ہیں۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے بجز گلزار یا سبزہ زار کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ ہر روز ہزاروں آدمی سیر کرتے پھرتے ہیں۔ امراء اور رؤسا بگھیوں پر اور نہایت عمدہ اور نفیس نفیس جوڑیوں پر چڑھ کر آتے ہیں؛ ایک خاص جگہ درختوں کے جھنڈ میں بنی ہوئی ہے وہاں سے سواریاں جا کھڑی ہوتی ہیں، لوگ سیر کرتے پھرتے ہیں، وہاں گھوڑوں کی خورش کی دوکانیں موجود ہیں، گھوڑے مَلے جا رہے ہیں، بگھیاں دھوئی جاتی ہیں، گھوڑوں کو خورش کھلائی جاتی ہے، جب آقا سیر کر چکے اور حکم دیا سواری اور جوڑی ویسی ہی نفیس اجلی برّاق گھوڑے تازہ دم آ حاضر ہوئے، وہ سوار ہوئے اور چل دیے۔ اس مجمع کو دیکھنے سے اور فرنچ ہوٹلوں میں کھانے سے ہم کو یقین ہوا کہ فرنچ کے برابر کوئی قوم وضع دار، خوش لباس، خوش خوراک نہ ہوگی۔

غرض کہ اسی پارک میں سیر کرتے کرتے ہم ایک جگہ پہنچے جہاں قدرتی چشمہ بنایا ہے۔ اسی کے قریب گھوڑوں کے آرام لینے اور سواریوں کے ٹھہرنے کا جھنڈ اور اسی کے پاس ایک مکان نہایت نفیس خوب صورت آراستہ بنا ہوا ہے جس میں ہر شخص سیر کرنے والا جا کر بیٹھ سکتا ہے اور ہر قسم کا کھانا اور شراب اور دنیا کی نعمتیں موجود ہیں؛ بیٹھو، آرام کرو، کھاؤ پیو، دام دو اور چلے جاؤ۔ اس مکان میں جو تمام کارخانہ لاکھوں روپے کا ہے یہ صرف سوداگروں کا ہے۔

جس وقت ہماری گاڑی اس دوکان کے دروازے پر ٹھہری ایک خدمت گار نہایت عمدہ وردی پہنے ہوئے آیا اور سر جھکا کر ادب ادا کیا اور گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ ہم اُترے اور چوں کہ ہم کو وہاں کچھ کھانا منظور نہ تھا ہم مکان کے اندر نہیں گئے۔ اس خدمت گار کا شکریہ فرنچ الفاظ میں ''سی او پلی'' کہہ کر ادا کیا۔ یہ فرنچ لفظ ہم نے مارسیلز کے ہوٹل میں سیکھ لیے تھے اور ہم نے اس سے کہا کہ ہم ابھی پھریں گے اور سیر کریں گے۔

وہاں سے ہم چلے اور اس قدرتی بنائے ہوئے چشمے کی سیر کرنی شروع کی؛ بیچ میدان کے پہاڑ بنایا ہے اس میں کھوہ (سرنگ) کاٹی ہے، ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ یہ قدرتی ہے یا مصنوعی اور وہ پہاڑ جھرنا ہے اور جگہ سے چادر ہو کر گرتا ہے، اس کے اوپر بڑے بڑے درخت کھڑے ہیں اور پہاڑ پر چڑھنے کی بٹیاں (پگ ڈنڈیاں) بنی ہوئی ہیں اور ہزاروں سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں اور بے انتہا کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ پس ہم اس کی خوبی اور فضا اور خوب صورتی بیان نہیں کر سکتے۔ ہم بہت دیر تک وہاں بیٹھے رہے اور خدا کی قدرت کو یاد کیا کیے۔ سبحان اللہ! خدا نے اپنی دنیا میں کیا کیا کچھ پیدا کیا ہے!

اسی مقام کے قریب ایک اور نفیس میدان گھوڑ دوڑ کا تھا، اس کو جا کر دیکھا اور چوبی مکانات جو لوگوں کی سیر کرنے کے لیے بنے ہوئے ہیں، ان کو دیکھا۔ اس کے پاس ایک پمپ چل رہا تھا جس کے پنکھوں کو صرف ہوا سے حرکت ہوتی تھی اور بہت پانی نکالتا تھا۔ وہاں ایک مرد اور اس کی جورو ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے جو اس پمپ پر نوکر تھے۔ ان کے رہنے اور بیٹھنے کے طریق کو دیکھ کر مجھے ہندوستان پر نہایت افسوس ہوا۔ میں نے ان سے اوپر جانے اور دیکھنے کی اشارے سے اجازت چاہی۔ انھوں نے مسافر سمجھ کر بہت اخلاق کیا اور وہ مرد ہمارے ساتھ ہو لیا اور سب چیز بخوبی ہم کو دکھائی۔ ہم نے اس کا شکر کیا اور اخیر وقت یعنی قریب شام کے اپنے ہوٹل میں لوٹ آئے۔

ہم نے سنا ہے کہ پیرس کے لوگ پیرس نہیں کہتے بلکہ پیراڈائز کہتے ہیں یعنی بہشت اور کچھ شک نہیں کہ پیرس دنیا میں بہشت ہے۔

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است ہمیں است

رات کو پھر ہم بازار میں نکلے اور ہاتھوں کے دستانے مول لینے کا ارادہ کیا۔ ایک دستانے والے کی دوکان میں گئے۔ دیکھا کہ ایک جوان خوش رو عورت کرسی پر میز کے اس طرف بیٹھی ہے، نہایت خوش لباس۔ جوں ہی ہم اندر گھسے وہ کھڑی ہو گئی اور قدرے خم

ہوکر ایسی حالت بنائی جیسے کوئی خواہش مند ہے کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ یہ بات اس نے اس لیے کی تھی کہ وہ نہیں جانتی تھی کہ ہم کون سی زبان جانتے ہیں۔ اتنے میں ہم میں سے کسی نے انگریزی میں دستانوں کو کہا: پھر تو بلبل کی طرح انگریزی بولنے لگی، ہر ایک کا ہاتھ دیکھا اور فی الفور اسی کے لائق دستانے لے آئی اور اپنے ہاتھ سے پہنا دیے اور اس تمام وقت میں نہایت شائستہ گفتگو کرتی جاتی تھی۔ جب ہم سب پہن چکے تو اس سے دام لینے کو کہا۔ اس نے کہا کہ کیا تم ایک ہی جوڑا لو گے؟ اور اس نے اس بات پر رغبت دلانے کو کہ ہم لوگ متعدد جوڑے لے لیں نہایت شیریں گفتگو کی۔ کبھی تو یہ جتایا کہ پیرس سے بہتر کوئی فیشن نہیں ہے اور یہاں کے دستانوں سے بہتر کسی ملک کے دستانے نہیں ہیں؛ ڈنر پر جانے کے لیے، لیڈیز سے ملنے کو جانے کے لیے، ملکہ پاس، ایمپرر پاس جانے کے لیے دستانے درکار ہوں گے، مجھے افسوس ہے کہ کسی جگہ تم کو تکلیف نہ ہو، اس لیے متعدد جوڑے رکھ لو تو بہتر ہے۔ میں نے کہا تمہاری مہربانی کا شکر مگر ہم کو ضرورت نہیں، ہم صرف بازار کی سیر کرتے ہیں، کہیں سے کچھ خرید بھی لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ عورت چار زبانیں جانتی تھی: فرنچ، انگریزی، اٹالی اور جرمن، اور چاروں میں نہایت عمدہ گفتگو کرتی تھی اور یہ صرف اسی لیے سیکھی تھی کہ جس ملک کا خریدار آوے اس سے بآسانی گفتگو کر سکے۔ ہم نے ان کی قیمت اس کو دے دی اور اسی طرح متعدد بازاروں کی سیر کر کے واپس آئے۔

آدھی رات کے وقت ہم پھر بازار میں گئے اور مرزا خداداد بیگ کے لیے گرم کوٹ اور پتلون خرید کیا۔ درزی کی دوکان میں گئے: چند کمرے نہایت آراستہ تھے اور ہر کپڑا نمبر سے رکھا ہوا تھا۔ اس نے یہ بات دریافت کر کے کہ کس قسم کے کپڑے کا خریدنا ہے، مرزا کا بدن ناپا اور اپنے اسسٹنٹ سے کہا کہ فلاں نمبر کا کوٹ پتلون لاؤ۔ اس نے حاضر کیا۔ افسر نے ایک آراستہ کمرہ بتا دیا، مرزا اس میں گئے اور کپڑے بدل کر برش، آئینہ، کنگھی کر کے ایک خوب صورت جوان بنے ٹھنے نکل آئے۔ اس وقت بھی تمام بازار کھلے ہوئے تھے، دُکانیں آراستہ تھیں، ویسی ہی روشنی تھی، اسی طرح لوگ پھر رہے تھے۔

چوتھی مئی ۱۸۶۹ء روز سہ شنبہ کو پونے آٹھ بجے ہم پیرس سے روانہ ہوئے۔ کیلے پر انگلش چینل (رود بار انگلستان) تک ریل پر آئے، وہاں دخانی کشتی ہم مسافروں کے لیے تیار تھی۔ ہم ریل پر سے اتر کر اسٹیمر میں گئے۔ انگلش چینل بہت بڑا چوڑا نہیں ہے؛ صرف ڈھائی تین گھنٹہ کا راستہ ہے مگر اس کے پانی کو ایک عجیب قسم کی حرکت ہے کہ جہاں اسٹیمر چلا اور پانی نے اس کو ہلایا اور آدمی کو قے آئی۔

کپتان جہاز نے ہم سب کو اس بڑے کمرے میں جگہ دی جو فرسٹ کلاس کے مسافروں کے لیے تھا۔ جب ہم اس کمرے میں داخل ہوئے تو عجیب تماشا دیکھا کہ ہر مسافر کے لیٹنے کی جگہ بنی ہوئی ہے اور تکیہ رکھا ہوا ہے اور ایک برتن چینی کا قے کرنے کو رکھا ہوا ہے۔ جو لیڈیاں ہم سے پہلے وہاں چلی آئی تھیں وہ لیٹی ہوئی ہیں اور آنکھیں بند کر کے سونے کا قصد کر رہی ہیں تا کہ سونے کی حالت میں وہ رستہ طے ہو جائے۔ ہم کو تعجب تھا کہ ایسی کیا حرکت ہوگی۔ ہم سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے اور مرزا خداداد بیگ نے شیخی میں آ کر قے کرنے کا برتن پرے ہٹا کر رکھ دیا تھا۔ اتنے میں جہاز کھلا۔ کوئی سوگز چلا ہوگا کہ ہم سب کا جی متلایا، سب لیٹ گئے اور آنکھیں بند کر لیں اور کچھ غفلت سی ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد خداداد بیگ گھبرا کر اُٹھے اور ابکائی لی اور قے کرنے کے برتن کو جسے پرے ہٹا دیا تھا، گھبراہٹ میں ٹٹولنے لگے۔ ان کے قریب ایک میم صاحبہ لیٹی ہوئی تھیں۔ انھوں نے جانا کہ اس جنٹل مین نے مجھ پر قے کی، وہ جلدی اُٹھ بیٹھیں اور نہایت مہربانی سے اپنا برتن اٹھا کر دیا۔ خداداد بیگ اسی گھبراہٹ کی حالت میں 'تھینک یو' کہتے تھے۔ آدھا لفظ نکلا اور اوکر کے قے کی؛ زرد پانی بالکل پت اور پھر بے ہوش ہو کر پڑ گئے اور بہت سے انگریز اور لیڈیاں قے کرتی تھیں اور پڑ پڑ جاتی تھیں۔ محمود نے بھی قے کی۔ حامد کا جی متلایا، پانی منہ میں بھر بھر آیا مگر قے نہیں ہوئی۔ میرا بھی یہی حال ہوا اور غفلت سی ہوگئی۔

خدا خدا کر کے وہ رستہ طے ہوا کنارہ آیا، ڈوور میں اُترے اور ریل پر سوار ہوئے۔ سات بجے کے قریب چیرنگ کراس اسٹیشن واقع لندن میں اُترے۔

پیرس سے اس طرف ملک کی اور انگور کی کاشت کی وہ کیفیت نہ تھی جو مارسیلز سے پیرس تک تھی۔ اس تمام راستے میں متعدد جگہ پہاڑ کی بڑی بڑی نقبیں ملیں جن میں سے ریل گزرتی تھی اور بمبئی کے راستے میں جو نقبیں دیکھی تھیں ان سے بہت زیادہ بڑی بڑی تھیں۔ راستے میں بہت جگہ پانی کھینچنے کے پمپ دیکھے جو ہوا سے چلتے تھے؛ بلاشبہ نہایت مفید چیز اور کم خرچ ہیں اور ہندوستان کے لیے بہت مفید معلوم ہوتے ہیں۔

ہمارے ایجنٹ میسرز ہنری ایس کنگ اینڈ کو نے مسٹر اسٹار رکو ریل کے اسٹیشن پر بھیج رکھا تھا کہ ہم کو آرام سے ہوٹل میں ٹھہرا دیں، جس وقت ٹرین ٹھہری مسٹر سٹار رہم سے ملے اور نہایت آرام سے ہم کو چیرنگ کراس ہوٹل میں اُتارا۔

ہمارا سفر لندن تک کا ختم ہوا۔ اب میں ارادہ کرتا ہوں کہ اوّل کچھ رائے لکھوں نسبت متعصب یا نیم ہندو مسلمانوں اور اپنے ہم وطن بھائیوں ہندوؤں کے کہ وہ کس طرح یہ سفر کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد لندن کا جو حال پیش آتا جاوے گا لکھتا جاؤں گا۔

ایک اطلاع نسبت سفر متعصب یا اہل تقویٰ وورع مسلمانوں اور ہندوستان کے ہندوؤں کے:

جو طریقہ سفر کا ہم نے اختیار کیا اس کی نسبت ان مسلمانوں کو جنھوں نے ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور علمائے امت کو جن کی سعی اور کوشش کا تحقیق مسائل دین میں تمام مسلمانوں پر بہت کچھ احسان ہے، بطور پیغمبر اور نبی صاحب الشریعت کے قبول کیا ہے اور ان کے اقوال اور اجتہادات کو اگرچہ قولاً نہیں مگر فعلاً قرآن وحدیث سے بھی زیادہ واجب التسلیم مانا ہے، جو میرے اعتقاد میں شرک فی النبوت ہے۔ بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ میں نے یہ بات لکھی اور اس پر عمل بھی کیا کہ عیسائیوں کے ہاتھ کے مارے ہوئے جانور کو جس طرح پر کہ ان کے علماء کے نزدیک مارنا درست ہو اور گو وہ طریقہ کیسا ہی ہمارے مذہب کے طریق ذبح سے مختلف یا متناقض ہو اور اگر بہ موجب ہمارے اصول مذہب کے اس پر ذبیحہ کا اطلاق ہی نہ ہو سکتا ہو، کھانا شرعاً درست ہے؛ چنانچہ میں نے کہا

بھی اور کیا بھی مگر میں افسوس کرتا ہوں کہ لوگون نے اس پر غل تو بہت مچایا مگر کوئی ایسی بات جو کچھ بھی التفات کے لائق ہو، بیان نہیں کی اور نہ کسی کو اتنی جرأت ہوئی کہ "و طعام الذین اوتوا الکتاب" میں جو تعمیم، ہے اس کو قرآن میں سے نکال ڈالے اور حدیث مندرجہ ذیل کو ابوداؤد میں سے مٹادے:

عن ابن عباس قال اللّٰہ تعالیٰ فکلوا مما ذکر اسم اللّٰہ علیہ و لا تا کلوا ممالم یذکر اسم اللّٰہ علیہ فنسخ و استثنیٰ من ذالك فقال و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم (ابوداؤد باب ذبائح اھل الکتاب)۔

مگر ہم اس جھگڑے کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہ بات عرض کرتے ہیں کہ جہاز میں جو ہم نے انگریزوں کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا یا گردن مروڑی ہوئی مرغی و کبوتر کھایا، یہ امر اضطراری نہ تھا بلکہ اختیاری تھا۔ پس ہمارے مسلمان بھائی متعصب (نہیں نہیں اہل تقویٰ وورع) اگر اس کو ناجائز سمجھتے ہیں تو ان کو اختیار ہے کہ اس کو نہ کھاویں مگر ان کو جہاز میں نہ کچھ تکلیف ہوگی نہ کچھ زیادہ خرچ لینا پڑے گا؛ زندہ مرغیاں جہاز میں کپتان جہاز کی طرف سے بلا قیمت بہ عوض اس قیمت کے جو اوّل کھانے کی دی ہے، مل سکتی ہیں، چنانچہ ہم نے بھی ایک آدھ دفعہ لی اور چھجو سے ہندوستانی طریق پر قورمہ پکوایا۔ مچھلیاں اور انڈے برابر مل سکتے ہیں اور خود بھی رکھ سکتے ہیں؛ عدن میں، سویز میں، اسکندریہ میں، سب جگہ مل سکتی ہیں۔ بمبئی سے سویز تک بہت سے خلاصی مسلمان ہوتے ہیں ان کو ایک بھیڑ نہایت عمدہ ملتی ہے، وہ خود ذبح کرتے ہیں اور اس میں سے بھی گوشت مل سکتا ہے۔ وہ ایسے خلیق ہوتے ہیں کہ بلا قیمت بھی دے دیتے ہیں اور اگر قیمت لے کر دیں تو بھی کچھ مشکل و دقّت نہیں ہے۔ پس یہ تصور کرنا نہیں چاہیے کہ بغیر اس طریقے کے جو ہم نے اختیار کیا، لندن کا سفر ہو ہی نہیں سکتا۔

میں نہیں خیال کر سکتا کہ جو متعصب لوگ انگریزوں کے ساتھ کھانا ناجائز سمجھتے ہیں وہ جہاز میں بھی اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں کیوں کہ میرے سامنے ہندوستان

میں جس قدر بحث ہوئی تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی کبھی ساتھ کھالینا درست ہے اور اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اتفاقیہ جہاز میں جمع ہو جانا اور چند روز سفر کر لینا اسی کبھی کبھی میں داخل ہے؛ لیکن اگر یہ بھی ان کے مرغوب خاطر نہ ہو تو وہ علاحدہ اپنے کیبن میں بھی منگا کر کھا سکتے ہیں۔ پس کیسا ہی متعصب ہو، وہ اپنے بدتعصب کو لندن میں بدستور قائم رکھ سکتا ہے۔

اب ہم کو اپنے شیعہ بھائیوں کی نسبت غور کرنی چاہیے؛ وہ قرآن مجید کی اس آیت سے کہ "انما المشرکون نجس" مشرکین میں نجاست ظاہری سمجھتے ہیں اور ان کے ہاتھ اور بدن کو مثل اور نجس چیزوں کے نجس جانتے ہیں اور گو مشرکین کتنا ہی ہاتھ اور بدن دھوئیں نجس ہی رہتے ہیں بلکہ تر ہونے سے زیادہ نجس ہو جاتے ہیں اور اگرچہ ہم سنّیوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے۔ ہم کسی انسان کو اور کسی انسان کے جھوٹے کو نجس نہیں سمجھتے لیکن اگر ہم اس میں کچھ بحث نہ کریں اور اس آیت کے یہی معنی رہنے دیں جو ہمارے شیعہ بھائی لیتے ہیں تو بھی ہم کو یہ بحث باقی رہتی ہے کہ قرآن مجید میں جن لوگوں پر مشرک کے لفظ کا اطلاق آیا ہے انھیں لوگوں میں اس قسم کی نجاست پائی جائے گی نہ اور لوگوں میں۔ پس اب ہم کو بتاؤ کہ قرآن مجید میں یہودیوں اور عیسائیوں پر کس جگہ خدا نے مشرکین کے لفظ کا اطلاق کیا ہے؟ بلکہ ان کو مشرکین سے مستثنیٰ کیا ہے، جہاں مشرکات سے نکاح کرنا منع اور کتابیات سے درست فرمایا ہے۔ مگر ہمارے شیعہ بھائیوں کے ہاں ایک یہ آفت ہے کہ مجتہد العصر والزمان نے جو کہہ دیا اس میں کچھ عذر نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے برخلاف کچھ کہا جا سکتا ہے؛ اس لیے ہم بھی کچھ عذر نہیں کرتے اور پکّے شیعہ بن کر اپنے شیعہ بھائیوں کے سفر کی نسبت لکھتے ہیں۔

سب سے بڑی آسان حکمت تو یہ ہے کہ ہمارے شیعہ بھائیوں کے ہاں یہ مسئلہ مسلّم و مفتی یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان کوئی چیز پختہ یا غیر پختہ لا کر دیوے تو اس کی یہ تفتیش کہ کہاں سے لایا اور کس سے لایا ضرور نہیں ہے، بے پوچھے کھالے۔ پس ان کو چاہیے کہ

ایک دوست یا خدمت گار سنّی مذہب کا لے لیں، وہ سب چیزیں جہاز میں ان کو لا کر دے گا؛ عذاب ثواب اس کی گردن پر، وہ بے پوچھے چین سے کھایا پیا کریں اور کچھ تکلیف نہ اُٹھاویں۔ یا جب تک جہاز میں رہیں بہ لحاظ ضرورت اباحت پر کام فرماویں اور اگر ایسا منظور نہ ہو تو بہ موجب مسئلہ شرعی کے بھی ان کو کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ سب سے مقدم چیز پانی ہے تو جہاز میں پانی کا یہ حال ہے کہ نہانے کے لیے پانی بذریعہ پمپ کے سمندر میں سے آتا ہے اور ایک حوض میں جو قلّتین سے بہت بڑا ہے، جمع ہوتا ہے، وہاں سے نہانے کے کمرے میں بذریعہ نل کے پہنچ جاتا ہے؛ پس اس میں کچھ شبہ کی جگہ نہیں ہے۔ پینے کا پانی اس طرح پر بنتا ہے کہ دھوئیں کی کل میں جو پانی بذریعہ پمپ کے سمندر سے آتا ہے، وہ جوش ہوتا ہے اور بہ طور عرق کے ایک جگہ کھنچ کر جمع ہوتا ہے اور نہایت عمدہ میٹھا پانی بن جاتا ہے اور بذریعہ ٹونٹی کی ڈاٹ ہلانے کے دوسرے برتن میں بھر لیا جاتا ہے۔ پس ہمارے شیعہ بھائی بھی اسی طرح پی سکتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کرنے میں ان کے نزدیک بھی کچھ ہرج نہیں ہے؛ کھانا وہ خود پکا سکتے ہیں۔ آٹا اور ترکاری اور گوشت مسلمان کا حلال کیا ہوا یا زندہ مرغی جہاز میں ان کو بخوبی مل سکتی ہے۔ پس یہ سب کام اپنے آپ کرنے میں جو کچھ مشکل ہو سو ہو، الّا اس کے سوا اور کوئی بات دقّت یا مشکل کی نہیں ہے۔ مارسیلز سے لندن تک پہنچنے میں بھی اسی طرح سب کام کرنے ہوں گے کہ گویا اب تک جہاز ہی میں ہیں۔

ہمارے ہم وطن ہندو بھائیوں کو کسی قدر اس سے زیادہ تکلیف اٹھانی ہوگی۔ میں نہیں جانتا کہ جو حالت پانی دستیاب ہونے کی میں نے اوپر بیان کی، ایسی حالت میں وہ پانی ہندو بھی استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ہندوستان میں جو لوگ ہندوؤں کی ترقی کے خواہاں ہیں وہ اس مسئلے کی تحقیقات کریں گے۔ اگر وہ پانی قابل استعمال کے ہو تو بلاشبہ نہایت بڑی مہم انھوں نے فتح کر لی اور اگر نہ ہو تو ان کو ایک مہینے تک کا پانی اپنے ساتھ تانبے کے پیپوں میں جو کاٹھ کے صندوق میں رکھے جاویں بھر لینا ہوگا اور ایسے طور پر بند

کرنا ہوگا کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس صندوق کو چھو لے تو پانی نا قابل استعمال نہ ہو جائے۔ ہندوؤں کو جہاز میں چوکا کر کے کھانا پکانا غیر ممکن ہے۔ بمبئی سے چل کر سات روز بعد عدن میں جہاز ٹھہرتا ہے، اکثر سارے دن ٹھہر جاتا ہے مگر کبھی چند گھنٹے کے سوا نہیں ٹھہرتا۔ پس اس بات پر کہ عدن میں کھانا پکا لیا جائے گا بھروسا نہیں ہو سکتا۔ سات دن بعد جہاز سویز میں پہنچتا ہے، وہاں بھی مسافروں کے ٹھہرنے کا ویسا ہی حال ہے جیسا عدن میں ہے۔ وہاں سے چل کر سات آٹھ دن میں مارسیلز پہنچتے ہیں، اب جہاز سے کچھ کام نہیں رہا۔ وہاں سے ریل ہے، چلنا اور ٹھہرنا اپنا اختیاری کام ہے۔ وہاں بخوبی سب چیز پک سکتی ہے؛ اگرچہ شہر میں میونسپل کمشنر چوکا کرنے اور پکانے کے ضرور مانع ہوں گے لیکن میدان میں جا کر سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن وہاں بھی اس طرح سے کھانا چوکا کر کے پکاتے ہوئے دیکھ کر ہزاروں آدمی تماشے کو جمع ہو جائیں گے، نہ پولیس کی سنیں گے نہ میونسپل کمشنروں کی مانیں گے۔ پس میرے نزدیک صلاح یہ ہے کہ وہاں بھی کچھ پکانے کا قصد نہ کیا جائے۔ دو دن اور صبر ہو اور لندن میں پہنچ کر جو چاہو سو کرو۔ پس حساب سے پچیس روز کا کھانا ہندوستان کا پکا ہوا مثل پوری کچوری مٹھائی بالوشاہی دال موٹھ کے رکھ لینی چاہیے اور یہ بات کچھ مشکل نہیں ہے۔ پس اگر کوئی ہندو ذرا ہمت کرے اور کچھ سختی بھی اپنے اوپر گوارا کرے تو بخوبی یورپ کا سفر کر سکتا ہے اور کوئی بات بھی برخلاف اس کے مذہب اور اعتقاد کے اس کو پیش نہیں آتی۔ خدا ہمارے ہم وطن بھائی ہندوؤں کو بھی توفیق دے کہ وہ اپنے ملک سے قدم باہر نکالیں اور دنیا کا تماشا اور خدا کی قدرت کا کارخانہ دیکھیں اور شائستگی و سویلیزیشن کی روشنی سے روشن ضمیر ہوں، وما علینا الا البلاغ.

لندن کے سیاح کو مفصل میں جانا اور انگلستان کے قصبوں اور گاؤں اور کھیتوں کو دیکھنا اور گنواروں کی طرز زندگی بسر کرنے سے واقف ہونا اور جو متمول لوگ مفصل میں اپنے رہنے کے مکانات بناتے ہیں اور جس طرح پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، اس سے بھی واقف ہونا نہایت ضرور ہے مگر ہم افسوس کرتے ہیں کہ ابھی تک ہم کو یہ موقع

نہیں ملا مگر بہ سبب ایک خاص ضرورت کے ہم کو کلفٹن اور برسٹل جانے کا اتفاق ہوا جس کا حال اب ہم بیان کرتے ہیں۔

برسٹل اور کلفٹن کی سیر:

ہمارے نہایت شفیق اور عزیز دوست جان ہالیٹ بٹن صاحب بہادر سابق کمشنر آگرہ، پیرنس سے جہاں وہ اب رہتے ہیں، چند ہفتے کے لیے کلفٹن میں جو برسٹل کے پاس ہے، تشریف لائے تھے۔ یکم مارچ ۱۸۷۰ء کو سوا دس بجے دن کے ان سے ملنے کے لیے یہاں سے روانہ ہوئے؛ پیڈنگٹن ریلوے اسٹیشن پر جا کر ٹکٹ لیے اور روانہ ہوئے۔

برسٹل لندن سے جانب غرب ایک سو اٹھارہ میل دور ہے اور برسٹل سے کلفٹن تین میل کے فاصلے پر ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ملا ہوا ہے۔ برسٹل میں ریل کا اسٹیشن ہے اور وہاں کیب اور اومنی بس مسافروں کے ہر طرف اور ہر جگہ پہنچانے کو موجود رہتے ہیں۔ غرض کہ ہم ساڑھے تین بجے برسٹل کے اسٹیشن پر پہنچے اور وہاں سے کیب کرایہ کر کے کلفٹن کے ہوٹل میں اُترے۔ اگرچہ جناب بٹن صاحب نے ہم کو لکھا تھا کہ تمہارے لیے اسی مکان میں جس میں مَیں رہ رہا ہوں میں نے تین بیڈ روم درست کر لیے ہیں مگر ہم نے ان کو لکھا تھا کہ آپ تکلیف نہ فرمائیں کیوں کہ آپ بھی وہاں مسافر ہیں اور ہوٹل میں بہت زیادہ آرام سے رہنا متصوّر ہے۔

جب کہ ہم کلفٹن ہوٹل پر اُترے تو ہم کو معلوم ہوا کہ جناب مسٹر بٹن صاحب ہم سے چند گھنٹے پہلے ہوٹل میں تشریف لائے تھے اور ہمارے لیے کمرے پسند کر گئے ہیں۔ چنانچہ ہم ہوٹل میں داخل ہوئے؛ وہاں کے منیجر نے تین بیڈ روم جو نہایت آراستہ تھے اور ایک ڈرائنگ روم یعنی بیٹھنے کا کمرہ جو نہایت صفائی اور خوبی سے آراستہ تھا، نفیس نفیس کرسیاں اور میزیں اور قد آور آئینے اور جھاڑ گیس کی روشنی کے لگے ہوئے تھے، اُترنے کو بتا دیا۔ جس خوبی اور خوش سلیقگی اور انتظام اور صفائی سے وہ مسافروں کی سرائے آراستہ تھی

ہندوستان کے کسی نواب صاحب یا راجا صاحب کے اجلاس و دربار کا بھی مکان آراستہ نہیں دیکھا (چپ چپ! ایسا مت کہو، ہندوستان کے لوگ ناراض ہوں گے) ہوٹل کے منیجر نے ایک خاص نوکر ہمارے کھانے کھلانے وغیرہ کاروبار کو متعین کیا۔ اگرچہ وہ خدمت گار تھا مگر میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ سویلائزڈ تھا، اس کا ادب اور لیاقت نہایت عمدہ تھی۔ چند منٹ نہیں گزرے تھے کہ مسٹر بٹن صاحب ہوٹل میں تشریف لائے۔ ان کو ہمارے ملنے سے اور ہم کو ان کے ملنے سے ایسی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ بٹن صاحب حامد و محمود کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی بات چیت کر کے اُٹھے اور کہا کہ رات کو ڈنر ہمارے ساتھ ہوگا اور مسز بٹن تم سے ملنے میں نہایت خوش ہوں گی۔

رات کو ہم تینوں آدمی مسٹر بٹن صاحب کے ہاں گئے اور حقیقت میں میم صاحبہ ہم سے مل کر نہایت خوش ہوئیں۔ میں نے کہا کہ آپ بتایئے ان میں حامد کون ہے اور محمود کون؟ مگر انھوں نے دونوں کو بخوبی پہچان لیا، اگرچہ انھوں نے ان کو چھوٹی عمر میں دیکھا تھا۔ ہم سب نے وہاں نہایت خوشی سے کھانا کھایا اور گیارہ بجے تک باتیں کرتے رہے۔ سائنٹیفک سوسائٹی [۴۷] کا اور اس کے آنریری سکریٹری راجا جے کشن [۴۸] داس بہادر کا بہت حال پوچھتے رہے۔ میں نے سب حال کہا اور یہ بھی کہا کہ راجا صاحب کو سکریٹری کہنا ان کی حق تلفی ہے بلکہ ان کو سیوئر آف دی سوسائٹی کہنا چاہیے۔ ان سب باتوں کے بعد ہم ہوٹل میں چلے آئے اور سو رہے۔

برسٹل میں جناب سر ایڈورڈ اسٹریچی صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ دوسری مارچ کو ہم تینوں شخص اور جناب بٹن صاحب ان کی ملاقات کے لیے ڈاکٹر اسمنڈ صاحب کے گھر جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے، گئے۔ لیڈی اسٹریچی اور سر ایڈورڈ اسٹریچی صاحب [۴۹] نہایت مہربانی سے پیش آئے اور جناب مسٹر بٹن صاحب اور جناب آنریبل جان اسٹریچی صاحب کے سبب سے انھوں نے ہم پر ایسی مہربانی فرمائی جیسی کوئی قدیم ملاقاتی سے کرتا

ہے۔لیڈی اسٹریچی اور سرایڈورڈ اسٹریچی صاحب نے فرمایا کہ ذرا موسم اچھا ہو جائے اور درخت ہرے اور پھول کھل جائیں تو ہم تم کو سٹن کورٹ (یہ ایک جگہ دارالریاست سرایڈورڈ اسٹریچی کی ہے) آنے کی تکلیف دیں گے۔ میں نے ان کی اس مہربانی کا بہت بہت شکر ادا کیا۔ لیڈی صاحبہ نے ہم سب کو چائے پلائی اور بہت دیر تک ہر طرح کی خوشی و فرحت آمیز باتیں ہوتی رہیں۔

اس کے بعد ہم تینوں شخص اور جناب بٹن صاحب اور ان کی میم صاحبہ رخصت ہو کر کنارہ پہاڑ کی سیر کرتے ہوئے جنرل سر ابراہم رابرٹس صاحب کے سی بی کے گھر ان سے اور لیڈی رابرٹس سے یعنی ان کی میم صاحبہ سے ملنے کو آئے۔ یہ لیڈی صاحبہ نہایت قریب رشتہ مند جناب مسٹر بٹن صاحب کی ہیں۔ وہ دونوں ایسی مہربانی سے پیش آئے جس کا بیان نہیں ہوسکتا اور جنرل صاحب تو ہم لوگوں کو دیکھ کر ایسے خوش ہوئے کہ کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ ان جنرل صاحب کو تمام ہندوستان بہ سبب ان محاربات کے جوان سے کابل اور غزنین کی لڑائیوں میں ہوئے ہیں، بخوبی جانتا ہوگا۔ نہایت سچے بہادر آدمی ہیں اور پٹھانوں کی صرف ان کے بہادر ہونے کے سبب نہایت تعریف کرتے ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ پٹھانوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اگرچہ ضعیف ہو گئے ہیں الاّ چستی و چالاکی اور سپاہیانہ پن ویسا ہی جوان ہے۔ اردو زبان مطلق نہیں بھولے نہایت صاف اردو میں بلکہ بعض بعض دفعہ فارسی لفظوں میں بات چیت کرتے تھے۔ رخصت ہوتے وقت لیڈی صاحبہ نے ہم سے فرمایا کہ کل بعد دوپہر کی چائے ہمارے ساتھ پینا۔ ہم نے نہایت شکر کیا اور رخصت ہو آئے۔ رات کو پھر بدستور ڈنر مسٹر بٹن صاحب کے ہاں کھایا اور ہندوستان کے، انگلستان کے اور اور بہت سے ذکر اذکار نہایت خوشی سے رہے۔

تیسری مارچ کو جناب سرایڈورڈ اسٹریچی اور جناب مسٹر بٹن صاحب گیارہ بجے ہوٹل میں ہم سے ملنے کو تشریف لائے اور ایسی عنایت و اشفاق سے سرایڈورڈ اسٹریچی

صاحب ملے کہ مجھ کو بے اختیار ان کی صورت سے اور ان کے اشفاق وعنایت سے آنریبل جان اسٹریچی صاحب یاد آتے تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی صورت ایسی ملتی ہے کہ بے کہے آدمی جان سکتا ہے۔

ایک بجے ہم تینوں شخص اور جناب بٹن صاحب اور ان کی میم صاحبہ ایک گاڑی میں سوار ہو کر سر ولیم میلز کے مکان ورمنہ کی سیر کو گئے جس کا حال میں الگ بیان کروں گا اور وہاں سے مراجعت کر کے جنرل صاحب کے ہاں آئے اور چائے پی اور پٹھانوں کی تصویریں دیکھیں اور خوب باتیں ادھر اُدھر کی کیں اور ان سے اور لیڈی صاحبہ سے رخصت ہو کر چلے آئے۔ رات کو پھر بدستور جناب مسٹر بٹن صاحب کے ساتھ ڈنر کھایا اور گیارہ بجے تک جلسہ رہا۔

چوتھی مارچ کو گیارہ بجے ہم تینوں شخص جناب بٹن صاحب کے گھر گئے اور وہاں تھوڑی دیر بیٹھے رہے اور ان سے اور جناب میم صاحبہ سے رخصت ہو کر ریلوے اسٹیشن پر آئے اور قریب پانچ بجے کے لندن میں آ پہنچے۔

برسٹل ایک مشہور شہر انگلستان کا ہے، دریائے ایون کے دہانے پر واقع ہے۔ اس کے نیچے اس قدر عمیق پانی ہے کہ اسٹیمر شہر کے کنارے تک چلے آتے ہیں جس سے سوداگری کو بہت فائدہ ہے۔ ایک لاکھ چون ہزار آدمیوں کی آبادی ہے، تینتیس ہزار پانچ سو گھر آباد ہیں اور مع کلفٹن کے تیئس اسکول ہیں اور نو خیرات خانے اور دس بینک اور قریب چالیس کے عام لوگوں کے لیے مکانات ہیں۔

برسٹل اور کلفٹن دونوں چھوٹے چھوٹے پہاڑوں پر آباد ہیں، ان کی فضا نہایت دلچسپ اور بہت ہی خوب صورت ہے، آب و ہوا بھی نہایت عمدہ ہے؛ مشہور ہے کہ تمام انگلستان میں نہایت خوب صورت خوش نما اور خوش آب و ہوا یہ ٹکڑا ہے۔

اگرچہ ہر ایک جگہ یہاں کی نہایت دلچسپ ہے مگر چار چیزیں ذکر کرنے کے ضرور لائق ہیں، چنانچہ ہم ان چاروں کا بیان کرتے ہیں:

ا۔لٹکواں آہنی پل کلفٹن کا:

اس پل کو دیکھ کر خدا کی قدرت اور علم وفن کی قوت کا دل پر نہایت اثر ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اس قوم کی عزّت اور قدر ومنزلت اور عظمت اور شوکت دل میں بیٹھتی ہے جس نے ایسے ایسے عمدہ اور عجیب وغریب کام دنیا میں کیے ہیں اور جب یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ کام جس کا انجام دینا شاید ایک بادشاہ کی قوت سے بھی خارج تھا، صرف رعایا کی ہمت اور سخاوت اور علم وہنر سے انجام پایا ہے تو اس قوم کی اور بھی زیادہ قدر ومنزلت دل میں نقش پذیر ہوتی ہے اور جب یہ خیال آتا ہے کہ یہ پل نہ کسی بادشاہ کا قلعہ ہے، نہ کسی امیر کا محل، نہ کسی کے باپ دادے کا مقبرہ، نہ کسی راجا بابو کی چھتری بلکہ صرف رفاہ عام کے لیے بنایا گیا ہے تو کیا کچھ اثر دیکھنے والے کے دل پر ہوتا ہوگا، خصوصاً اس بد بخت ہندوستانی پر جو اپنے ملک کی بہبودی کا جوش رکھتا ہو اور اسی کے عوض اپنے ہم وطنوں کی سختی سہتا ہو اور اپنے ہم وطنوں کو خود غرضی اور نفس پروری اور حسد اور تعصب کے دریا میں ڈوبا ہوا یقین کرتا ہو۔

کلفٹن کے نیچے پہاڑوں کی گھاٹی کے بیچ میں دریائے ایون بہتا ہے جو تھوڑی دور پر جا کر سمندر میں گرتا ہے اور سمندر کی جزر ومد سے صبح کو بہت چڑھا ہوا ہوتا ہے اور اخیر دن کو اُتر جاتا ہے مگر اتنا بڑا دریا ہے کہ اس میں اسٹیمر چلتا ہے۔ اس دریا پر یہ پل بندھا ہوا ہے۔ یہ پل اپنی اونچائی اور لمبائی دونوں میں بے نظیر اور مشہور ہے۔ پانی کی سطح سے پل کی پٹری جس پر راستہ چلتا ہے اور آدمی اور گاڑی چھکڑے پھرتے ہیں، ۲۳۰ فٹ اونچی ہے اور وہ حصہ پل کا جو دریا پر معلّق لٹک رہا ہے اور جس کے نیچے پانی بہتا ہے، سات سو فٹ لمبا ہے اور علاوہ اس کے دو دو سو فٹ لمبے اس کے ادھر اُدھر کے سرے لوہے کے بنے ہوئے ہیں جس سے کل لمبان پل کی قریب گیارہ سو فٹ کی ہے اور چوں کہ وہ لٹکواں پل ہے اس لیے کوئی دریا محراب یا پایہ اس کے بیچ میں نہیں ہے بلکہ صرف سات سو فٹ چوڑا ایک در ہے۔

یہ پل اس طرح پر بنا ہے کہ ۱۷۵۳ء میں مسٹروک صاحب شراب کے سوداگر نے مرتے وقت دس ہزار روپیہ دیا تھا اس مطلب سے کہ اس دریا پر کوئی پل بنانے میں صرف کیا جائے۔ وہ روپیہ تجارت وغیرہ کے کام میں لگتا رہا یہاں تک کہ ۱۸۳۴ء میں اس کا نفع جمع ہوتے ہوتے وہ دس ہزار روپیہ اسّی ہزار ہو گیا مگر ۱۸۳۱ء میں تمام برسٹل اور کلفٹن کے لوگوں نے آپس میں صلاح کی کہ مسٹروک جو ایک نیک ارادہ کر گئے تھے، اب اس کو پورا کر دینا چاہیے اور جس قدر اور روپیہ درکار ہو اس کے لیے چندہ کیا جائے۔ چنانچہ چندہ کیا گیا اور وہ کام بھی شروع ہوا اور لیڈی الٹن صاحبہ کے ہاتھ سے ۲۰ر جون ۱۸۳۱ء کو ایک طرف کے پایے کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور دوسری طرف کے پایے کی بنیاد کا پتھر ۲۷ر اگست ۱۸۳۶ء کو مارکوئیس آف نارتھمپٹن کے ہاتھ سے رکھا گیا اور مسٹر آئی۔ کے۔ برونل اس کے بنانے کے لیے انجینئر مقرر ہوئے۔

مسٹروک صاحب کے سرمایے سے اسّی ہزار روپیہ جمع ہوا تھا اور تین لاکھ ستّر ہزار روپیہ چندے سے جمع ہوا جس کا کل روپیہ چار لاکھ پچاس ہزار ہوا۔ یہ کل روپیہ صرف زمین کے مول لینے اور پاؤں کے کنوؤں کے گلانے اور پایے بنانے اور کچھ لوہا خریدنے میں خرچ ہو گیا اور ۱۸۳۹ء میں اس کا کام بند ہو گیا۔

۱۸۶۰ء میں لندن کے سول انجینئر انسٹی ٹیوٹ کے ممبروں نے کہا کہ ہمارے مسٹر آئی۔ کے۔ برونل، جو انجینئری کا ایک کام شروع کیا تھا، جو پورا نہیں ہوا، اس سبب سے انجینئری کے پیشے کو داغ لگتا ہے، بہتر ہے کہ ہم لوگ اس کام کو پورا کر دیں اس میں ایک تو ہمارے دوست مسٹر برونل کی یادگاری بھی ہو جائے گی اور ہمارے پیشے پر جو بٹا آتا ہے وہ بھی رفع ہو جائے گا۔

اس ارادے سے ان لوگوں نے اپنی ایک کمیٹی بنائی اور جو لوگ کہ پہلے اس پل کو بنا رہے تھے، ان سے وہ ادھورا پل مع تمام اسباب کے بیس ہزار روپے کو خرید لیا اور شیئر یعنی حصے جاری کیے گئے؛ چنانچہ بہت لوگ حصہ دار ہو گئے اور تین لاکھ پچاس ہزار روپیہ حصہ داروں کا جمع ہوا جو اس کے بنانے کے لیے کافی تھا۔

اسی زمانے میں ٹیمز دریا کا ایک آہنی لٹکواں پل اُتارا جاتا تھا اس لیے کہ وہاں ریل کے لیے پل بنانا منظور تھا۔ اس کمپنی نے وہ تمام پل اور اس کا سامان خرید لیا اور مسٹر ہاک شاپ انجینئر مقرر ہوئے۔ انھوں نے یہ پل بنا کر تیار کر دیا جو آٹھویں دسمبر ۱۸۶۴ء کو کھولا گیا۔

اب یہ پل اس کمپنی کی ملکیت ہے اور اس لیے تھوڑا سا محصول آمد و رفت کا اس پر لگایا گیا ہے اور وہ بیس ہزار روپیہ قیمت کا جو کمپنی سے لیا گیا ہے، جمع ہے اور تجارت وغیرہ میں لگ رہا ہے۔ جب وہ اس قدر ہو جائے گا کہ اس کمپنی کا روپیہ ادا کر سکے تو اسی وقت کمپنی سے یہ پل مول لے لیا جائے گا اور پھر کچھ محصول اس کی آمد و رفت پر نہ رہے گا۔

اب میں ہم وطنوں سے نہایت دست بستہ اور ادب سے پوچھتا ہوں کہ یہ لوگ آدمی ہیں یا ہم؟ جو صرف حیوانوں کی طرح اپنی خود غرضی میں مبتلا ہیں اور پھر صاحب ہمت ایسے ہیں کہ ہر ایک کام میں کہتے ہیں کہ گورنمنٹ بندوبست کر دے، لڑکیوں کے پڑھانے کا بھی گورنمنٹ بندوبست کرے، لڑکوں کے پڑھانے کا بندوبست بھی گورنمنٹ کرے، ان کو ان کا مذہب سکھانے کا بھی گورنمنٹ ہی بندوبست کرے۔ افسوس صد افسوس ہزار افسوس! حقیقت میں ڈوب مرنے کی جگہ ہے، ہم اس قابل بھی نہیں ہیں کہ کسی تربیت یافتہ ملک کے لوگوں کو اپنا منہ بھی دکھلاویں۔

یہ پل نہایت خوش نما ہے؛ پل کے اوپر پھرنے سے گھاٹی کی خوب صورتی اور پہاڑوں کی اونچان نیچان جو نہایت ہری گھاس سے زمرد کی طرح پُر سبز ہیں اور ان پر خوب صورت خوب صورت درختوں کا اُگا ہوا ہونا اور نیچے دریا کا بہتا ہوا دکھائی دینا اور اس میں اسٹیمروں اور کشتیوں کا چلنا اور فرحت بخش ہوا ایسی اچھی معلوم ہوتی ہے جس کا بیان انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ دریا کے کنارے پر سے وہ پل پل نہیں معلوم ہوتا بلکہ ایک کہکشاں دکھائی دیتی ہے جس سے آسمان کو رونق ہو گئی ہے۔ میں کئی دفعہ اس پل پر گیا اور ٹہلتا رہا اور سیر کرتا رہا۔

۲۔ لنگرگاہ اسٹیمروں و جہازوں کا برسٹل میں:

وہ ٹکڑا پانی کا جو شہر کے اندر گھس آیا ہے نہایت خوب صورت ہے، اس کے کنارے پر مکانات بنے ہوئے ہیں اور جہاز شہر کے اندر چلے آتے ہیں۔ وہیں سے اسباب لدتا ہے اور مسافر وہاں سے سوار ہو کر اور اطلانٹک سمندر میں ہو کر امریکہ کو جاتے ہیں؛ یہاں جہازوں کا آنا جانا کھڑے رہنا نہایت خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ رصد خانہ کوہ سینٹ ونسینٹ کلفٹن میں:

اسی پل کے قریب جس کا ہم نے ذکر کیا ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے، بہت اونچا نہیں ہے، مگر خوب صورت اور خوش قطع ہے۔ اس پر سے کلفٹن اور اس کا جنگل اور پہاڑ بہت خوب صورتی سے دکھائی دیتے ہیں۔ وہاں ایک رصد خانہ مسٹر وسٹ کی ملکیت ہے؛ چند دوربینیں پرانی، سڑیل، خراب اور چند اور آلے رکھے ہوئے ہیں اور سب چیز نہایت خراب اور بے مرمت ہے۔ اس کی چھت پر ایک کمرہ بنا ہوا ہے اور اس کی چھت کے بیچوں بیچ میں ایک شیشہ لگا ہوا ہے جو چاروں طرف پھرتا ہے۔ جس طرف اس کو پھیر دیتے ہیں اس طرف کے تمام مکانات اور دریا اور جنگل اور درخت اور آدمیوں کی تصویر کمرے میں آ کر بن جاتی ہے اور تمام آدمی چلتے پھرتے معلوم ہوتے ہیں، یہاں تک کہ پہچانے جا سکتے ہیں؛ چنانچہ اتفاقاً اس شیشے کو جو ایک طرف پھیرا، اس طرف ایک سڑک پر ایک شخص اسکاچ چلا جاتا تھا جس کو ہم جانتے تھے۔ بمجرد اس کی تصویر کمرے میں آنے کے ہم نے پہچان لیا کہ فلاں شخص چلا جاتا ہے۔

اسی کے پاس ایک اور چھوٹا کمرہ ہے۔ اس میں جو شیشہ ہے وہ حرکت نہیں کرتا مگر بڑی تصویر اور مفصل دکھاتا ہے۔ آدمی کی تصویر تخمیناً دو فٹ کی دکھائی دیتی ہے۔

کمرے کے باہر جو شخص اس شیشے کے مقابلے میں جا کھڑا ہو یا لوگ جو راستہ چلتے ہیں، اس شیشے کے مقابلے میں آ جاتے ہیں، ان کی تصویر کمرے میں بن جاتی ہے؛ خوبی یہ ہے کہ بدن کا اور کپڑوں کا رنگ بھی بالکل ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ اصلی کا ہے۔

ہم کو یقین ہے کہ اگر ہم اپنے ملک کے کسی بڑے قبلہ وکعبہ جناب مولوی صاحب سے اس کا سبب پوچھیں گے تو ایک لفظ منہ سے نہیں نکلنے کا۔ مگر امید ہے کہ شاید اس بات کو سن کر ہمارے زمانے کے علماء اور فلسفی اور منطقی ضرور شرم کریں گے کہ یہ تمام کارخانہ ایک عورت کے سپرد ہے اور جس قدر آلات کہ اب اس میں موجود ہیں اور جو جو عمل اس سے ہو سکتے ہیں، وہ عورت کر کے دکھاتی ہے۔ میں دو دفعہ اس میں گیا اور اس عورت نے سب کام کر کے دکھایا۔ مجھ کو تو اپنی سفید داڑھی پر اس عورت کے سامنے شرم آئی مگر افسوس ہے کہ ہمارے ہم وطنوں کو شرم بھی نہیں آتی اور جب سچی بات ان کو لکھی جاتی ہے تو اُلٹا بُرا کہنے اور الزام دینے کو موجود ہیں اور مہیب مہیب آوازیں سناتے ہیں۔

اسی پہاڑ میں ایک غار ہے ۹ فٹ گہرا اور اخیر میں کچھ کچھ چوڑی جگہ ہے اور یہ اس قسم کے غار ہیں جہاں اگلے زمانے میں عیسائی درویش بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے اور شاید اسی سبب سے یہ پہاڑ سینٹ ونسینٹ کے نام سے مشہور ہے۔

۴۔ مکان سر ولیم میلز کا قریب کلفٹن کے:

یہاں کے امیروں اور متمول لوگوں کا یہ دستور ہے کہ اپنی سکونت کے لیے ایک مکان مفصل میں یا جنگل میں کسی عمدہ جگہ پر بناتے ہیں اور طرح طرح پر آراستہ رکھتے ہیں اور اس میں رہتے ہیں۔ اسی طرح پر سر ولیم میلز نے جو ایک بڑے سوداگر ہیں، یہ مکان اپنے لیے بنایا ہے۔

ایک نہایت وسیع احاطہ گھیرا ہے، شاید پندرہ بیس میل مربع کا ہوگا۔ اس میں ہر قسم کے خوش نما درخت لگے ہوئے ہیں اور تمام احاطہ سرسبز و شاداب ہے، باغ کا، جنگل کا، سبزہ زار کا سب کا اس میں لطف آتا ہے۔ چرند اور پرند جن کا شکار ہوتا ہے، اس میں مثل جنگل کے میدان کے چھوٹے پھرتے ہیں اور جب شکار کرنے کو دل چاہتا ہے اسی طرح ان کا شکار ہوتا ہے جیسے جنگل کے جانوروں کا۔ اس میدانی احاطے کے بیچ میں ایک نہایت عمدہ نفیس عالی شان کوٹھی بنی ہوئی ہے، اس کے کمرے ایسے آراستہ ہیں کہ دیکھنے

سے تعلق ہے۔ ہر مقام پر پھولوں کی آراستگی ایسی خوش نما تھی کہ دل کو لبھائے لیتی تھی۔ ایک وسیع کمرے میں کتب خانہ آراستہ تھا اور ہر قسم کی کتابیں زرنگار جلدوں کی نفیس نفیس الماریوں میں رکھی ہوئی تھیں اور سب سے شان دار اور خوب صورت یہ کمرہ تھا۔ صاحب خانہ کا مشغلہ بعد ستہ ضروریہ کے کتابوں کا پڑھنا اور کچھ تصنیف کرنا، کوئی آرٹیکل لکھنا، کوئی ایس۔ سے (مضمون) تصنیف کرنا تھا۔ دل بہلانے کے لیے ایک کمرے میں عمدہ عمدہ قسم کے باجے بھی تھے اور تمام میدان ریاضت بدنی کے لیے ہر قسم کے سپاہیانہ ہنر کو اکھاڑہ موجود تھا۔ ان کمروں میں نہایت عمدہ اور نفیس اور بڑی بڑی تصویریں نامی آدمیوں اور مشہور واقعات کی زرین چوکھٹوں میں جا بجا لگی ہوئی تھیں اور تاریخانہ واقعات کو یاد دلاتی تھیں اور نیکی اور عمدہ اخلاق کا ہر وقت بن بولے سبق پڑھاتی تھیں۔ ہم نے بخوبی تمام چیزوں کی سیر کی اور اس بات کے خیال سے کہ ہمارے ملک کے متمول اور دولت مند لوگ کیسی بُری طرح اور بداخلاقی میں اور خراب عادتوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور یہاں کے لوگ کیسی خوبی سے اپنی زندگی کو صرف کرتے ہیں، دل جل کر کباب ہو گیا۔ اب میں زیادہ اور کچھ نہیں لکھ سکتا کیوں کہ مجھ کو کان پور ۵۰ کی مہیب آواز کا بڑا اندیشہ ہے اور مجھ کو اپنے ملک کے نہایت لائق اور عالی طبیعت اور تربیت یافتہ وشائستہ لوگوں کا جو اپنا نظیر کسی کو نہیں سمجھتے بُرا مان جانے کا اندیشہ ہے۔

فاعتبر و ا اولی الابصار

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۱ مارچ ۱۸۷۰ء)

●●●

لندن سے سرسید کا خط

سکریٹری سین ٹیفک سوسائٹی، علی گڑھ کے نام

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۹ ستمبر ۱۸۶۹ء میرے پاس پہنچا آپ جو بہ سبب نہ بھیجنے حال سفر کے ناراض ہو گئے ہیں اس کی معافی میں آپ سے چاہتا ہوں اور اپنے قصور کا اقرار کرتا ہوں مگر میں نے سنا تھا کہ آپ کی سوسائٹی کے بعض ممبر میری آزادانہ تحریر کو ناپسند کرتے ہیں اور ناراض ہوتے ہیں۔ مجھ سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ جو کیفیت اس سفر میں میرے دل پر گزرتی ہے اور جو سچائی کہ میرے دل میں آتی ہے اس کو آپ کی سوسائٹی کے ممبروں کے ڈر سے چھپاؤں اور جس گناہ کا الزام میں اپنے ہموطن ہندوستانیوں پر رکھتا ہوں خود بھی اس گناہ کا مرتکب ہوؤں اس لئے میں نے بہتر سمجھا کہ ا۔کا لکھنا ہی موقوف کر دیا جائے۔ اگر آپ میری آزادانہ رایوں اور باتوں کے چھپنے سے اپنی سوسائیٹی کا کچھ نقصان نہیں سمجھتے اور کچھ ممبروں کی بلکہ سوائے خدا کے اور کسی کی ناراضی کا اندیشہ نہیں کرتے تو مجھ کو تمام حالات کے بھیجتے رہنے اور یہاں کے عجائبات کے لکھنے اور نصیحت آمیز اور عبرت خیز باتوں کے بیان کرنے میں کچھ عذر نہیں ہے۔

اگر آپ میرے اس نیاز نامہ کو بجنسہ اپنے اخبار میں چھاپ دیں گے اور امر مذکورہ بالا کی نسبت صاف صاف اپنی رائے لکھ دیں گے تو میں بدستور سابق ہمیشہ ایک پرچہ بھیجتا رہوں گا بالفعل بطور تلافی مافات چھ مہینے کے سفر کا جواب تک نتیجہ ہوا ہے وہ میں آپ کو لکھتا ہوں۔

مجھ کو یہاں آئے ہوئے چھ مہینے کے قریب ہوئے اس عرصہ میں اگرچہ بہ سبب تنگی روپیہ کے بہت سی چیزوں کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ مگر بایں ہمہ کچھ نہ کچھ دیکھا۔ میں لارڈ اور ڈیوک کی مجلسوں میں بھی گیا ان کے ہاں بڑے بڑے کھانوں اور مجلسوں میں

بھی شریک ہوا ان سے کم درجہ کے بعض امیروں سے بھی اسی طرح ملا متوسط درجہ کے بھی رئیسوں اور اشرافوں سے جو گویا ہمارے ہم جولی یعنی ہمارے درجہ اور رتبہ کے سے تھے دوستانہ ملا اور کھانوں اور مجلسوں میں بھی شریک ہوا ہر موقع پر لیڈیوں اور اشراف اور قابل تربیت یافتہ عورتوں کو بھی دیکھا یہاں کے امیروں اور متوسط درجہ کے بھلے مانسوں اور غریب اشرافوں بلکہ بعض نہایت کم درجہ کے لوگوں کے گھروں کو اور ان کے رہنے سہنے اور زندگی بسر کرنے کے طریق کو بھی دیکھا بڑے بڑے سوداگروں کے کارخانے اور متوسط درجے کے سوداگروں کی دکانیں اور ان کے اسباب رکھنے اور سودا بیچنے اور خریداروں کے ساتھ پیش آنے اور گفتگو کرنے کے طریق کو بھی دیکھا یہاں کے کاریگروں اور قلیوں کو بھی دیکھا بڑے بڑے عالیشان مکانات اور میوزیم بھی دیکھے انجینیر وں کے کارخانے اور جہاز بننے کے کارخانے توپوں کے بننے کا کارخانہ تار برقی بننے کا کارخانہ جو سمندر میں ڈالا جاتا ہے اور ایک دنیا کو دوسری دنیا سے ملا دیتا ہے جنگی جہاز (جن میں سے ایک جہاز پر کئی میل تک سفر بھی کیا) اور گریٹ ایسٹرن کو بھی دیکھا بعض سوسائیٹیوں کی میٹنگ میں بھی شریک ہوا اور ان سب کلبوں کے جلسوں اور کھانوں میں بھی شریک ہوا اور ان سب باتوں کا جو نتیجہ حاصل ہوا وہ یہ ہوا کہ ہم جو ہندوستان میں انگریزوں کو ایک نہایت بداخلاقی کا ملزم ٹھہرا کر (اگرچہ اب بھی میں اس الزام سے ان کو بری نہیں کرتا) یہ کہتے تھے کہ انگریز ہندوستانیوں کو بالکل جانور سمجھتے ہیں اور نہایت حقیر جانتے ہیں یہ ہماری غلطی تھی۔ وہ ہم کو سمجھتے ہی نہیں تھے بلکہ درحقیقت ہم ایسے ہی ہیں۔ میں بلا مبالغہ نہایت سچے دل سے کہتا ہوں کہ تمام ہندوستانیوں کو اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک امیر سے لے کر غریب تک سوداگر سے لے کر اہل حرفہ تک عالم فاضل سے لے کر جاہل تک انگریزوں کی تعلیم و تربیت اور شائستگی کے مقابلے میں درحقیقت ایسی ہی نسبت ہے جیسی لائق اور خوب صورت آدمی کے سامنے نہایت میلے کچیلے وحشی جانور کو۔ پس تم کسی جانور کو قابل تعظیم یا لائق ادب کے سمجھتے ہو کیا اس کے ساتھ اخلاق اور بداخلاقی کا خیال کرتے ہو ہرگز نہیں کرتے۔ پس ہمارا کیا

حق نہیں ہے (اگر چہ وجہ ہے) کہ انگریز ہم ہندوستانیوں کو ہندوستان میں کیوں نہ وحشی جانور کی طرح سمجھیں۔

اگر چہ میرے ہموطن میری اس تحریر کو بہت سخت سمجھیں گے اور وہ تعجب کریں گے کہ کس چیز کی ہم میں کمی ہے اور کس چیز کی انگریزوں میں فوقیت ہے جو میں نے ایسا لکھا ہے مگر ان کا تعجب کرنا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے وہ یہاں کی کسی چیز سے واقف نہیں ہیں اور جو کچھ یہاں ہے وہ حقیقت میں وہم وخیال سے باہر ہے جو کچھ میں نے یہاں دیکھا اور دیکھتا ہوں امکان نہ تھا کہ وہ ہندوستان میں وہم وگمان میں بھی آسکتا جو کوئی میرا ہموطن میری اس تحریر کو سچی اور واقعی حقیقت نہ سمجھے آپ یقین کیجئے کہ اس کی مثال مینڈک اور مچھلی کی ہے[1]۔ مادر زاد اندھا آپ کی دانست میں سورج کی روشنی کی کیفیت یا چاندنی کی خوشنمائی کی فرحت سمجھ سکتا ہے یا خیال میں لاسکتا ہے۔

---

[1] ایک زندہ مچھلی اتفاقاً ایک مچھلی والے کے پاس سے ایک کنویں میں گر پڑی اس کنویں میں مینڈک رہتے تھے انہوں نے ایک نیا مسافر گورے گورے رنگ چاندی سی چمک کا دیکھ کر اس کی خاطر کی اور پوچھا کہ آپ کہاں کی رہنے والی ہیں اس نے کہا کہ میں گنگا جی کی رہنے والی ہوں مینڈکوں نے پوچھا کہ تمہارا ملک بھی ایسا ہی ہے جیسا یہ ہمارا آبی ملک ہے اس نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے مگر نہایت روشن ہے نہایت عمدہ ہے لطیف ہوا اس پر چلتی ہے بڑی بڑی موجوں کی ایسی لہریں آتی ہیں کہ ہم ان میں جھولے کی طرح جھولتے ہیں اور خوشیاں کرتے ہیں اور نہایت وسیع اور چوڑا چکلا ملک ہے جس میں ہم تیرتے پھرتے ہیں۔ یہ سن کر مینڈک کنویں کی دیوار سے ہاتھ بھر الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اتنا وسیع جتنا کہ میں اور کنویں کی دیوار اُس نے کہا کہ اس سے بھی کہیں زیادہ وہ مینڈک ہاتھ بھر اور ہٹ گیا اور پھر پوچھا اس نے کہا اور بھی زیادہ وہ اور ہٹتا گیا اور پوچھتا گیا اور مچھلی بھی جواب دیتی گئی کہ اور بھی زیادہ یہاں تک کہ مینڈک کنویں کی دوسری دیوار سے جالگا اور پوچھا کہ اتنا بڑا جب مچھلی نے کہا کہ اس سے بھی بہت زیادہ تو مینڈک نے کہا کہ جھوٹ اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ اتنے میں ایک شخص نے ڈول ڈالا اور پانی ہلا مینڈک نے پوچھا کہ ایسی ہی لہریں آتی ہیں وہ مچھلی ہنسی اور کہا کہ اس چیز کو جس کو تم نے کہیں نہیں دیکھا اور نہ تم کو اس کو خیال میں لانا ممکن ہے اور وہ چیز بغیر دیکھے بتانے سے خیال میں نہیں آسکتی تو پھر اس کو کیوں پوچھتے ہو۔

میں ان باتوں پر مطلق خیال نہیں کرتا جو بہ سبب خاصیت ملک کے ایک دوسرے میں مختلف ہیں بلکہ میں صرف اخلاقی اور تعلیمی اوصاف نفسانی اور صفائی اور خوش سلیقگی اور ہنر و کمال کا ذکر کرتا ہوں جو تعلیم و تربیت سے علاقہ رکھتا ہے۔

عام خوبیاں دینی و دنیاوی جو انسان میں ہونی چاہئیں وہ خدا تعالیٰ نے یوروپ کو اور اس میں بالتخصیص انگلینڈ کو مرحمت فرمائی ہیں۔ دینی خوبیوں سے میرا مطلب یہ ہے کہ جس دین کو وہ لوگ حق سمجھتے ہیں ایسی خوب صورت اور ایسی عمدگی سے اس کے تمام متعلقات کو پورا کرتے ہیں اور انجام دیتے ہیں کہ کسی ملک میں اور کوئی مذہب والے اس خوبی و خوش اسلوبی و سلیقہ سے نہیں کرتے یہ تمام نتیجہ ہے زن و مرد کے عموماً تعلیم یافتہ ہونے کا اور تمام قوم کا ان امور کی طرف متوجہ ہونے کا اگر ہندوستان کے لوگ بھی عموماً تربیت پا جاویں تو ہندوستان بہ سبب اپنے بعض قدرتی اوصاف کے انگلستان سے زیادہ نہیں تو یقینی اس کے قریب قریب گلزار ہو جاوے۔

جو درخواست میں نے آپ کے اس نیاز نامہ میں کہی ہے اگر آپ اس کو منظور کرلیں گے تو میں اپنے سفر کا حال تو لکھا ہی کروں گا مگر میں کچھ تھوڑا حال اپنے پرائیویٹ لائف کا جو یہاں ہے لکھتا ہوں اور غالباً دلچسپ ہوگا اور میرے ہموطنوں کو یا تعجب میں ڈالے گا یا مجھ پر ہنسواوے گا یا ایک اور تیر ملامت ان کے ہاتھ آوے گا۔

جب میں لندن میں پہنچا تو تین چار دن چیرنگ کراس ہوٹل میں ٹھہرا میرے پاس اتنا روپیہ تھا نہ مجھ کو ایسا مقدور تھا کہ میں ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لے کر اس میں رہتا اور تمام اسباب خرید کرتا اور نوکر رکھتا اس لئے میں نے لاجنگ کرایہ پر لیا لاجنگ کے یہ معنی ہیں کہ جس مکان میں صاحبِ مکان رہتا ہے اسی میں سے چند کمرے وہ کرایہ پر دیدیتا ہے مکان کو اسباب ضروری سے یہاں تک کہ سونے کے پلنگ اوڑھنے اور بچھونے سے مرتب کر دیتا ہے مکان والا لینڈ لارڈ اور اس کی بی بی لینڈ لیڈی کہلاتی ہے کھانا بھی وہی پکوا کر کھلوا دیتی ہے نوکروں کا بندوبست بھی وہی کرا دیتی ہے ہر ہفتہ ایک بل دیکر جو خرچ ہوتا ہے لے لیتی ہے اور نہایت آرام سے گزرتی ہے۔

اس بیان سے آپ خیال کریں گے کہ ایسے لوگ جو اپنے رہنے کے مکانوں میں اوروں کو بھی کرایہ پر رکھ لیتے ہیں لندن کے غریب آدمی ہیں گو اشراف ہیں مگر بہ اعتبار دولت وروپیہ کے نہایت غریب ہیں۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں وہ مسٹر جے لڈلم کے قبضہ میں ہے اس کی ایک بی بی مسز لڈلم ہے اور مسز لڈلم کی دو بہنیں ہیں۔ مس الن وسٹ و مس فانی وسٹ وہ بھی کبھی بطور مہمان اپنی بہن کے پاس آتی ہیں اور دو تین ہفتہ رہ کر چلی جاتی ہیں۔ مسٹر جے لڈلم ایسا لائق اور قابل آدمی ہے جیسے کہ نہایت لائق اشراف کو ہونا چاہیے۔ متعدد علوم سے واقف ہے اور ایسا شوقین آدمی ہے کہ جب فرصت ملتی ہے راتوں کو علمی مجلسوں[1] میں جہاں کمسٹری، جیالوجی یا زولوجی وغیرہ علوم پر لکچر ہوتے ہیں جاتا ہے چھ مہینے ہوئے مگر بجز اس کے کہ کبھی ملاقات ہوئی بات چیت ہوئی یا کمرہ میں جانے نکلنے کے وقت اتفاقیہ صاحب سلامت ہوئی، کبھی میرے کمرے تک اس کی آواز نہیں آئی ہر وقت اس بات کا خیال رہنا کہ اور لوگ بھی ہمارے ساتھ رہتے ہیں ان کو تکلیف نہ ہو۔ کیسی عمدہ اخلاق کی بات ہے۔ بہر حال میں مسٹر جے لڈلم کی ذاتی خوبیوں کو جتانا نہیں چاہتا کیوں کہ ممکن ہے کہ دوسرے میں نہ ہوں بلکہ اس بیان سے یہاں کی عام تعلیم و تربیت کا نقشہ اپنے ہموطنوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

مسز لڈلم ایک ایسی قابل اور تعلیم یافتہ نہایت شائستہ نہایت پڑھی لکھی نہایت نیک بی بی ہیں اس کی خوبیاں مجھ سے بیان نہیں ہوسکتیں۔ تہذیب اور اخلاق اور ادب اور انسانیت سب چیز کی مجسم ہے تمام کام اور تمام معاملات خانہ داری کے نہایت لیاقت سے خود کرتی ہے اور مسٹر لڈلم کو بجز آفس میں جانے اور اپنے علمی جلسوں میں شریک رہنے کے کسی چیز کی فکر نہیں ہے۔

---

[1] یہ مجلس اور اس قسم کی اور بہت سی خود لوگوں نے قائم کی ہیں اور جو لوگ وہاں جاتے ہیں ان سے دو تین آنہ فیس کے لیے جاتے ہیں ان جلسوں میں اس قدر آمدنی ہوتی ہے کہ اس کے تمام اخراجات اور لکچر دینے والوں کی تنخواہیں اور آلات اور مکان غرضیکہ سب چیز کا خرچ اس میں سے چلتا ہے اور عام لوگوں کو ایسی تربیت پہنچتی ہے جو ہندوستان میں کسی بڑے عالی فلسفی کو بھی نہ تھی۔

ان کی دونوں بہنیں بھی اسی طرح پڑھی لکھی قابل ہیں ان میں مسز الن وسٹ کو کتابوں کے پڑھنے کا نہایت شوق ہے ان دنوں میں بھی ایک کتاب متعلق مذہب مسلمانوں کے لکھ رہا ہوں اور میں نے بہت سی انگریزی کتابیں جو مسلمانوں کے مذہب کے متعلق خواہ اس کی تائید میں خواہ اس کی تردید میں لکھی گئی ہیں اور ان میں چند کتابیں نہایت لامذہبوں کی جو کسی مذہب پر یقین نہیں رکھتے اور سب کی تردید کرتے ہیں جمع کی ہیں چند روز ہوئے کہ مسز الن ویسٹ دفعتاً نہایت بیمار ہوگئی تھیں دوسرے دن بیماری کو آرام ہوگیا الا ضعف بہت تھا پلنگ پر سے اُٹھنے چلنے پھرنے کی بخوبی طاقت نہ تھی انہوں نے مجھ سے کہلا بھیجا کہ جو کتابیں حال میں تم نے خریدی ہیں ان میں سے کوئی کتاب پڑھنے اور دل بہلانے کو بھیج دو میں نے کہا کہ میرے پاس اس قسم کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ مذہبی کتابیں ہیں اور وہ بھی جھگڑے اور ردوقدح کی اس نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں انھیں میں سے کوئی دو چنانچہ میں نے ایک کتاب بھیج دی دو دن میں اس نے کتاب کو پڑھ ڈالا اور جب اس کو بالکل صحت ہوئی اور باہر آئی تو چند باتیں نہایت عمدہ اس کتاب میں سے بیان کیں پس اب سمجھنا چاہئے کہ متوسط درجہ سے کسی قدر کم درجہ کی عورتوں کی تو کیسی عمدہ تعلیم ہے۔ کیا یہ تعجب خیز بات نہیں کہ ایک عورت حالت بیماری میں کتاب پڑھنے سے دل بہلاوے آپ نے ہندوستان میں کسی امیر کسی نواب کسی راجہ مرد اشراف کو ایسی خصلت کا دیکھا ہے۔

اگر ہندوستان میں کوئی عورت بالکل برہنہ بازار میں پھرنے لگے تو ہمارے ہم وطنوں کو کیسا تعجب اور کس قدر حیرت ہوگی بلا مبالغہ یہ مثال ہے کہ جب یہاں کی عورتیں یہ سنتی ہیں کہ ہندوستان کی عورتیں پڑھنا لکھنا نہیں جانتیں اور حلیہ تربیت اور زیور تعلیم سے بالکل برہنہ ہیں تو ان کو ایسا ہی تعجب ہوتا ہے اور کمال نفرت اور کمال حقارت ان کے خیال میں گزرتی ہے۔

آپ یقین جانئے کہ ہندوستان میں جس طرح انگریز ہندوستانیوں کے ساتھ پیش آتے ہیں صرف وہ پولیٹکل پالیسی گورنمنٹ سے مجبور ہیں جو ان کو ہندوستانیوں کے

ساتھ ملنا اور اُن کی خاطر داری کرنی پڑتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو اور فرض کرو کہ ہندوستانی اور انگریز ایک آزاد ملک میں اکٹھے بسائے جاویں اور بالفعل جو عادتیں اور طرز زندگی اور پرائیویٹ لائف ہندوستانیوں کی ہے ویسی ہی رہے اور جو انگریزوں کی ہے وہ ویسی رہے تو ہرگز انگریز ہندوستانیوں کے پاس بھی نہ کھڑے ہوں اور جانور سے زیادہ نہ سمجھیں میں بے شک ہندوستان کے انگریزوں کو کہتا ہوں کہ ہندوستانیوں کے ساتھ نہایت بداخلاق ہیں اور ان کو ایسا ہونا نہیں چاہئے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بہ اعتبار شائستگی کے میں ہندوستانیوں کو اس بات کا مستحق ٹھہراتا ہوں بلکہ اس وجہ سے کہتا ہوں کہ انگریزوں کو خود اپنی شائستگی کے لحاظ سے ایسا کرنا خود اپنی تربیت اور شائستگی پر بٹہ لگانا ہے اور حقیقت میں عام شائستگی کے پھیلنے کو سدراہ ہونا ہے اور لاکھوں باتوں کو اور کروڑوں منافع عام کو نقصان پہنچانا ہے۔

انڈیا آفس میں تمام ہندوستان کی قوموں کی تصویریں اور حالات و رسومات کی ایک کتاب ہے اور جس رسم کا اس میں بیان ہے اس کی بعینہ تصویر بھی ہے اور اکثر تصویریں فوٹوگراف کی لی ہوئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین اسی وقت اور اسی حالت میں لی گئی ہیں پھر ان کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کیسے کچھ وحشیانہ ہیں اور جانوروں سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتے۔

جوان انگریز جو سول سروس میں پاس ہونے کے بعد دو برس تک واسطے اپنے بعض خاص امتحانوں کے یہاں رہتے ہیں وہ قریب اپنے زمانہ روانگی کے انڈیا آفس میں آتے ہیں اور ہندوستان کے حالات سے کچھ واقفیت بہم پہچانی چاہتے ہیں وہ بھی اس کتاب کو دیکھتے ہیں اور وہ وہ حالت پڑھنے اور تصویریں دیکھنے کے بعد جو عزت اور قدر و منزلت ہندوستانیوں کی ان کے دل میں آتی ہے وہ ایک ادنیٰ غور سے خیال میں آسکتی ہے۔

ایک دن میں اور حامد اور محمود انڈیا آفس میں گئے محمود نے اس کتاب کو دیکھنا شروع کیا اتنے میں ایک جوان انگریز شاید کوئی سول سروس پاس کئے ہوئے تھا آن کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے محمود سے پوچھا کہ تم بھی ہندوستانی ہو محمود نے اسی وقت بلا

خیال کہا (یس) ہاں مگر یہ کہتے ہی اس کو ایسی شرمندگی ہوئی کہ اس کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس نے کہا I am of a foreign nation and not an Indian میں ہندوستان کی قوم کا آدمی نہیں ہوں بلکہ پردیسی قوم کا ہندوستان میں آیا ہوں۔ پس خیال کرو کہ جب تک یہ کلنک کا ٹیکہ ہندوستانی اپنے منہ سے نہ چھٹاویں گے اس وقت تک کبھی ان کی عزت اور قدر کسی تربیت یافتہ قوم کی آنکھ میں نہیں ہونے کی۔

میں نہایت خوش ہوں کہ ہمارے بھائی بنگالیوں اور پارسیوں نے کسی قدر شائستگی میں ترقی کرنی شروع کی ہے مگر وہ ایسا دوڑ کر چلے ہیں جس سے گر پڑنے کا اندیشہ ہے مگر ہمارے ہم وطن ہندو اور ہمارے کمبخت مسلمان بھائی اب تک کوئے جہالت میں پڑے ہیں اور آئندہ مدت تک پڑے رہیں گے اور شاید مسلمان تو اتنے دنوں تک پڑے رہیں کہ پھر وقت اور زمانہ ان کی ترقی اور شائستگی کا باقی نہ رہے اور جواب مرض ہے وہ علاج پذیر نہ رہے کیوں کہ ان کو یعنی مسلمانوں کو جہل مرکب نے گھیرا ہے اپنے باپ دادا کے قصے یاد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے بہتر کون ہے اور حال میں جو باغ ان کے سامنے ہے اور گل و پھول کھل رہے ہیں اسی جہل مرکب نے ان کی آنکھوں کو اس کو دیکھنے سے اندھا کر رکھا ہے۔

مگر مجھ کو اس بات کے دیکھنے سے بڑی خوشی ہے کہ گو ہمارے ہندوستان کے مسلمان بھائی جہل مرکب میں مبتلا ہوں مگر اور ملکوں میں جو ہمارے مسلمان بھائی ہیں انھوں نے تربیت و شائستگی میں ترقی کرنی شروع کی ہے اور مصر اور ترکی یعنی سلطان روم کی عملداری کے مسلمان روز بروز شائستگی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ ترکی کے مسلمانوں میں سے وہ تعصب جس کی بنا حماقت اور جہالت پر ہوتی ہے اور جس کا اخیر نتیجہ مذلت اور خواری ہوتا ہے روز بروز جاتا جا رہا ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ معدوم ہو گیا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے خود مصر والوں کو انگلستان میں دیکھا اور ایک ایسی قوم جن میں ایک زمانہ میں باہم نفرت تھی دوستانہ طور سے ملتا اور جلسوں میں شریک ہوتا ہوا دیکھا، سلطان روم کو بھی اپنی ہمسایہ قوموں سے روز بروز محبت اور اتحاد اور دوستی بڑھتی جاتی ہے

چندروز ہوئے کہ ایک بہت بڑا ثبوت جہالت کے تعصّبات کے جاتے رہنے کا سلطان روم کے فرانس اور لندن میں آنے اور باہم دوستانہ ملاقاتیں کرنے اور کھانوں میں ایک میز پر شریک ہونے سے ہوا تھا اور اب دوسرا بہت بڑا ثبوت امپرس آف فرانس یعنی شہنشاہ فرانس کی ملکہ اور شہنشاہ آسٹریا کے روم میں جانے اور سلطان کے وہاں مہمان ہونے سے ہوگا ان دنوں میں اس مہمانداری کی روم میں بڑی تیاریاں ہورہی ہیں سلطان خود امپرس آف فرانس کے استقبال کو جاوے گا اور سب شہنشاہ ایک ہفتہ تک برادرانہ محبت وارتباط سے ملیں گے اور جلسوں میں اور کھانوں میں شریک ہوں گے اور پھر ساتھ سفر کریں گے اور سلطان اپنے مہمانوں کو اپنے ساتھ بیت المقدس کی زیارت کرانے لے جاوے گا ابھی پندرہ روز ہوئے کہ پرنس آف ویلس سلطان روم کے ہاں مہمان تھے اور تمام ترکی زبان حال سے اس طرح پر ترانہ سنج تھے۔

اے آمدنت باعث آبادی ما
ذکر تو بود زمزمہ شادی ما

پس اس بات کے دیکھنے سے کہ آپس میں جہالت اور وحشیانہ پن کم ہوتا جاتا ہے جو اصلی منشا نیچر کا ہے کس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے۔

روم ومصر دونوں میں روز بروز تعلیم کی ترقی ہے عورتیں بھی روز بروز بہت زیادہ پڑھی لکھی ہوتی جاتی ہیں مصر کی ایک مسلمان لڑکی کا میں نے ذکر سنا کہ سوائے عربی زبان کے جو اس کی اصلی زبان ہے اور جس میں وہ نہایت فصاحت سے لکھتی پڑھتی ہے فرنچ زبان بھی نہایت خوب بولتی ہے اور لیٹن اس قدر جانتی ہے کہ جو مضمون یا شعر اس کے سامنے رکھا جاوے اس کو پڑھ لیتی ہے اور مضمون سمجھ لیتی ہے اس کے بھائی نے فرانس میں تربیت پائی تھی جب وہ اپنے گھر گیا تو اس کی بہن نے جس کو پڑھنے کا بہت شوق تھا اور اپنے کنبہ کے بزرگوں سے اس نے اپنی زبان عربی میں بہت کچھ پڑھا تھا اپنے بھائی سے فرنچ اور لیٹن سیکھ لی۔

اب میں ایک نہایت دلچسپ مکان میں رہتا ہوں (یہاں کے مکانات اور ان کے موقعوں کا حال پھر لکھوں گا) چھ کمرے اس مکان کے ہم سے متعلق ہیں چار تو بیڈ روم ہیں یعنی ہم چاروں کے لئے سونے کے چار کمرے۔ حامد، محمود، مرزا خدا دا بیگ کے سونے کے کمرے میرے سونے کے کمرے سے کسی قدر زیادہ اچھے ہیں اور اُن میں فرنیچر بھی کسی قدر زیادہ ہے اس لئے کہ وہ اسی کمرے میں رات کو پڑھتے ہیں اور کتاب بھی دیکھتے ہیں۔ میرے کمرے میں صرف سونے کا سامان ہے مگر ایسا ہے کہ میں نے ہندوستان میں نہیں دیکھا تھا شاید کلکتہ و بمبئی والوں نے دیکھا ہو۔ ایک کمرہ میرے لکھنے اور کتاب دیکھنے اور کتاب تصنیف کرنے کا ہے اور اسی کمرہ میں ہم کھانا بھی کھاتے ہیں اور چائے بھی پیتے ہیں اور ایک بڑا کمرہ آراستہ ہے جو سٹنگ روم کہلاتا ہے یعنی ملاقات کا کمرہ اس میں کبھی ہم سب مل بیٹھتے ہیں اور دل خوش کرتے ہیں اور جب کوئی دوست ہم میں سے کسی سے ملاقات کو آتا ہے تو اس کمرہ میں ملاقات ہوتی ہے۔

ہماری مہربان لینڈ لیڈی نے ہمارے کاموں کے انجام کے لئے دو نوکریں رکھی ہیں ایک کا نام این اسمتھ ہے اور دوسری کا ایلز بیتھ ماتھیوز، پچھلی نوعمر غریب لڑکی ہے متفرق کام کرتی ہے اور پہلی نہایت ہوشیار لائق پڑھی لکھی خوش خط باسلیقہ ہے کتابیں پڑھ سکتی ہے تمام ضروری مضمون لکھ سکتی ہے اخبار پڑھ سکتی ہے اور اس سے خوشی حاصل کر سکتی ہے اپنا متعلق کام اس خوبی سے انجام دیتی ہے کہ جیسے کوئی کل یا گھڑی بلا تفاوت باقاعدہ اپنا کام کرتی ہے۔

ہم اپنے سونے کے کمرے میں سے بعد فراغ تمام ذاتی کاموں کے پوری پوشاک پہن کر قریب ساڑھے آٹھ بجے کے اپنے لکھنے پڑھنے کے کمرہ میں آتے ہیں اس عرصہ میں این اسمتھ دونوں کمرے صاف کر رکھتی ہے اور ہر چیز کیا چوکی اور کیا میز اور کیا الماری اور کیا تصویریں اور کیا قلمدان اور کیا کتابیں غرض کہ تمام چیزیں جھاڑ پونچھ کر اور آراستہ کر کر اپنے موقع پر رکھ دیتی ہے۔ آتش دان میں بقدر حالت سردی کے آگ جلا رکھتی ہے اگر کوئی چٹھی کسی کے نام کی آئی تو اس نے ہر ایک کا نام پڑھ کر ہر ایک کی نشست کی چوکی

کے آگے رکھ دی اگر کوئی اخبار ہوا تو اس کو سب کے بیچ میں رکھ دیا کہ جس کا دل چاہے وہ لے کر پڑھے۔ غرض کہ ہم کمرے میں آئے سب چیز کو آراستہ پایا قریب نو بجے کے وہ کمرے کے دروازے پر آئی اور دروازہ کھٹ کھٹا کر اندر آنے کی اجازت چاہی حسب معمول الفاظ سے اجازت ملی وہ اندر آئی اور کھانے کی میز پر چادر بچھائی اور بریک فاسٹ کا سامان سب تیار کیا تمام گفتگو نہایت شائستہ نہایت مودب اور باوجود مودب ہونے کے خوش خو اخلاق اور انسانیت سے بھری ہوئی ہر ایک سے سر کہہ کر بات کہنی۔ حامد کو مسٹر حامد، محمود کو مسٹر محمود اور مرزا خداداد بیگ کو مسٹر بیگ نہایت ادب آمیز طریقہ سے کہنا اور جو کہ وہ جان گئی ہے کہ مرزا خداداد بیگ کا یہ پورا نام نہیں ہے ایک آدھ دفعہ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ سر پلیز پارڈن می یور فُل نیم از ویری ڈفیکلٹ Sir Please pardon me your full name is very difficult یعنی آپ مجھے معاف فرمائیں جو میں نے آپ کا پورا نام نہیں لیا آپ کا پورا نام نہایت مشکل ہے۔ اب بڑا تماشا ہو گیا ہے کہ ہم سب نے مرزا خداداد بیگ کا پورا نام مسٹر بیگ رکھ دیا ہے غرض کہ اسی طرح تمام چیزیں وقت پر موجود اور تیار رکھتی ہے اور ڈنر اور سپر سب کا سامان اسی طرح خوبی و درستی سے انجام دیتی ہے۔ آپ یقین جانئے کہ اگر یہ عورت جو نہایت غریب آدمی اور اصیل گری کی نوکری کی محتاج اور دن رات ہماری خدمت میں حاضر رہتی ہے اگر ہندوستان میں جاوے اور اچھے سے اچھے امیر آدمیوں کی عورتوں سے ملے تو ان کو محض جانور سمجھے اور نہایت حقارت سے ان سے نفرت کرے یہ صرف نتیجہ عام تعلیم و تربیت کا ہے۔

اس نوعمر لڑکی ایلز بتھ ماتھیوز کو دیکھ کر باوجود قلت تنخواہ کے ہمیشہ ہاف پینی والے اخبار جس کا نام ایکو ہے مول لیتی ہے اور جب کام سے فرصت ملی اس کو پڑھتی ہے کبھی پنچ اخبار کا کوئی پرچہ لے کر اس میں جو تصویریں عورتوں کی مینر اور کسٹم Manner & Custom پر ہوتی ہیں ان کو دیکھتی ہے اور اس کے ایڈیٹر کے کنایہ اور اشارہ کو پڑھتی ہے اور طبیعت خوش رکھتی ہے۔

تمام سودے والوں کی دکانوں کی پیشانیوں پر ان کے نام بڑے خوش خط سنہری اور رنگین حرفوں میں لکھے ہوئے ہیں یہ تمام نوکریں ہر ایک تحریر کو پڑھ لیتی ہیں اور تمام کام کرلاتی ہیں۔

کیب مین اور کوچوان اپنی گدی کے نیچے کوئی اخبار یا کوئی کتاب دبائے رکھتے ہیں جہاں سواری پہنچائی اور کیب یا اور جو سواری ہو وہ کھڑی کی اور انھوں نے اخبار نکالا اور پڑھنا شروع کیا آپ خیال کرلیں یہاں کیب مین کی ایسی حیثیت ہے جیسی کہ بنارس میں وہاں کے یکہ کرایہ پر چلانے والوں کی حیثیت پس جب تک کہ اس قدر ترقی عام تعلیم کی نہ ہو شائستگی اور تربیت اس قوم میں آنی اور اس قوم کی عزت ہونی ناممکن ہے۔

اس تمام ترقی کا باعث انگلستان میں صرف یہ ہے کہ تمام چیزیں تمام علوم تمام فن جو کچھ ہے اسی قوم کی زبان میں ہے جو عموماً یا قریب عموماً کے بولی جاتی ہے۔ گو اسی انگلستان میں بعض مقاموں کی زبانیں ایسی گنواری ہیں جن پر انگریزی کا اطلاق کرنا مشکل ہے مگر انگریزی زبان انگلستان میں ایسی ہے جیسے ہندوستان میں علی الخصوص شمالی و مغربی اضلاع اور صوبہ بہار میں اردو جس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے پس جو لوگ حقیقت میں ہندوستان کی بھلائی اور ترقی چاہنے والے ہیں وہ یقین جان لیں کہ ہندوستان کی بھلائی صرف اسی پر منحصر ہے کہ تمام علوم اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک ان ہی کی زبانوں میں ان کو دیئے جاویں۔ میری یہ رائے ہندوستان کے ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر نہایت بڑے بڑے حرفوں میں آئندہ زمانہ کی یادگاری کے لئے کھود دیئے جاویں اگر تمام علوم ہندوستان کو اسی کی زبان میں نہ دئے جاویں گے کبھی ہندوستان کو شائستگی و تربیت کا درجہ نصیب نہیں ہونے کا یہی سچ ہے۔ یہی سچ ہے۔ یہی سچ ہے۔

اس معاملہ میں گورنمنٹ کو نہایت مشکل ہے اور جب گورنمنٹ کی زبان ملکی زبان نہیں ہے تو لوگوں کو ورنیکلر پر متوجہ ہونے کا بہت کم حوصلہ ہوتا ہے کیوں کہ اس وقت تک ہندوستان میں سوائے نوکری کی لالچ کے کوئی شخص علم کی قدر سے علم کو تحصیل نہیں کرتا مگر

اے ہندوستان کی بھلائی چاہنے والوتم کسی سے توقع مت رکھواور خود اپنے بھروسہ اور آپس کے چندہ سے اپنے ملک میں تمام علوم اعلیٰ درجہ سے ادنیٰ درجہ تک اپنی زبان میں پھیلاؤ پھر جب تم علوم سے واقف ہو جاؤ گے اور شائستگی اور تربیت تک پہنچو گے تب تمہاری نگاہ میں گورنمنٹ کی نوکریوں کے لالچ کی کچھ بھی حقیقت نہیں معلوم ہوگی امید ہے کہ کسی نہ کسی دن ایسا ہی ہوگا، ہوگا، ہوگا۔

مجھ کو اس بات کے دریافت ہونے سے کہ حضور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے آپ کی سوسیٹی کی بڑی دستگیری کی ہے اور صاحب ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن بہادر اضلاع شمال مغرب نے بھی بہت بڑی اعانت اور پرورش فرمائی ہے نہایت خوشی ہوئی اور خدا کا بہت بہت شکر کیا۔ مگر اے مائی ڈیر راجہ اپنی سوسائٹی اور اخبار ۱۵ کی آزادی کو ہرگز ہاتھ سے مت دینا۔ سررشتہ تعلیم کی بھلائی بُرائی پر تمام ہندوستان کی زندگی اور موت منحصر ہے ہمیشہ نہایت غور کی مگر نہایت منصفانہ نگاہ سے اس کو دیکھتے رہنا صرف سچائی اور عام لوگوں کی بھلائی کو اپنا دوست جاننا۔

مجھ کو سوسائٹی کے قرضہ کا بہت رنج ہے میں نے جو بنارس سے سوسائٹی کے لئے فوارہ کا حوض تیار کرا کر بھیجا ہے اس کا حساب میں آپ کو بھیج آیا تھا اور شاید کئی سو روپیہ میرا فاضل بذمہ سوسائٹی بابت لاگت حوض کے تھا۔ آپ نے جو حساب قرضہ سوسائٹی کا مرتب کیا ہے اس میں وہ رقم بھی داخل ہے یا نہیں اگر داخل ہو تو میں چاہتا ہوں کہ بقدر رقم مذکورہ میری طرف سے ڈونیشن سوسائٹی کے حساب میں جمع کیجئے اور اس رقم کو قرضہ کے ادا میں خرچ میں ڈال لیجئے۔ غرض کہ جس قدر میرا روپیہ بطور قرض بابت لاگت حوض، سوسائیٹی کے ذمہ لینا ہے اوس کا جمع خرچ برابر کر دیجئے۔ زیادہ نیاز

از مقام لندن
۱۵/اکتوبر ۱۸۶۹ء

عاجز آپ کا تابعدار
سید احمد

● (علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۹/نومبر ۱۸۶۹ء)

لندن سے سرسید کا خط ایڈیٹر علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے نام

آپ کا نہایت عمدہ اور نہایت دلچسپ اور بالکل صداقت سے بھرا ہوا آرٹیکل ہندوستان کی عورتوں کی 'تعلیم کی نسبت' جو آپ کے اخبار نمبر ۳۷ مورخہ ۱۰ر ستمبر ۱۸۶۹ء میں چھپا ہے، میں نے اس کو بغور پڑھا۔ میری دانست میں ایسا سچا اور ٹھیک اور بالکل درست آرٹیکل عورتوں کی تعلیم کی نسبت کوئی نہ چھپا ہوگا۔ جو اصلی مشکلات ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم میں ہے وہ نہایت صحت سے اس میں بیان ہوئی ہیں۔ جن باتوں کی رعایت آپ ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم میں چاہتے ہیں وہ سب یہاں یعنی انگلستان میں بھی مقدم سمجھی جاتی ہیں۔ مذہبی تعلیم عورتوں کی اور تہذیب اخلاق جن کی خوبی کی بنا صرف مذہبی مسائل پر ہے یا مسائل مذہبی کے برخلاف نہیں ہے نہایت ضروری قرار پائی ہے وہ مقام جس میں اشراف اور جنٹل مین لوگوں کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں بلاشبہ ایسے مقام ہیں جن میں ان لڑکیوں کے ماں باپ یا ولیوں کو بہ لحاظ اپنے ملک کی راہ و رسم کے ان کے چال چلن درست رہنے اور کمین یا بدچلن عورتوں سے بچے رہنے کا ہر طرح پر یقین اور بخوبی اس پر طمانیت ہے۔ پس اگر ان تمام امور کا لحاظ ہندوستان میں نہ ہوگا تو عورتوں کی تعلیم جیسا کہ آپ کے آرٹیکل میں ہے درحقیقت ناممکن ہوگی۔ آپ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستان کی گورنمنٹ عورتوں کی مذہبی تعلیم پانے کے لیے کچھ مدد نہ دے گی۔ شاید آپ کا یہ خیال صحیح ہو یا قریب قریب صحت کے ہو مگر اس کے بعد نہایت حسرت ناک اور رنج دہ یہ فقرہ آپ نے اپنے آرٹیکل میں ارقام فرمایا ہے کہ ''ایسے معاملات میں بغیر سرکاری معاونت کے کسی

طرح کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی'' کیا یہ فقرہ تمام ہندوستان کو شرمندہ نہیں کرتا ہے کیا اس فقرہ سے تمام ہندوستان کا مثل ڈھور ہونے کے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ سنیے لندن میں ہزاروں اسکول وکالج ہیں متعدد یونیورسٹیاں ہیں بڑے بڑے جلسے لکچروں کے ہیں نہایت عمدہ عمدہ عالی شان کلب ہیں اور ایسی ایسی رفاہ عام کی چیزیں ہیں جن کی لاگت اور جن کے روزمرہ کے اخراجات دیکھ کر آدمی کے ہوش جاتے ہیں اور کسی چیز کو گورنمنٹ سے علاقہ نہیں نہ گورنمنٹ کا ایک پیسہ اس میں خرچ ہوتا ہے اور نہ گورنمنٹ کو اس میں کچھ مداخلت ہے بجز اس کے کہ ان کے تقرر کو منظور کیا ہے ان کی کارروائی کو جائز اور واجب التسلیم قانوناً قرار دیا ہے ان کو چارٹر یعنی فرمان عطا کیا ہے ان کی عزّت کرنے کو ان میں شریک بھی ہوتی ہے یہاں تک کہ یونیورسٹیوں کو بھی اور ان مدرسوں کو بھی جس میں بارسٹر پاس ہوتے ہیں اور انھیں میں سے ایک لارڈ چینسلر ہوتا ہے جو سب سے معزز عہدہ انگلستان میں ہے اور ان تعلیم گاہوں کو بھی جہاں سے سول سروس کے عہدہ دار بنتے ہیں گورنمنٹ کو کچھ بھی تعلق یا دخل نہیں ہے پس کیسے تعجب کی بات ہے کہ ہندوستان کے لوگ یہ خیال کریں کہ ہندوستان کی بیٹیوں کی تعلیم میں اگر گورنمنٹ کی اعانت نہ ہوگی تو کامیابی نہ ہوگی۔ یہاں کے لوگ جب یہ بات سنتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ اپنی بھلائی اور اپنی تہذیب اور اپنی تعلیم وشائستگی بھی گورنمنٹ کی طرف سے ہونا چاہتے ہیں، تو اس کو دنیا کے ایک نہایت عجائبات سے سمجھتے ہیں اور حد سے زیادہ متعجب ہوتے ہیں اور پھر اپنا تعجب اس طرح پر رفع کرتے ہیں کہ ہاں ہاں ہندوستان کے لوگ تو اِن سویلایز وحشی جانوروں کے موافق ہیں، پھر کوئی ان کو چابک لگا کر ہنکانے والا چاہیے۔ یہاں تمام مدرسوں میں جتنی مذہبی مداخلت ہے وہ نہایت تعجب انگیز ہے اور خیال میں نہیں آسکتا کہ ایسے سویلایز ملک میں اور ایسی رسموں کا جو نہایت پرانے زمانے کے تعصّبات مذہبی سے علاقہ رکھتی تھیں کیوں کر اب تک رواج رہا ہے۔ پس ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو کون منع کرتا ہے کہ خود بلا مداخلت، لڑکیوں کے پڑھانے کا انتظام کریں اور تمام مذہبی اخلاق اپنے

اپنے مذہب کے موافق تعلیم دیں، کیا ہندوستان ایسا نہیں کرسکتا۔ بے شک کرسکتا ہے کسی طرح ان کاموں کے لیے بلکہ اس سے بہت بڑے بڑے کاموں کے لیے وہ محتاج نہیں ہے صرف شوق اور ہمت اور ارادہ چاہیے۔ پس امید ہے کہ آپ ہندوستان کی بھلائی کے لیے صرف اوروں پر ہی نگاہ نہ رکھیے بلکہ اس سے بالکل قطع نظر کیجیے اور خود اپنے ہم وطنوں کو ایسی نصیحت کیجیے جو وہ ان نیک کاموں پر خود مستعد ہو جاویں اور یہ بھی آپ خوب یاد رکھیے کہ جب تک کوئی قوم خود آپ اپنی بھلائی اور ترقی و تہذیب کی طرف متوجہ نہیں ہوتی کبھی اس کو عزّت و ترقی نصیب نہیں ہوتی۔

مجھ سے جو آپ نے خواہش کی ہے کہ میں یہاں کے خیرات خانوں کا کچھ حال لکھوں، میں اس سے غافل نہیں ہوں۔ میں نے اپنی سمجھ کے موافق بہت کچھ انتخاب کیا ہے اگر آپ کی سوسائٹی کے جناب سکریٹری صاحب بہادر بہ موجب میرے عریضہ سابق کے اجازت فرمادیں گے تو میں اخبار میں مشتہر ہونے کو بھیجوں گا ورنہ اپنے سفرنامہ میں چھاپوں گا۔

سلطان روم نے اپنے ملک میں نہایت تشدد و حکومت سے اور نہایت فیاضی سے سررشتہ تعلیم قائم کیا ہے اس کی نسبت ٹائمز میں کچھ چھپا ہے، میں آپ کے پاس بھیجتا ہوں اگر اخبار میں مندرج فرمایئے گا تو خالی فائدہ سے نہیں ہے۔ زیادہ نیاز

آپ کا تابع دار

مقام لندن ۲۲/ اکتوبر ۱۸۶۹ء　　سید احمد

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۶/ نومبر ۱۸۶۹ء)

●●●

(۱۳)

مسافران انگلستان

ایک روز میں اپنے لڑکے سید محمد محمود اور اپنے دوست سید عبداللہ[۵۲] پروفیسر کے ساتھ ریل پر سوار ہوکر کیمبرج کو گیا جب کبھی میں اپنے وطن یعنی ہندوستان کے کسی علمی جلسہ کی سیر کے واسطے جاتا تھا تو ہمیشہ میرا نہایت جی لگتا تھا پس جب میں اس موقع پر کیمبرج کے قریب پہنچا جو علوم فنون کا مصدر ہے تو اس کی قدامت اور اس عالمگیر شہرت کے لحاظ سے جو اس شہر کو بہت سے ایسے مشہور و معروف آدمیوں کی بدولت حاصل ہوئی ہے جن کی عقل و دانش اور کوشش کے سبب سے تمام دنیا میں علم کی روشنی پھیلی ہے اور اس کی شعاعوں سے جہالت اور غلطی اور تعصب کی تاریکی رفع ہوئی ہے میرے دل پر ایک رعب اور حیرت کی سی حالت طاری ہوئی۔

کیمبرج اس نام سے اس لئے مشہور ہے کہ کیم یا گرینٹ تو وہاں ایک دریا ہے اور ایک پُل اس پر بندھا ہوا ہے جس کو انگریزی میں برج کہتے ہیں چنانچہ تاریخ میں بھی اس کو کیمبرج اور گرینٹ برج دونوں طرح پر بیان کیا ہے اور بہت سی صدیوں سے وہ اس مشہور و معروف یونیورسٹی ہونے کے سبب سے ممتاز ہے۔

اس یونیورسٹی کی بنیاد کی نسبت سابق میں یہ بحث ہوئی تھی کہ وہ اسی صورت پر سن عیسوی سے چھ سو برس پیش تر سے قائم ہے اور اسکا بانی بادشاہ کینٹابر تھا جو اندلس سے بھاگ کر آیا تھا لیکن ظن غالب ہے کہ سائجبرٹ بادشاہ ایسٹ اینگلس نے اس کو قائم کیا تھا اور اسی نے سب سے پہلے اس جگہ علم و ہنر کو رونق دی۔

گو سب سے اول ہنری سویم نے اپنے جلوس سے تیرہ برس بعد اس یونیورسٹی کو ایک سند سنہ ۱۲۳۰ء میں عطا کی تھی لیکن علاوہ سند کے اور بہت سے حقوق ایڈورڈ سویم نے

۱۳۳۳ء میں اس کو دئے تھے اور جن قوانین کی رو سے یونیورسٹی کے کاروبار کا انتظام ہوتا ہے وہ دو مرتبہ ترمیم ہونے کے بعد ۱۵۷۰ء میں جو ملکہ الزبتھ کے عہد کا تیرہواں سال تھا حسب ضابطہ مستحکم ہو گئے۔

۱۶۱۴ء میں بادشاہ جیمس اول نے یونیورسٹی کو یہ حق عطا فرمایا کہ کہ وہ پارلیمنٹ میں دو ممبر بھیجا کرے اور ان ممبروں کے منتخب کرنے کا اختیار مجلس سنیٹ کے ممبروں کو دیا گیا۔

جو جھگڑا چارلس اول اور اس کی پارلیمنٹ کے درمیان ہوا تھا اسمیں یونیورسٹی کو اس سبب سے بڑا نقصان پہنچا کہ اُس نے بادشاہ کی حمایت کی۔ یونیورسٹی کے تمام کالجوں اور مکانات کی بنیاد ایڈورڈ اول کے عہد سے ہوئی ہے اور جن شخصوں نے ان کو قائم کیا ہے ان کے وقف کے ذریعہ سے انکا خرچ چلتا ہے اور گو ہر ایک کالج ایک متفق جماعت ہے اور خاص اس کے قوانین سے اسکا بندوبست ہوتا ہے لیکن تاہم یونیورسٹی کے عام قواعد کا تابع ہوتا ہے اور ہر ایک کالج میں سے اس کے واسطے قانون بنانے اور انتظام کرنے کے ممبر بھیجے جاتے ہیں اور وہ سنیٹ ہوس میں جمع ہوتے ہیں۔

یونیورسٹی کے صیغہ کار پرداز کے خاص ممبر حسب تفصیل ذیل ہیں۔

ایک چینسلر جو تمام یونیورسٹی کا افسر ہوتا ہے اس کو مجلس سنیٹ منتخب کرتی ہے اور وہ اکثر امرائے سلطنت میں سے ہوتا ہے اور دو برس تک اپنے عہدہ پر قائم رہتا ہے۔

ایک اعلیٰ اسٹیورڈ یعنی مہتمم۔ جس کو ان طالب علموں کو سزا دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے جن کے ذمہ حدود یونیورسٹی کے اندر کسی جرم کا الزام لگایا جاوے یہ اختیار چاروں طرف ایک میل تک ہوتا ہے اور وہ لوگوں کی چال چلن کی تحقیقات کے واسطے کچہری کیا کرتا ہے۔

ایک ویس چینسلر یعنی چینسلر کا نائب، ایک عام گفتگو کرنے والا جو ہر موقع پر مجلس سنیٹ کی زبان ہوتا ہے یعنی مجلس مذکور کے مطلب کی تشریح کرتا ہے۔ دو شخص ایسے ہوتے ہیں جو تمام طالب علموں کی تربیت اور آداب وسلیقہ کی خبر گیری کرتے ہیں۔ ایک کتب خانہ کا مہتمم ہوتا ہے۔

ایک رجسٹرار ہوتا ہے۔ یونیورسٹی میں ستائیس پروفیسر یعنی معلم ہیں۔ علم الٰہیات (جس کے تین معلم ہیں) قانون سول، علم طب، زبان یہودی، عربی (جس کے دو معلم ہیں) علم ریاضی، علم اجتہاد، علم موسیقی، علم کیمیا، علم فلسفہ عملی، علم تشریح اعضائے حیوانات، تاریخ زمانہ، حال و زبان ہائے علم نباتات، علم ارض، علم ہیئت، علم طبیعات، قدرتی و عملی قوانین انگلستان، علم ادویات، علم جمادات، واعظ، مذہب عیسوی کی تائید کرنے والا۔

اطلاع۔ یہ تمام عہدے معلّمی کے مختلف تاریخوں پر مقرر کیے گئے ہیں چنانچہ ان میں سے اول عہدہ سنہ ۱۵۰۲ء میں ہینری ہفتم کے عہد میں اور سب سے پچھلا عہدہ سنہ ۱۷۸۹ء میں جارج سوم کے عہد میں مقرر کیا گیا تھا اب عہدوں میں سے علم الٰہیات کے معلموں کی سب سے زیادہ تنخواہ ہے یعنی اون میں سے اول درجہ کے معلم کی تنخواہ اٹھارہ ہزار پونڈ سالانہ ہے۔ یونیورسٹی کے طالب علم، علم موسیقی کے زیادہ شوقین نہیں ہیں اور اس علم پر لکچر دینے والے کی محنت ضائع جاتی ہے۔

ہر ایک کالج ایک خود مختار جماعت ہوتی ہے اور اس میں جو شریک ہوتے ہیں وہ ماسٹر، فیلو اور اسکالر کہلاتے ہیں باقی اور شرکا یا تو ایسے طالب علم ہوتے ہیں جو ابتدا سے اس میں شریک نہیں ہوتے ہیں یا جنھوں نے سلسلہ درس کو پورا کرلیا ہے۔ چند کالجوں کے نام ان کے قیام کی تاریخ کی ترتیب کے لحاظ سے اور نیز چند مشہور و معروف آدمیوں کے نام جو ان میں سے ہر ایک میں شریک رہے ہیں ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ سینٹ پیٹرس کالج۔ یہ کالج ۱۲۸۴ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں مشہور و معروف آدمی حسب تفصیل ذیل ہوئے ہیں:

کارڈنل بوفورٹ صاحب Cardinal Beaufort، لارڈ چینسلر و بشپ آف وینچسٹر ۱۴۰۴ء، کرنل ہچنسن صاحب جو چارلس اول کی ملکی لڑائی میں پارلیمنٹ کی فوج کے مشہور و معروف سپہ سالار تھے، ٹامس گرے صاحب جو نہایت مشہور و معروف

شاعراور زمانہ حال کی تاریخ کے معلم تھے ۱۸۶۸ء، ایڈورڈ لا صاحب لارڈ ایلنبرا چیف جسٹس انگلستان ۱۸۱۸ء۔

۲۔ کلیر ہال (Clare Hall)۔ یہ کالج ۱۳۲۶ء میں قائم ہوا تھا اور اس کے مشہور و معروف آدمی حسب ذیل ہیں۔

جیافری چاسر انگریزی نظم کا موجد ۱۴۰۰ء، جان ٹلاٹسن آرک بشپ آف کنٹربری ۱۶۹۱ء، جان پارک ہرسٹ ایم۔اے مصنف لغات زبان یہودی و یونانی ۱۷۹۷ء

۳۔ پمبروک کالج Pembroke College۔ یہ کالج ۱۳۴۷ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں حسب ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں۔

جان راجرس جو ملکہ میری کے عہد میں سب سے پہلے شہید ہوئے تھے ۱۵۵۵ء، ایڈمنڈ اسپنسر مشہور و معروف شاعر ۱۷۹۹ء، رائٹ آنریبل ولیم پیٹ صاحب ۱۸۰۶ء

۴۔ کینس کالج Gonville and Cains College جو ۱۳۴۸ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں حسب تفصیل ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں۔

سر ٹامس گریشم جنھوں نے لندن میں رائل ایکسچینج کا قاعدہ جاری کیا تھا ۱۵۷۹ء۔ ولیم ہاروے ایم ڈی جنھوں نے خون کی گردش کو دریافت کیا تھا ۱۶۲۸ء۔ ٹامس شیڈول صاحب جو نقل و سوانگ وغیرہ کی نسبت نہایت عمدہ نظم لکھتے تھے ۱۶۹۲ء ڈاکٹر سیموئل کلارک صاحب جو نہایت مشہور و معروف دقیقہ رس اور علم الٰہیات اور علم ریاضی کے جاننے والے تھے ۱۷۲۹ء۔ ایڈورڈ لارڈ تھرلو صاحب لارڈ چانسلر ۱۷۷۸ء۔

۵۔ ٹرینیٹی ہال: یہ کالج ۱۳۵۰ء میں قائم ہوا تھا اس کے مشہور و معروف آدمی یہ ہوئے ہیں:

گارڈنر صاحب بشپ آف ونچسٹر جن کے علم و لیاقت کی نہایت شہرت تھی لیکن مذہب پروٹسنٹ والوں کو وہ نہایت ایذا پہنچاتے تھے ۱۵۵۵ء۔ سر رابرٹ ناوٹن وزیر سلطنت جیمس اوّل، سیموئل ہارسلے بشپ آف سینٹ اسف ۱۸۰۲ء۔

۶۔ کارپس کرسٹی کالج جو ۱۳۵۱ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں حسب تفصیل ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے تھے۔

سرنکالس بیکن صاحب جو ملکہ ایلز بتھ کے عہد میں عہدہ گارڈ کیپر پر ممتاز ہوئے تھے اور جان فیچر صاحب جو نقل وسوانگ وغیرہ کی نسبت نہایت عمدہ نظم لکھتے تھے ۱۶۲۵ء۔

۷۔ کنگس کالج: یہ کالج ۱۴۴۱ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں مندرجہ ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں: سرفرینسس والنگھم وزیر اعظم ملکہ ایلز بتھ ۱۵۷۳ء۔ ایڈمنڈ والر صاحب شاعر ۱۶۸۷ء، سرر ابرٹ والپول صاحب ارل آف آرفورڈ وزیر اعظم جارج اوّل و جارج دوم ۱۷۴۵ء۔

۸۔ کوینس کالج جو ۱۴۴۸ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں مندرجہ ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں: ڈاکٹر ٹامس فلر صاحب مصنف تاریخ مذہب عیسوی ۱۶۶۱ء۔ پامفرٹ صاحب شاعر ۱۷۰۳ء۔ سائمن اوکلے صاحب پروفیسر زبان عربی و مصنف تواریخ سارسینس و کتاب حالات زندگی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۷۱۱ء۔

۹۔ سینٹ کیتھرنس ہال: یہ کالج ۱۴۷۵ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں حسب تفصیل ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں۔ بنجمن ہوڈلے صاحب بشپ ۱۷۳۲ء۔ جان اسٹرائپ صاحب جو مشہور و معروف محقق قدیمی باتوں کے تھے ۱۷۳۷ء۔

۱۰۔ جیسس (Jesus) کالج: جو ۱۴۹۴ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں حسب تفصیل ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں: کرنیمر صاحب آرک بشپ آف کنٹربری جن کی لاش مقام آکسفورڈ میں ۱۵۵۶ء میں جلائی گئی تھی۔ جان فلیمسٹیڈ ایف آر ایس ایم اے جو مشہور و معروف نجومی تھے ۱۷۶۴ء۔ جلبرٹ ویکفیلڈ صاحب نقاد ۱۷۷۶ء۔ فرینسس فاکوس صاحب جنھوں نے کتاب انا کری آن (Anacreon) وغیرہ کا ترجمہ کیا تھا ۱۷۷۷ء۔ کالرج صاحب جو مشہور و معروف فلسفی اور شاعر تھے ۱۷۳۴ء۔

۱۱۔ کرائسٹ کالج: جو ۱۵۰۵ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں حسب تفصیل ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں: ہیولیٹمر (Hugh Latimar) صاحب جن کی لاش معہ لاش رڈلی صاحب کے ۱۵۵۵ء میں جلائی گئی تھی۔ جان ملٹن صاحب شاعر ۱۶۷۴ء۔ڈاکٹر ولیم پیلی صاحب جو کتاب موسوم بہ شہادت مذہب عیسوی Evidences of Christianity کے مصنف تھے ۱۸۰۵ء۔

۱۲۔ سینٹ جانس کالج: جو ۱۵۱۱ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں حسب تفصیل ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں: راجر ایشم اتالیق ملکۂ ایلزبتھ ۱۵۶۸ء۔ ولیم سیسل صاحب لارڈ برلیہ وزیر اعظم ملکہ ایلزبتھ و چنسیلر یونیورسٹی ۱۵۹۸ء۔ ٹامس وینٹ ورتھ صاحب ارل آف اسٹرٹیٹ فورڈ جو ۱۶۴۱ء میں قتل کیے گئے تھے۔ ٹامس اٹوے صاحب مصنف کتاب وینس پریزروڈ ۱۶۸۵ء۔ بن جانسن صاحب ۱۶۳۷ء۔ میتھو پراپر صاحب مدبر و شاعر ۱۷۲۱ء۔ ایمپروز فلیس صاحب شاعر ۱۷۴۶ء۔ ڈاکٹر ڈارون صاحب مشہور و معروف طبیب و محقق ۱۸۰۲ء۔ چارلس مارکوئیس کارنویلس ۱۸۰۵ء۔ ہنری کرک واٹیٹ شاعر ۱۸۰۶ء ولیم ولبرفورس صاحب جن کی سعی و کوشش سے بردہ فروشی کی رسم آخر کار موقوف ہوئی۔

۱۳۔ میگڈیلن کالج: جو ۱۵۱۹ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں مندرجہ ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں: ڈاکٹر جیمس ڈیوپورٹ صاحب جو زبان یونان کے مشہور و معروف معلم تھے ۱۶۲۸ء۔ سیموئیل پیپس صاحب بہادر ۱۷۰۳ء۔

۱۴۔ ٹرینٹی کالج: جو ۱۵۴۶ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں مندرجہ ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں: رابرٹ ڈیوریکس ارل آف ایسکس جن پر ملکہ ایلزبتھ کی بڑی عنایت تھی اور وہ ۱۶۰۱ء میں قتل کیے گئے تھے۔ سر ایڈورڈ کوک صاحب لارڈ چیف جسٹس ۱۶۱۳ء۔ بیکن صاحب بیرن وردلم ۱۶۱۹ء۔ سر رابرٹ بی کاٹن صاحب جو قدیمی باتوں کے مشہور و معروف محقق تھے ۱۶۳۱ء۔ ایبرہم کولی صاحب شاعر ۱۶۶۷ء، ناتھنیل لی

صاحب جو نقل و سوانگ وغیرہ کی نسبت نہایت عمدہ نظم لکھتے تھے ۱۶۹۲ء۔ جان ڈرائڈن صاحب شاعر ۱۶۶۷ء۔ ڈاکٹر آئزک بیرد صاحب جو علم الٰہیات سے واقف تھے ۱۶۷۳ء۔ سر آئزک نیوٹن صاحب ۱۷۲۷ء۔ ڈاکٹر کانیرس صاحب مڈلٹن جو کتاب حالات زندگی سسرداور لیٹر فرام روم کے مصنف تھے ۱۷۵۰ء۔ رچرڈ پارسن جو زبان یونان کے معلم تھے ۱۷۹۲ء۔ جارج گارڈن لارڈ بیرن شاعر ۱۸۲۴ء۔

۱۵۔ ایمینویل کالج: جو ۱۵۸۴ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں مندرجہ ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں: ڈاکٹر رالف کڈورتھ صاحب جو کتاب موسومہ "The Intellectual Systeme" کے مصنف تھے ۱۶۸۸ء۔ سر ولیم ٹیمپل صاحب جو مشہور و معروف مدبر تھے ۱۷۰۰ء۔ ڈاکٹر سیموئل پار صاحب جو نہایت لئیق اور نازک خیال نقاد تھے ۱۸۲۵ء۔

۱۶۔ سڈنی سیسکس کالج: جو ۱۵۸۸ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں مندرجہ ذیل مشہور و معروف آدمی ہوئے ہیں: اولیور کرامویل صاحب ۱۶۵۹ء۔ ٹامس رائمر صاحب کلکٹر آف دی فوڈرا ۱۷۱۳ء۔ ولیم وولیسٹن صاحب مصنف کتاب مذہب قدرتی (The Religion of Nature) ۱۷۲۳ء۔

۱۷۔ ڈوننگ (Downing) کالج: جو ۱۸۰۰ء میں قائم ہوا تھا اور اس کے مشہور و معروف آدمی حسب تفصیل ذیل ہیں: فرینس اینسلی ڈی سی ایل ماسٹر اوّل ۱۸۰۰ء۔ ایڈورڈ کرسچین صاحب بہادر پروفیسر قوانین انگلستان و چیف جسٹس جزیرہ الائی ۱۸۲۳ء۔

مشہور و معروف چیزیں یونیورسٹی کیمبرج کی:

اس یونیورسٹی کے کتب خانہ کی بنیاد ابتدا میں ٹامس ڈی راتھریم صاحب نے ۱۴۷۵ء میں ڈالی تھی جو بعدہ آرک بشپ یورک ہو گئے اور اس میں بہت سی عمدہ عمدہ قدیمی چیزیں موجود ہیں چنانچہ منجملہ ان کے ایک نہایت عظیم الشان مورت دیبی سریز

Goddess Ceres کی ہے جو اٹنسیس Etensis کے مندر سے آئی تھی اور اس کے نزدیک اقلیدس کی قبر کا ستون ہے۔ جارج اوّل نے ڈاکٹر موربشپ آف الائی کا کتب خانہ جس میں قریب تیس ہزار کتابیں مع بہت سے قلمی نسخوں کے تھیں چھ ہزار گنی کے عوض میں خرید کر کے اس کو یونیورسٹی کے کتب خانہ کو نذر کیا چنانچہ اس شاہانہ عطیہ کی نسبت ڈاکٹر ٹریپ صاحب نے جو فرقہ ٹوری سے متعلق تھے اور آکسفورڈ کے رہنے والے تھے اور سر ولیم بردن نے جو فرقہ وگ میں سے تھے دو لطیفے لکھے تھے جن کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''ہمارے بادشاہ کو اپنی دونوں یونیورسٹیوں کی حاجتوں کو دیکھ کر نہایت تردّد ہوا چنانچہ اس نے آکسفورڈ کی یونیورسٹی کو فوج روانہ کی کیوں کہ اس کو معلوم تھا کہ یونیورسٹی مذکور سرکار کی خیر خواہ نہیں ہے لیکن اس نے کیمبرج کو کتابیں عنایت فرمائیں کیوں کہ وہ یہ بات جانتا تھا کہ یہ سچی خیر خواہ یونیورسٹی علم و ہنر کی خواہاں ہے۔''

جواب:

''بادشاہ نے آکسفورڈ کو اپنے سوار اس غرض سے روانہ کیے کہ فرقہ ٹوری والے سوائے طاقت کے کسی دلیل کے قائل نہیں ہوتے اور ایسی ہی احتیاط سے اس نے کیمبرج کی یونیورسٹی کو کتابیں بھیجیں کیوں کہ فرقہ وگ کے آدمی بجز دلیل کے کسی طرح کی طاقت اور زبردستی کو نہیں مانتے ہیں۔''

یونیورسٹی کے کتب خانہ میں دو لاکھ چھپی ہوئی کتابیں اور دو ہزار قلمی نسخے موجود ہیں جو ہر ایک زمانہ اور زبان سے تعلق رکھتے ہیں اور قانون پارلیمنٹ کے بموجب کتب خانہ اس امر کا مستحق ہے کہ جو نئی کتاب سلطنت انگلستان میں چھپے اس کی ایک جلد وہاں بھیجی جاوے۔

عجائب خانہ فٹزولیم:

رچرڈ لارڈ وائیکونٹ فٹزولیم ایم اے نے جو سابق میں کالج ٹرینٹی ہال سے تعلق رکھتے تھے اور جنھوں نے ۵ر فروری ۱۸۱۶ء کو وفات پائی اس یونیورسٹی کو اپنا عمدہ اور بے نظیر ذخیرہ کتابوں اور تصویروں اور نقشوں اور بیش قیمت عجیب وغریب چیزوں کا معہ سرمایہ دس لاکھ روپیہ کے ہبہ کیا اور یہ ہدایت کی کہ جو سود اس روپیہ کا حاصل ہو وہ عجائب خانہ کی تعمیر میں صَرف کیا جاوے۔ اس عجائب خانہ کے کتب خانہ میں سات ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں اور علاوہ ان کے ایک ایسا ذخیرہ باجوں کا ہے جو سلطنت برطانیہ میں سوائے ملکہ معظّمہ کے ذخیرہ کے بلحاظ قیمت اور تعداد کے سب سے فائق ہے۔

مرصد نجومی:

اس مرصد کی تعمیر ۱۸۲۲ء میں شروع ہوئی تھی اور قریب تین برس کے ختم ہوئی۔ ۱۸۳۰ء میں ہزگریس ڈیوک آف نارتھمبر لینڈ نے ایک نہایت عمدہ دوربین جس میں چیزوں کے دیکھنے کے واسطے ایک نہایت بڑا شیشہ لگا ہوا تھا اس مرصد کے واسطے نذر کی اور اس بیش بہا تحفہ کے رکھنے کے واسطے مرصد کے قریب فوراً ایک مناسب مکان تیار کیا گیا جس میں ایک گردش کرنے والا گنبد تھا جس کا قطر ستائیس فٹ تھا۔

اگر میں اس موقع پر نہایت سرگرمی کے ساتھ ان عنایتوں اور مہربانیوں کا شکریہ ادا نہ کروں جو صاحب پروفیسر علم ہیئت نے ہم لوگوں کے حال پر فرمائیں تو یہ بڑی ناشکری اور احسان فراموشی ہے صاحب موصوف نے صرف علم ہیئت کی نسبت جو حقیقت میں ایک نہایت عالی اور دقیق علم ہے نہایت خوشی سے دلچسپ اور مفید باتوں ہی سے ہم کو مطلع نہیں کیا بلکہ ستاروں اور سیاروں کی بھی سیر کرائی۔

کارپس کرائسٹ کالج کے کتب خانہ میں ایسے قلمی نسخے ہیں جو سلطنت برطانیہ کے قلمی نسخوں میں نہایت بیش قیمت تصور کیے جاتے ہیں یہ نسخے نہایت قدیمی ہیں اور بعض ان میں سے آٹھویں صدی کے لکھے ہوئے ہیں منجملہ ان کے چند نہایت دلچسپ نسخے اس

مذہبی تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں جو ۱۵۱۷ء میں انگلستان میں ہوئی تھی اور ان میں ایک نقل انتالیس مذہبی ہدایتوں کی مع ان قلمی ترمیموں کے ہے جو ان کے مولفوں نے کی ہیں۔

میگڈیلین کالج میں ایک بڑی کتاب ہے جس میں متفرق پرچے لکھے ہوئے ہیں جو ۹۰۰ء سے بطور نمونے تحریر کے جمع کیے گئے ہیں بعض پرچوں میں ایسا باریک خط لکھا ہوا ہے کہ وہ کاغذ پر مثل بال کے معلوم ہوتا ہے اور بغیر مدد خوردبین کے دیکھنے میں نہیں آسکتا اور جب کہ اس آلہ کے ذریعہ سے اس کو دیکھتے ہیں تو وہ نہایت صاف اور عمدہ چھاپہ کے حروف کی مانند معلوم ہوتا ہے۔

ٹرینٹی کالج کے کتب خانہ میں ایک ایسی کتاب ہے جس میں طرح طرح کے اشعار جان ملٹن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے درج ہیں جن میں Masque of Comus متعلق سوانگ وغیرہ اور پیراڈائز لاسٹ کا مسودہ درج ہے جو ملٹن صاحب نے اس وقت تصنیف کی تھی جب کہ وہ اس کو ایک قصہ کی کتاب کی بنیاد قرار دینا چاہتے تھے اور لائسڈاز Lycidas کی مثنوی اور چھوٹی چھوٹی مثنویاں درج ہیں جو خاص ملٹن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔

کیمبرج کی یونیورسٹی کی سیر سے جو اس قدر دانش مندی اور فیاضی اور جاں فشانی اور محنت کے ثبوت میری نظر سے گزرے ان کے دیکھنے سے مجھ کو نہایت حیرت ہوئی اور میں نے اپنے دل میں بہ آرزوئے تمام یہ دعا مانگی کہ میرے وطن ہندوستان میں جو ہندوستانیوں کی طبیعتوں میں ہنوز ہمسری اور ترقی کا جوش نہیں ہے وہ بہت جلد برانگیختہ ہوتا کہ اس کو بھی آئندہ کسی زمانہ میں جو نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہنوز بہت دور ہے علوم وفنون میں مشرقی ملکوں میں ایسی ہی شہرت اور عظمت حاصل ہو جیسی کہ انگلستان کو مغربی ملکوں میں حاصل ہے۔

راقم

سید احمد

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۳؍جنوری ۱۸۷۱ء)●●●

وینچسٹر کالج

وینچسٹر کالج انگلینڈ کے پبلک اسکول میں سے ہے اور جن میں سے ایٹن، ہیرو اور رگبی بھی ہیں۔ چوں کہ میرے ہموطنوں کو وینچسٹر کالج سے اس قدر واقفیت نہیں ہے جتنی کہ مندرجہ بالا کالجوں سے ہے۔ اس لیے اس ملک کے آدمی اس کا حال زیادہ شوق سے سنیں گے۔ جیسا کہ حال میں ایک شخص نے کہا ہے ''انڈین سول سروس کے امتحان کے لیے تیار کرنے کے طریقہ سے آگاہ ہونے کی غرض سے ہم نے ایک مرتبہ اس کی نسبت یہ سوال کیا کہ کون سا اسکول عمدہ تیار کیے ہوئے امیدوار اس امتحان کے لیے بھیجتا ہے؟ فوراً ہم کو جواب ملا، 'وینچسٹر کالج' اور ہم اس کو بالکل یقین کرتے ہیں۔ وینچسٹر اسکول کا طریقہ سچا طریقہ ہے۔ یہ لڑکوں کو اپنے حتی المقدور کوشش کرنے اور اپنے مطالعہ میں مصروف ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ وینچسٹر کالج کا طالب علم صرف نمبروں ہی پر بھروسہ کرنے کے لیے جو کہ اس کو ہفتہ وار اپنا کام اچھی طرح کرنے پر ملتے ہیں اسکولوں میں اپنی حالت کا اندازہ کر سکتا ہے، اگر نمبر نہیں تو ترقی بھی نہیں وہاں کا ایک قاعدہ ہے۔'' اور جس طریقہ سے مستعد طالب علم کمال کے درجے کو پہنچ سکتا ہے۔ ہمارے ناظرین اس اسکول کا جو کہ اس قدر مشہور ہے کچھ زیادہ حال سننے کے مشتاق ہوں گے۔

پانچ سو برس سے کچھ زیادہ عرصہ گزرا کہ وہیمپ شائر کے ایک قصبہ میں ایک معمولی کاشتکار بشپ آف وینچسٹر کے درجہ پر پہنچا اور اس کا اختیار اور دبدبہ اسٹیٹ میں بہت ہوا۔ اس زمانہ میں یہ طریقہ کہ طالب علم آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں کالجوں ہی میں اپنے استادوں کی زیر نگرانی رہیں، نہیں تھا۔ وہ جہاں اور جس طرح چاہتے رہتے تھے۔ یہ طریقہ صرف ان کی تحصیل علم کی ترقی ہی کو نہیں روکتا تھا بلکہ ان کو بداخلاق

اور برباد کر دیتا تھا۔ بشپ وگھم اس سے ایک عمدہ طریقہ قائم کرنے کی کوشش میں مشغول ہوا اور ۱۳۷۹ء میں اس نے نیو کالج آکسفورڈ قائم کیا اور جس میں طالب علم ہر وقت کالج کے منتظموں کی نگرانی میں رہتے تھے اور جو ان کے اخلاق اور طینت کے بھی نگراں تھے۔ اس کے قائم کرنے سے اس کی غرض صرف اوروں کو ایک عمدہ نظیر قائم کرنے کی ہی نہ تھی بلکہ عام تعلیم کا طریقہ جس کو اس نے مدت سے اپنے دل میں سوچ رکھا تھا قائم کرنے کی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک ابتدائی انسٹی ٹیوشن قائم کرے جس میں غریب لڑکے کافی طور سے اس درجہ تک کہ وہ آکسفورڈ میں داخل ہونے کے لائق ہوں تعلیم پا سکیں کیوں کہ اگر وہ اپنے تئیں یونیورسٹی میں بغیر کافی تیار ہوئے پیش کرتے تو وہ اپنی مرضی کے مطابق تحصیلِ علوم کے لیے داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے ایک ابتدائی اسکول کی ضرورت ہوئی اور جس غرض سے وینچسٹر میں کالج آف سنٹ میری قائم ہوا، ابتدائی بنیاد کا پتھر ۲۶ر مارچ ۱۳۸۷ء کو رکھا گیا اور عمارت تیار ہونے کے بعد ۲۴ر مارچ ۱۳۹۳ء کو اس مکان میں جاری ہوا۔ چار سو برس تک اس کا انتظام جیسا کہ اس کے بانی نے کیا تھا رہا لیکن کالج کو زیادہ شہرت ہوتی گئی اور اس کی آمدنی بہت زیادہ بڑھتی گئی اور اس قدر طالب علم اس میں داخل ہونے لگے کہ انسٹی ٹیوشن کے زیادہ تر طالب علموں میں پھیلانے کی غرض سے خواہ وہ بورڈر رہوں یا نہ ہوں فیس ادا کرنے کو داخل کیے جاتے ہیں۔ اس وقت اسکول میں اوّل قسم کے طالب علم قریب ایک سو بیس کے ہیں اور قریب تین سو کے دوسری قسم کے۔ اس حصہ سے علاحدہ ہونے سے پیش تر ہم اسی شخص سے جس کا کہ ہم اوپر بھی حوالہ دے چکے ہیں ایک اور حوالہ دیتے ہیں اس نے کہا کہ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وینچسٹر کے طالب علم بہ نسبت پڑھنے کے بے فائدہ کھیل کی طرف کم متوجہ ہوتے ہیں اور بہ نسبت اور اسکول کے لڑکوں کے وہ بہت زیادہ متین اور مستقل مزاج ہوتے ہیں اور علاوہ ان سب باتوں کے وہ اپنے آپ پر بھروسہ کرنے والے دلیر اور شائستہ ہوتے ہیں اور ان میں تمام سچی خلقی صفتیں ایک نوجوان انگلش جنٹل میں کی بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ وہ جسمانی

ورزشوں میں ایٹن، ہیرو اور رگبی کے طالب علموں کے برابر رہتے ہیں اور عام علمی مقابلوں میں وہ ان اور بڑے اسکولوں کے طالب علموں سے بہت زیادہ بڑھے رہتے ہیں۔

صرف ایک حصہ اصلی عمارت کا بدستور اسی طرح پر ہے اور سب سے اندر کا کواڈرینگل (مربع) ہے جس میں کہ ابتدائی چھ کمرے شامل ہیں اور جن میں ابتدائی ستّر (۷۰) طالب علموں کو قریب چار سو نوّے برس کا عرصہ ہوا، اس کے بانی نے خود داخل کیا تھا اور جن میں اب بھی کچھ طالب علم رہتے ہیں۔ اس کے دروازہ پر قد آدم تصویر اس کے بانی کی لگی ہوئی ہے اور مغربی دیوار پر ایک پتھر نصب ہے جس میں حصول علم کے نتیجوں کی علامات اور ایک عبارت لیٹن زبان میں جس میں چند نصیحتیں ہیں، کندہ ہیں۔ اس کے اوپر ایک بشپ کا تاج اور ایک عصا بنا ہوا ہے جو کہ اس انعام کو ظاہر کرتا ہے کہ جو ایک کامیاب دین دار طالب علم حاصل کرسکتا ہے یعنی وہ اعلیٰ درجہ کی عزّت بشپ کے برابر حاصل کرسکتا ہے یا وہ سول کے محکمہ میں داخل ہوسکتا ہے جیسا کہ دوات سے جو اس پر بنی ہے ظاہر ہوتا ہے یا جیسا کہ تلوار سے ظاہر ہوتا ہے وہ فوج میں داخل ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ پڑھنے کی طرف توجہ نہ کرے تو سزا کی علامت یعنی چابک اس کے سامنے بنا ہوا ہے۔ اسی طرح پر لیٹن نصیحتوں کا مطلب ہے یعنی 'یا تو پڑھو یا چلے جاؤ یا یہاں رہو اور جسمانی سزا کو برداشت کرو' سخت اور بے آرام تپائیاں جن پر طالب علم نسلاً بعد نسلٍ بیٹھتے آئے ہیں اب تک وہاں موجود ہیں۔ بڑی صندوق جس کو اسکاب کہتے ہیں اور جس میں لڑکے اپنی کتابیں رکھتے ہیں اب تک موجود ہیں۔

نیو کالج آکسفورڈ اور وینچسٹر کالج کا ایک ہی ماٹو ہے یعنی عمدہ برتاؤ سے آدمی کامل ہوتا ہے۔ یہ بہت عمدہ ماٹو ہے اور ہم کو ہمیشہ اسے دل میں رکھنا چاہیے۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔ ۱۲ر نومبر ۱۸۸۱ء)

●●●

شمالی لندن کا کالجیٹ اسکول لڑکیوں کے واسطے

میں مدت سے اس بات کا مشتاق تھا کہ اس ملک کی عورتوں کے مدرسوں کا معائنہ کروں اور جس طریقہ میں وہاں تعلیم ہوتی ہے اس کو بخوبی دریافت کر کے اس کے نتیجہ سے اپنے ان ہم وطنوں کو مطلع کروں جو ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کے موئد ہیں اور اس کو ترقی دیتے ہیں چنانچہ میری آرزو مسٹر برانڈرتھ صاحب بہادر کمشنر سابق دہلی کی عنایت و مہربانی سے بہت اچھی طرح پوری ہوگئی یعنی صاحب ممدوح نے بمجرد میری درخواست کے مس بس صاحبہ کو جو اسی مدرسہ کی اول معلّمہ ہیں اس مضمون کی ایک چٹھی لکھی کہ وہ مجھ کو اور دو اور شخصوں کو از راہ مہربانی مدرسہ مذکور کی سیر کرنے کی اجازت دیں اور اس کی ضرورتوں سے ہم کو مطلع کریں مس بس صاحبہ نے نہایت اخلاق اور مہربانی کے ساتھ اس درخواست کو منظور کر لیا اور ۲۶ر فروری ۱۸۷۰ء کو میں معہ کرنل براچر صاحب کے مدرسہ مذکور کی سیر کے واسطے گیا اور فوراً لوگوں نے ہم کو مس صاحبہ کے کمرہ میں پہنچا دیا ہم نے مس صاحبہ موصوفہ کو نہایت خلیق اور ہوشیار اور اپنی دانست میں اس بڑے کام کے انجام دینے کے قابل پایا جو انھوں نے اپنے ذمہ لیا تھا۔

تمام جماعتوں اور مدرسہ کا انتظام مس بس صاحبہ کی نگرانی میں تھا جن کی مددگار مس بیگی صاحبہ اور مس بلاس صاحبہ اور اور بہت سی معلّمہ ہیں وہاں مضامین مندرجہ ذیل میں تعلیم دی جاتی ہے۔

زبان فرانسیسی، زبان جرمنی، زبان اٹلی، علم ریاضی، زبان رومی، زبان انگریزی، گانا، تال سُر ملانا، نقشہ کھینچنا، نقاشی کرنا، لکھنا، جغرافیہ، جسمانی محنت کے ذریعہ سے بدن کا درست کرنا، اور ناچنا۔ مس چسیر صاحبہ اعضائے حیوانی کے حرکات کے علم کی بھی تعلیم دیتی ہیں

اس مدرسہ میں دو بورڈنگ ہوس شامل ہیں اور طالب علموں کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو وہ پسند کریں اس میں داخل ہوں سلسلہ تعلیم میں مضامین مندرجہ ذیل شامل ہیں۔

درجہ اول مدرسہ اعلیٰ:

مذہبی تعلیم، انگریزی زبان اور عبارت نویسی، تواریخ، جغرافیہ، حساب، اصول زبان رومی و جرمنی، زبان فرانسیسی، نمونہ سے نقشہ کھینچنا، زیبائش اور طبع زاد نقشے کھینچنا، جماعت میں گانا، علم طبیعات کی خاص خاص حقیقتیں اور علوم وفنون کی اور شاخیں جو عام لکچروں کے ذریعہ سے سکھلائی جاتی ہیں اور ان کی تشریح نمونوں اور نقشوں اور آلات کے ذریعہ سے کی جاتی ہے، سادہ سوئی کا کام۔

درجہ اوسط وادنیٰ مدرسہ اعلیٰ:

مذہبی تعلیم، قواعد صرف ونحو، انگریزی وترکیب الفاظ بیان کرنا، لکھنا، حساب سبق مختلف اشیا کی نسبت، زبان فرانسیسی، تواریخ، جغرافیہ، نقشہ کشی، جماعت میں گانا، علم طبیعات کی خاص خاص حقیقتیں اور علوم وفنون کی اور شاخیں جو لکچروں کے ذریعہ سے سکھلائی جاتی ہیں اور ان کی تشریح نقشوں اور آلات وغیرہ کے ذریعہ سے کی جاتی ہے، سادہ سوئی کا کام۔ مدرسہ سال کی تین میعادوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

فیس:

فیس داخلہ نصف گنی (گنی دس روپیہ کی اشرفی ہوتی ہے) اور ہر ایک میعاد کی بابت تین گنی اور جو طالب علم چودہ برس کی عمر سے زیادہ داخل ہوں ان سے چار گنیاں فیس لی جاتی ہے۔

زائد فیس بابت ہر ایک میعاد کے

	شلنگ	پونڈ
زبان رومی	۱	۱
زبان اٹلی	۸	۱

	شلنگ	پونڈ
زبان جرمنی	۱	۱
ناچنا	۱۵	۱
آبی رنگ سے نقاشی کرنا	۸	۱
ریاضی	۸	۱
باجے بجانے کے اصول	۱	۱
ایک مدرس کے پاس باجا بجانا سیکھنا	۱	۱
گانا	۱۱	۱
تال سُر ملانا	۱	۱
پینس گانے بجانے کی مشق روزمرہ	۶	۱۰
جسمانی محنت	۶	۱۰

تعلیم وتربیت کا صیغہ:

اس صیغہ کا یہ مقصد ہے کہ وہاں جن لڑکیوں کی عمر دس برس کی ہو ان کو ایسی تعلیم دی جاوے جس کے ذریعہ سے وہ مدرسہ کے اندر اعلیٰ جماعت میں شریک ہونے کے لائق ہو جاویں مدرسہ کا وقت ساڑھے نو بجے سے ایک بجے تک ہے۔

دو پونڈ دو شلنگ فی میعاد فیس لی جاتی ہے اور اگر ضرورت ہوتی ہے تو سہ پہر کے وقت گانے بجانے کی تعلیم دی جاتی ہے۔

طالب علموں کے چال چلن اور ترقی کی رپورٹیں ہر ایک میعاد کے آخر میں ان کے والدین کے پاس بھیجی جاتی ہیں۔

مس ڈیوڈ لینگ صاحبہ کے اختیار میں تین وظیفے ہیں جن کو وہ ہر سال اپنی مرضی کے موافق طالب علموں کو دیتی ہیں۔

مس ریڈ صاحب کے فنڈ کے امانت دار ایک وظیفہ طالب علموں کو دیتے ہیں جو دو برس تک بیڈفورڈ کالج میں ملتا ہے اس وظیفہ کا تصفیہ ایک امتحان کے ذریعہ سے ہوتا ہے

اور طالب علموں کی لیاقت دریافت کرنے کے واسطے وقتاً فوقتاً ان کا امتحان لیا جاتا ہے اور تیوہار ایسٹر پر سالانہ امتحان ہوتا ہے اور اس وقت ہر ایک جماعت کے طالب علموں کو مختلف مضامین میں انعام دیا جاتا ہے۔

اس مدرسہ میں کیمرج کے امتحانوں اور اس امتحان کے واسطے جو لندن کی یونیورسٹی میں ہوتا ہے اور پریپسپڑوں (Preceptors) کے کالج کے امتحان کے واسطے لڑکیاں تیار کی جاتی ہیں مدرسہ کے کھلنے کے وقت اول کتاب مقدس میں سے کچھ عبارت پڑھی جاتی ہے بعد اس کے انگلستان کے گرجا کی بعض مناجاتیں پڑھی جاتی ہیں لڑکیاں انگلستان کے گرجا کے سوال و جواب اور مذہبی مسائل سیکھتی ہیں ہفتہ میں ایک مرتبہ ایک پادری کچھ مذہبی رسمیات ادا کرتا ہے اور ایک حمد کا نغمہ گایا جاتا ہے اور مختصر گفتگو کرتا ہے ہفتہ میں ہر ایک جماعت میں ایک مرتبہ کتاب مقدس کا سبق ہوتا ہے۔

اگر کسی لڑکی کو انگلستان کے گرجا کے اصول کی تعلیم نہ ہوئی ہو تو کتاب مقدس کا کوئی مقام جس کی نسبت اس کے والدین اعتراض کریں مثلاً سوال و جواب اور مسائل مذہبی اس کو نہیں سکھلائے جاتے اور اگر فرقہ رومن کیتھولک میں سے ہو یا یہودی ہو تو کتاب مقدس کا کوئی سبق اس کو نہیں پڑھایا جاتا ہے اور کئی مرتبہ ایسا ہی اتفاق ہوا ہے جب کبھی کوئی مرد کسی سبق کی تعلیم دیتا ہے تو ایک معلّمہ ہمیشہ موجود رہتی ہے اور ہر ایک سبق کا ایک رجسٹر میں نشان کر دیا جاتا ہے جو اسی مقصد کے واسطے رکھا جاتا ہے جو طالب علم بعض معین نمبر حاصل کر لیتے ہیں تو وہ ایک انعام کے مستحق ہوتے ہیں جو ان کے دوستوں اور والدین کے سامنے سالانہ جلسہ میں دیا جاتا ہے ہر ایک میعاد میں ایک امتحان ہوتا ہے جس کے سبب سے طالب علموں کو زیادہ نمبر ملتے ہیں اور وہ ان کے روزانہ نمبروں میں زیادہ کر دئے جاتے ہیں نیک چلنی کے عوض میں نمبر دینے سے طالب علموں کو ٹھیک وقت پر آنے کی ہدایت کی جاتی ہے اور غیر حاضری کے عوض میں بھی گو وہ کسی سبب سے ہو نمبر کم ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی لڑکی اپنا سبق بے پروائی سے یاد کرتی ہے تو بھی اس کے نمبر کم

ہو جاتے ہیں جو عام رائے طالب علموں میں نسبت برائی بھلائی کے قائم ہے اور جس کا اثر بڑے بڑے گروہوں میں ہوتا ہے اس کے ذریعہ سے قواعد کی پابندی اور مدرسہ کا انتظام بخوبی قائم ہے پس ایک دانشمند معلّمہ انتظام اور لڑکیوں کو فرمانبردار رکھنے میں ان کے درمیان یہ خواہش پیدا کرنے سے کہ وہ اپنی نیک چلنی کے سبب سے مدرسہ میں سرخروئی حاصل کریں اور اپنے معلموں اور والدین کو خوش رکھیں ان سے بہت کچھ کام لے سکتی ہے۔

سوائے نقصان نمبروں کے اور کوئی بڑی سزا طالب علموں کو نہیں دی جاتی ہے اور اگر وہ سبق کے یاد کرنے میں بے پروائی کریں تو ان کو زیادہ سبق دیا جاتا ہے یعنی طالب علموں کو جماعت کے بموجب آٹھ سے لے کر پندرہ سطر تک حفظ یاد کرنی پڑتی ہیں اور ہر ایک میعاد میں ہر ایک طالب علم کے والدین کے پاس ان زائد سبقوں اور نمبروں کا ایک مفصل حال لکھ کر بھیج دیا جاتا ہے کیمبرج کے امتحان کے نتیجہ مندرجہ ذیل سے واضح ہوگا کہ یونیورسٹیوں کے امتحانوں میں بہت سے طالب علموں کو کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

کیمبرج امتحانوں کا نتیجہ:

۱۸۶۳ء: میں تین طالبات اول درجہ میں اور بارہ طالبات دوسرے درجہ میں کامیاب ہوئیں۔

۱۸۶۵ء: میں نو طالبات نے اول درجہ اور چھ طالبات نے دوسرے درجہ کی سند حاصل کی تھی۔

۱۸۶۶ء: میں تین طالب طالبات نے اول درجہ میں امتحان پاس کیا اور تیسرے درجہ کی سندِ اعزاز حاصل کی اور چار نے دوسرے درجہ میں امتحان پاس کیا اور دوسرے درجہ کی سند اعزاز حاصل کی۔

۱۸۶۷ء: میں نو طالبات نے اول درجہ میں امتحان پاس کیا اور تیسرے درجہ کی سندِ اعزاز حاصل کی اور آٹھ نے دوسرے درجہ میں امتحان پاس کیا جن میں سے ایک نے اول درجہ کی اور دوسرے نے دوسرے درجہ کی سندِ اعزاز حاصل کی۔

پری سپڑوں کے کالج کے امتحان کا نتیجہ:

چھ طالبات نے امتحان میں اول درجہ کی اور دو نے دوسرے درجہ کی اور باقی نے تیسرے درجہ کی سندِ اعزاز حاصل کی۔

مس بس صاحبہ ہم کو متعدد کمروں میں لے گئیں اور ان میں ہم نے لڑکیوں کو اپنی جماعت میں بیٹھا ہوا اور پڑھنے میں نہایت دل سے متوجہ پایا اس وقت ایک جماعت جغرافیہ اور دوسری جماعت قواعد صرف ونحو اور باقی جماعتیں حساب کے سوالات حل کر رہی تھیں اور ایک جماعت باجا بجانا سیکھ رہی تھی مگر کوئی جماعت نقشہ نہیں سیکھتی تھی البتہ ہم اس کمرے میں گئے جہاں اس فن کی تعلیم ہوتی ہے اور وہاں چند لکڑی کی تصویریں آدمیوں کی اور مکانات وغیرہ کے نمونے رکھے ہوئے تھے تا کہ طالب علم ان کو دیکھ کر نقشہ کشی میں مشق حاصل کریں۔ آخر کار اس مدرسہ کی نسبت مس بس صاحبہ سے ہر ایک طرح کی اطلاع حاصل کر کے جو نہایت لیاقت اور دانائی کے ساتھ اس کا انتظام کرتی ہیں اور ان کا شکریہ ادا کر کے ہم ان سے رخصت ہوئے۔

آپ کا دوست

سید احمد

از مقام لندن مورخہ یکم اپریل ۱۸۷۰ء

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۰ رمئی ۱۸۷۰ء)

●●●

ایتھینیم کلب

لندن میں یہ ایک نہایت اور نامی و معزز کلب ہے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ معزز کوئی کلب نہیں ہے۔ اس کلب میں جو کوئی ممبر ہوتا ہے اس کے دوست اس کو مبارک باد کی چٹھیاں لکھتے ہیں اور اس کو ایسا فخر ہوتا ہے کہ ویسا فخر کسی خطاب کے ملنے سے بھی نہیں ہوتا۔

اگر ہماری یاد میں غلطی نہ ہو تو اس کلب میں یہ قاعدہ ہے کہ کوئی شخص جو صاحب تصنیف نہ ہو یا اور کسی کمال میں مشہور نہ ہو وہ اس کلب کا ممبر نہیں ہوسکتا یہ بھی قاعدہ ٹھہرایا ہے کہ اس کلب میں بارہ سو ممبر سے زیادہ نہ ہوں گے۔ سینکڑوں آدمیوں کی درخواستیں ممبر ہونے کے لیے آتی ہیں کہ بروقت خالی ہونے کسی ممبر کے ان کا تقرر ہو اور ان کا نام بطور امیدواران ایک رجسٹر میں مندرج ہوتا ہے۔ ۱۸۷۰ء میں جب کہ ہم لندن میں تھے تین ہزار سے زیادہ امیدواروں کا نام رجسٹر میں مندرج تھا اور دس دس اور بارہ بارہ برس امیدواری پر گذر گئے تھے۔

دوامی ممبروں کے سوا جن کی تعداد بارہ سو سے زیادہ نہیں ہوسکتی کوئی نامی اور مشہور شخص کسی میعاد معین کے لیے آنریری ممبر ہوسکتا ہے ہم کو دو دفعہ اس کلب کے آنریری مقرر ہونے کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ پہلے تقرر کی میعاد گذر جانے کے بعد دوسری دفعہ پھر تقرر ہوا اور جب تک ہم لندن میں رہے اس معزز کلب کے آنریری ممبر تھے۔ ایڈورڈ ٹامس[۵۳] صاحب جو نہایت ذی علم اور نامی مصنف ہیں اور قدیم زمانہ کے تاریخی حالات کی تحقیقات میں اور قدیم سکوں اور کتبوں کے انکشاف حال میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور اس کلب کے منتظم ممبروں میں ہیں وہ ہمارے آنریری ممبر ہونے کے باعث ہوتے تھے جس کی عزت ہمیشہ میرے دل میں رہے گی۔

اس کلب کے روحانی خوبیوں کا لکھنا تو نہایت مشکل ہے مگر جو ظاہری باتیں ہیں ان کا کسی قدر بیان کیا جاتا ہے گو اس کا لطف بھی بغیر دیکھے حاصل نہیں ہوسکتا مثل مشہور ہے:

''شنیدہ کے بود مانند دیدہ''

پال مال میں ایک نہایت عالیشان مکان دومنزلہ بنا ہوا ہے ممبر جو وہاں جاتے ہیں اکثر حاضری کھا کر جاتے ہیں اور رات کا کھانا کھا کر آتے ہیں ممبروں یا آنریری ممبروں کے سوا اور کسی کو وہاں جانے کا استحقاق نہیں ہے جب اس کے دروازہ میں داخل ہوتو نیچے کا ایک کمرہ ملتا ہے جس میں فرش ہے اور دو تین کوچیں بچھی ہوئی ہیں اور اس کے کونہ میں ایک چھوٹا کمرہ بطور حجرہ کے بنا ہوا ہے جس کی دیواریں آئینہ بندی کی ہیں۔ اس میں ایک شخص بطور مینجر کے حاضر رہتا ہے جو تمام احکام ممبران کی تعمیل کرتا ہے اس چھوٹے کمرے کی دیواریں آئینہ بندی کی اس لیے ہیں کہ جو شخص وہاں آوے مینجر کو معلوم ہو۔

جو کہ اس کلب میں ممبر بہت دیر تک رہتے ہیں اور ان کے دوستوں کو ان کے گھر پر ان سے ملنے کا بہت کم موقع ہوتا ہے اس لیے ان کے دوست بحالت ضرورت کلب ہی میں ان سے ملنے آتے ہیں،۔ اور اس ڈیوڑھی کے کمرہ میں ٹھہرتے ہیں جو ملازم بطور چپراسی حاضر باش کے وہاں موجود ہوتا ہے اس کو اپنا ٹکٹ دیتے ہیں اور وہ چپراسی اس ٹکٹ کو اس ممبر کے پاس پہنچا دیتا ہے جس سے ملنے وہ آتے ہیں وہ ممبر وہاں آجاتا ہے اور مل کر چلا جاتا ہے یہ ملاقات گپ شپ کی ملاقات نہیں ہوتی ضروری بات سن لی جواب دیدیا چار پانچ منٹ سے زیادہ ملاقات میں صرف نہیں ہوتے۔

اس ڈیوڑھی کے کمرہ کے دائیں طرف ایک نہایت وسیع کمرہ بطور ہال کے ہے یہ کمرہ اخباروں کے پڑھنے کا ہے۔ نہایت عمدہ فرش سے آراستہ ہے عمدہ عمدہ کوچیں اور آرام چوکیاں بچھی ہوئی ہیں بیچ میں درجہ دار گول میز لگی ہوئی ہے جس پر گویا تمام دنیا کے اخبار رکھے جاتے ہیں چاروں طرف دیواروں میں عمدہ عمدہ جغرافیہ کے نقشے اس حکمت

سے لگے ہوئے ہیں کہ ایک ادنیٰ اشارہ سے کھل جاتے ہیں اور ادنیٰ اشارہ سے از خود لپٹ جاتے ہیں جو ممبر اخبار پڑھنا چاہتے ہیں اس کمرہ میں آتے ہیں اور کوچوں اور آرام چوکیوں پر بیٹھتے اخبار پڑھتے ہیں اگر کسی خبر میں ایسا مضمون ہوا جس کے سمجھنے کو جغرافیہ کا نقشہ دیکھنا ضروری ہے ایک اشارہ ڈوری کا کیا نقشہ کھل گیا جب دیکھ لیا چھوڑ دیا نقشہ از خود لپٹ گیا۔ کوئی شخص اس کمرہ میں آپس میں باتیں نہیں کرتا خاموش مثل تصویر اخبار پڑھتے ہیں جو کوئی آتا ہے نہایت آہستہ سے چلتا ہے کہ پاؤں کی آواز نہ ہو اور دوسروں کو پڑھنے میں حرج نہ ہو اور دھیان نہ بٹے۔

اس کے پہلو میں ایک اور بڑا کمرہ ہے اس میں لکھنے کا سامان ہر قسم کا موجود ہے بیچ میں گول میز درجہ دار لگی ہوئی ہے ہر قسم کا کاغذ اور چٹھیات لکھنے کا متعدد قسم کے کاغذ و لفافے رکھے ہوئے ہیں۔ لکھنے کے خوب صورت مقام مہیا ہیں اور ہر جگہ دوات و قلم موجود ہے جس ممبر کو کچھ لکھنا ہو اس کمرہ میں جاتا ہے اور لکھنے میں مصروف ہوتا ہے۔

جو ممبر چٹھیات ڈاک کی روانگی کے لئے لکھتے ہیں انھوں نے چٹھی لکھی اور اسی میں ایک نل بنا ہوا ہے اس میں ڈال دی وہ چٹھی اس مینیجر کے پاس پہونچی اس نے اس کا وزن کیا ڈاک کے محصول کے ٹکٹ لگائے اور روانہ کر دی۔

جو لوگ اس کلب کے ممبر ہیں ان کے نام کی چٹھیاں اکثر اسی کلب کے پتہ سے آتی ہیں جو لوگ وہاں موجود ہوتے ہیں مینیجر ان کو وہ چٹھیاں تقسیم کر دیتا ہے جو اور ملک میں چلے جاتے ہیں وہ اپنا پتہ مینیجر کو بتلا جاتے ہیں اور وہ اس پتہ پر روانہ کر دیتا ہے ہر ایک ممبر کے لیے ڈاک کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ شاید اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

ڈیوڑھی کے کمرے کے بائیں طرف ایک اور بہت وسیع کمرہ ہے یہ کھانے کا کمرہ ہے جو نہایت عمدگی سے کھانا کھانے کے سامان سے آراستہ ہے تمام عمدہ سے عمدہ اشیاء کھانے و پینے کے یہاں موجود ہیں خانساماں و خدمتگار نہایت خوب صورت وردیاں پہنے حاضر ہیں جا بجا چھوٹی و بڑی میزیں لگی ہوئیں ہیں ہر وقت ہر چیز موجود ہے جس ممبر کا

دل چاہے اس میں جاوے اور جو چاہے کھاوے اور پھرے چرٹ بھی نہایت عمدہ اقسام کے موجود ہوتے ہیں چرٹ پینے کے لیے ایک علاحدہ کمرہ ہے جس کی دیواریں اور چھت بالکل آئینہ بندی کی ہیں اس کے اندر سے باہر کا چمن پھولوں کا بالکل دکھائی دیتا ہے اس کی چھت میں دھواں نکلنے کے لیے ایک روشن دان ہے جس میں چرٹ کا دھواں نکل جاتا ہے۔

لندن میں جو کہ سردی ہے اور اس سبب سے ہمیشہ کمروں کے کواڑ بند رہتے ہیں اس لیے چرٹ پینے کے لیے علاحدہ خاص کمرہ ہوتا ہے ہر کمرہ میں چرٹ نہیں پی سکتے کیوں کہ اس کا دھواں باہر نہیں نکل سکتا اور کمروں کی دیواروں پر جو سنہری و گلدار کاغذ لگا ہوتا ہے اس میں چرٹ کے دھوئیں کی بو ہو جاتی ہے اور اس لئے ہر جگہ چرٹ پینا ایک بدتمیزی کی بات خیال ہوتی ہے اور چرٹ پینے کا کمرہ علاحدہ ہوتا ہے۔

اس کھانے کے کمرے میں نہایت عمدہ انتظام ہوتا ہے اس میں ممبروں کو اختیار ہے کہ تنہا کھاویں یا چند ممبر جو آپس میں نہایت دوست ہیں ایک میز پر کھاویں وہ خانساماں کو حکم دیتے ہیں کہ پانچ آدمی یا چھ آدمی یا زائد یکجا کھاویں گے وہ فی الفور اسی مقدار کی میز کو آراستہ کر دیتا ہے جو ممبر وہاں جاتے ہیں اکثر ٹفن اور رات کا کھانا وہیں کھاتے ہیں رات کے کھانے میں آپس میں بولنے ہنسنے کی بات چیت کرنے کی کچھ ممانعت نہیں ہے۔

ہم بھی اس کمرہ میں چند دفعہ گئے ہیں مگر ایک رات جب کہ ہمارے دوست ایڈورڈ طامس صاحب نے بلایا تھا نہایت لطف تھا قریب پندرہ سولہ آدمیوں کے ایک میز پر تھے اور اس میز پر تین شخص ایشیا کے رہنے والے تھے ایک ایڈیٹر اخبار ھٰذا ایک حاجی محمد حسین سفیر شاہ ایران اور ایک منشی صاحب جن کا نام اس وقت یاد نہیں ہے اور مدرستہ العالیہ دارالسلطنت روس کے مدرس اول زبان فارسی کے تھے اور اسی زمانہ میں سینٹ پیٹرس برگ سے لندن کی سیر کو آئے تھے نہایت لطف سے وہ کھانا ہوا جس میں سوائے ایڈیٹر اخبار ھٰذا کے اور لوگ نہایت عالم و فاضل و نامی گرامی اور ایک نہ ایک فن میں مشہور و کامل تھے۔

اوپر کی منزل اس سے بھی زیادہ عجیب ہے ایک کمرہ نوکروں کے حاضر رہنے کا ہے۔ ایک کمرہ اس لئے ہے کہ وہاں جا کر چرٹ پی سکیں یا ٹہل سکیں علاوہ اس کے نہایت وسیع کمرہ ہے۔ سب کمروں سے زیادہ وسیع اس میں جا بجا لکھنے پڑھنے کی میزیں لگی ہوئی ہیں اور اس کے پاس نہایت عمدہ و نفیس کتب خانہ ہے جس میں داروغہ کتب خانہ حاضر رہتا ہے جو ممبر کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں کوئی کتاب یا رسالہ تالیف کرتے ہیں یا کوئی مضمون لکھنا چاہتے ہیں یا کسی بات کی تحقیقات پر کچھ لکھتے ہیں وہ اس کمرہ میں جاتے ہیں اور جو جگہ ان کے لیے تجویز ہوتی ہے وہاں بیٹھ کر اپنا کام کرتے ہیں جو کتاب درکار ہوتی ہے فی الفور کتب خانہ سے ملتی ہے یہ کمرہ درحقیقت تصویر کا عالم ہے بات کرنی یا آواز دینی تو درکنار کھانسنا بھی نامناسب خیال کیا جاتا ہے۔ اس قدر آہستہ سے اٹھنا اور چلنا ہوتا ہے کہ ذرا آواز نہ ہو بلکہ بقول شخصے کہ حرکت بھی نہ معلوم ہو ہر ایک شخص اپنے خیال میں اور اپنے دھن میں ایسا مصروف ہوتا ہے کہ اس کو دنیا و مافیھا کی خبر نہیں ہوتی بڑے بڑے عالم دانش مند اپنی فکر اور اپنے علم اور اپنی تحقیقات کا نتیجہ قلم کی زبان سے اس مقام پر دنیا کی اطلاع کے لیے ظاہر کرتے ہیں۔ اسی کمرہ میں ہم نے ڈین اسٹانلی کو دیکھا جو نہایت مشہور عالم لندن میں ہیں وہ کسی امر کی تحریر میں مشغول و مستغرق تھے پہلی دفعہ انھوں نے بے انتہا مہربانی ہم پر یہ کی کہ کرسی پر سے اُٹھ کر ہم سے ہاتھ ملایا اور پھر چپکے بیٹھ گئے۔ یہ پہلی ملاقات تھی۔ ہم خاموش ایک کونہ میں کھڑے ہو گئے اور چھپ کے ان عالموں کو دیکھا کئے جو اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ ان کو دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آتی تھی اور عقل متحیر ہوتی تھی کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں۔

لندن میں ایک اخبار چھپتا ہے جس کا نام پال مال گزٹ ہے ہم کو شبہ پڑ گیا ہے کہ یہ اخبار اسی کلب سے متعلق ہے یا اس سے علاحدہ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کلب کے اکثر ممبروں کے مضمون اور آرٹیکل اس اخبار میں چھپتے ہیں اور اسی لئے وہ اخبار نہایت عمدہ اور ذی وقعت خیال کیا جاتا ہے۔

ہمارے ہم وطن اس مضمون کو پڑھ کر کسی قدر خیال کر سکیں گے کہ یوروپ میں کلب کس مقصد کے لیے قائم ہوتا ہے اور کیا نتیجہ اس کلب سے حاصل ہوتا ہے ہندوستان میں اگر کوئی کلب قائم ہو تو اس کا نتیجہ بجز اس کے کہ ایک مکان میں چند صورتیں جمع ہو جاویں اور حقہ کی گڑ گڑ بلند آواز ہو اور پانوں کی تواضع کی جاوے اور آپس میں مل کر کچھ کچھ لغو و بیہودہ باتیں کریں اور قہقہے اُڑاویں اور کیا ہو سکتا ہے زیادہ ترقی ہو تو ایک دوسرے کو کچھ سخت کہہ بیٹھے کیا عجب ہے کہ نوبت رنجش اور سخت کلامی و ہاتھا پائی کی پہنچے ان تمام چیزوں موزوں کے لیے وہ لیاقت چاہیے جس کے لیے ایسے مجمعے موضوع ہیں جب ہم میں ایسے لوگ ہی موجود نہیں ہیں جو ایسے مقاموں اور ایسے مجمعوں کے موافق ہوں تو کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

ہم نے علی گڑھ میں سین ٹیفک سوئیٹی قائم کی اس کے لیے ایسا عمدہ اور عالیشان مکان بنایا جو اس وقت تک ہندوستان کے ہندوستانی مجمعوں کے لیے نہیں ہے پھر اس سے کیا نتیجہ ہے ہم وہ آدمی کہاں سے لاویں جو اس عالیشان مکان کو رونق دیں۔ ہم وہ آدمی کہاں سے لاویں جو لکچروں کے سمجھنے کی لیاقت رکھتے ہوں۔ ہم وہ آدمی کہاں سے لاویں جو اپنے ملک اپنی قوم کی بھلائی و ترقی کے لیے کچھ محنت اختیار کریں۔ اس کو جانے دو ہم کو تو ایسے دو چار آدمی بھی نہیں ملتے جو اس مکان میں بیٹھ کر اگر کچھ نہ کریں تو اپنی قوم کی ابتر حالت پر رووویں ہی۔

ہاں اس مکان کا باغ ایسا عمدہ آراستہ ہے جو بہت ہی کم اپنا نظیر رکھتا ہے وہ بھی کسی ہندوستانی کی سعی و کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک فیاض و عالی ہمت اور نیک دل نیک خصلت فرشتہ سیرت ھمہ تن نیکی و سرتاپا خیر مجسم یوروپین لیڈی کا نتیجہ ہے جس نے اپنے شوق و محنت سے اس کو آراستہ کر دیا ہے۔ ہماری قوم میں تو اتنی بھی لیاقت نہیں ہے کہ اس پُر فضا باغ کی سیر کے بھی موافق ہوں پس کسی جگہ کلب یا سوئیٹی قائم ہونے سے ہم کو کیا خوشی ہو سکتی ہے۔

اے ہمارے عزیز ہم وطنوں، ہماری قوم کے جو لوگ بوڑھے ہیں وہ کے دن کے ہیں ان کو خدا جلد بہشت نصیب کرے گا جو جوان ہیں ان سے ہاتھ اُٹھاؤ جب درخت کی شاخ سخت ہو جاتی ہے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے پر کسی طرف پھر نہیں سکتی ہاں اپنی اولاد کی جو چھوٹی پود ہے خبر لو ان کی تعلیم و تربیت کی فکر کرو تمہاری حالت تمہارے باپ دادا کی حالت سے زیادہ بدتر خراب ہے اور تمہاری اولاد کی حالت تم سے بھی بہت زیادہ بدتر اور ابتر ہوگی اگر تم اس کی فکر نہ کرو گے تمہاری ارواح قبر میں ان کے لیے رووے گی۔

سکرٹری محمڈن کلب الہ آباد نے اپنی رپورٹ میں مدرستہ العلوم علی گڑھ کا ذکر کیا ہے۔ ہم نہایت سچے دل سے اور تمہاری نہایت خیر خواہی سے کہتے ہیں کہ صرف یہی ایک علاج ہے جو تمہاری اولاد کی بھلائی و بہتری کے لیے ہو سکتا ہے۔ اے عزیز ہم وطنوں تم نے اس مدرسہ کی نہایت ناشکری کی ہے اور بہت کچھ جھوٹ اور محض غلط باتیں اپنی بداقبالی اور بدقسمتی سے اس کی نسبت رکھیں ہیں تم کو لازم ہے کہ تم آؤ اور اس کی حالت کو دیکھو اور خود اپنی دریافت اور اپنی تحقیقات سے اس پر رائے قائم کرو اور اس کی تکمیل پر ہمت باندھو دیکھو سمجھو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اس وقت تم جھوٹی باتیں بنا کر ہنس لو، قہقہے اُڑا لو مگر یقین جان لو کہ اس کے بعد رونا اور دانت پیسنا ہے۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۷/اگست ۱۸۶۹ء)

●●●

لاوارث اور محتاج بچوں کی حفاظت

یہاں صد ہا جلسے ایسے ہیں جن کا قیام صرف خیرات پر موقوف ہے اور وہ تمام انگلستان اور خصوصاً اس کے دارالسلطنت کے بڑے فخر وعزت کا باعث ہیں ان میں سے میری توجہ ایک جلسہ کی جانب زیادہ مائل ہوئی جس کا میں ایک مختصر بیان اس خیال سے آپ کے پاس بھیجتا ہوں کہ بعض قسم کی ترمیم کے بعد اسی قسم کا ایک جلسہ ہندوستان کے بعض اضلاع میں لاوارث محتاج اور قحط زدہ لڑکوں کی حفاظت کے واسطے بھی قائم ہوسکتا ہے اور اس سے بہت فائدہ حاصل ہونے کی توقع ہے اس جلسہ کا حال تفصیل ذیل کے موافق ہے۔

۱۷۲۰ء کے قریب ایک کپتان صاحب مسمی ٹامس کوریم لندن کے مشرقی حصہ کے اندر مقام راتھر ہاتھ میں رہتے تھے اور چونکہ ان کو اپنے پیشہ کے کاروبار کی ضرورت سے علی الصباح شہر میں جانا پڑتا تھا اور دیر سے اپنے گھر کو واپس آتے تھے اس جہ سے اکثر اوقات ان کو راستہ میں بہت سے بچے خراب وخستہ پھرتے ہوئے ملا کرتے تھے اور اُن کو یقین تھا کہ ان بچوں کی ماں نے یہ فعل ناجائز اس نظر سے کیا ہے کہ اُن کی نیک نامی کو بٹہ نہ لگے اور ان کی عزت وآبرو قائم رہے اس واسطے ان کے دل میں ایک ایسے اسپتال کے قائم کرنے کا خیال گزرا جس کے ذریعہ سے گنہگار عورتیں ایک نہایت سخت گناہ سے باز رہیں اور معصوم بچے ایسے ناجائز فعل کے خراب نتیجوں سے محفوظ رہیں۔

لیکن چوں کہ ابتدا میں لوگوں نے ان کی تدبیر کی تائید نہیں کی اس وجہ سے ۱۷۴۱ء تک اس اسپتال میں کوئی بچہ داخل نہیں ہوا بعد اس کے اشتہار مندرجہ ذیل کے بموجب ان کا داخل ہونا شروع ہوا۔

''کل آٹھ بجے شام کو یہ مکان کھولا جاوے گا اور اس میں بیس لڑکے شرائط مندرجہ ذیل کے موافق داخل ہوں گے۔ اول یہ کہ جس لڑکے کی عمر دو مہینے سے زیادہ ہوگی وہ اس مکان میں داخل نہیں کیا جاوے گا۔ دوم یہ کہ لڑکے کو کنٹھ یا جزام وغیرہ کی بیماری نہ ہو۔ سوم یہ کہ جو شخص کسی بچے کو لاوے گا اس سے کسی قسم کے سوالات دریافت نہیں کیے جاویں گے۔ چہارم یہ کہ ہر ایک لڑکے پر کسی قسم خاص کا نوشتہ یا کوئی اور علامت لگادی جاوے گی جس کے ذریعہ سے بوقت ضرورت آئندہ اس کی شناخت ہو جاوے۔''

چنانچہ یہ انتظام پندرہ برس تک ۱۷۴۱ء سے لے کر ۱۷۵۶ء تک جاری رہا اور اس عرصہ میں ۳۸۴ لڑکے یا بحساب اوسط بانوے لڑکے ہر سال اس اسپتال میں رہنے کے واسطے داخل ہوئے۔

کپتان کوریم صاحب نے ۱۷۵۱ء میں انتقال کیا اور چونکہ انھوں نے تمام مال واسباب فلاح عام کی تدبیروں میں صرف کر ڈالا تھا اسی وجہ سے وہ اس خیراتی کام کے واسطے جو ان کو بدل وجان منظور تھا کچھ روپیہ وقف نہ کر سکے۔

ان کی وفات کے بعد اس اسپتال کے منتظموں نے یہ توقع کی کہ وہ اسپتال کو وسعت دے سکیں گے لیکن اُن کو معلوم ہوا کہ سوائے پارلیمنٹ کے اور کسی ذریعہ سے ان کا مقصد بخوبی حاصل نہیں ہوسکتا ہے چنانچہ انھوں نے پارلیمنٹ سے امداد کی درخواست کی اور رزلیوشن مندرجہ ذیل ۶/اپریل ۱۷۵۶ء سے ثابت ہوتا ہے کہ اس درخواست پر بہت کچھ التفات کیا گیا ہے۔

''اس خیراتی جلسہ سے ہمیشہ کے واسطے عام فائدہ صرف اسی طرح سے پہنچ سکتا ہے کہ جو بچے خراب وخستہ اور لاوارث ہوں ان کی پرورش اور تعلیم کے واسطے اور جن لڑکوں کا داخل کرنا وہاں کسی کو منظور ہو ان کی خبر گیری کرنے کے واسطے اس کو مدد دی جاوے۔ اسپتال مذکور کی عام فائدہ رسانی اور قیام کے واسطے پارلیمنٹ کی امداد بھی ضرور ہے۔

اسپتال مذکور کو اس بات میں بھی مدد دینا ضرور ہے کہ وہ اس سلطنت کے تمام پرگنوں اور قسمتوں میں لاوارث بچوں کی پرورش کے واسطے مناسب جگہ مقرر کرے تا کہ اس کا فائدہ اور اثر عام ہو۔"

اس رزولیوشن کے ساتھ پارلیمنٹ نے اس بات کی بھی ذمہ داری قبول کر لی کہ وہ اس کی امداد کے واسطے بہت سا روپیہ دے گی تا کہ یہ وسیع کام خیرات کا بخوبی چل سکے۔

چنانچہ اسپتال کے دروازہ پر ایک ٹوکری آویزاں کر دی گئی اور اشتہار عام دے دیا گیا کہ جو لڑکے دو مہینے سے کم کے اسپتال میں داخل ہونے کے واسطے بھیجے جاویں گے وہ اسپتال میں رکھے جاویں گے اور ان کی خبر گیری کی جاوے گی۔

چنانچہ اس اشتہار کے بموجب ۲/ جون ۱۷۵۶ء کو جو داخل ہونے کا اول ہی دن تھا ایک سو سترہ لڑکے اسپتال میں داخل ہوئے۔

لیکن پارلیمنٹ کے اس رزولیوشن کا اثر ایسا تھا جیسا کہ ایک بڑے اور قوی دریا کے بند کھلنے کا ہوتا ہے کیوں کہ صرف قصبہ کے ہی حاکموں نے اپنے کارخانوں کو تمام محتاج بچوں سے خالی نہیں کر دیا بلکہ بیرون جات کے دور دور کے قصبوں نے صدہا آوارہ آدمیوں کی معرفت چھوٹے چھوٹے بچے اس اسپتال میں بھیجے اور ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اول ہی سال میں جبکہ بلا امتیاز ہر ایک طرح کے بچے اسپتال میں داخل کئے گئے تھے تین ہزار دو سو چھیانوے اور دوسرے سال میں چار ہزار پچاسی اور تیسرے سال میں چار ہزار دو سو انتیس اور چوتھے سال میں قریب دس مہینے کے عرصہ میں تین ہزار تین سو چوبیس بچے اسپتال میں داخل ہوئے لیکن بعد اس کے بلا امتیاز داخل کرنے کا طریقہ موقوف کر دیا گیا پس اس عرصہ قلیل میں چودہ ہزار نو سو چونتیس بچوں نے عوام کی رحمدلی سے پرورش اور حفاظت پائی۔

پارلیمنٹ کو اب بجز اس کے اور کوئی تدبیر نہ معلوم ہوئی کہ جو نا مناسب رزولیوشن اُس نے جاری کیا تھا اس کو منسوخ کرے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اسپتال کے منتظموں کی رائے پر اس بات کو چھوڑ دیا کہ جو مقصد اس کے آگے قائم کرنے والے کا

ان کی رائے میں ہو اسی کے بموجب عمل کریں اور جس طرح پر کہ اب تک دانائی اور امتیاز کے ساتھ اس میں خیرات ہوئی ہے اسی بنیاد پر اس کو قائم رکھیں۔

دستور مروجہ حال:

بچوں کے داخل کرنے کا موجودہ طریقہ بلا تبدیلی اصول اور دستور کے ساٹھ برس کے عرصہ سے زیادہ سے جاری ہے اور اسی طرح پہلے بھی جاری تھا۔

منتظموں کا بالفعل یہ دستور ہے کہ جو درخواست بچوں کے داخل کرنے کے واسطے دی جاتی ہے اس کا فیصلہ اس کے مراتب کے لحاظ سے کر دیتے ہیں بشرطے کہ شرائط مندجہ ذیل اول پوری ہو جاویں۔

اول یہ کہ لڑکا حرامی ہو مگر یہ شرط اس لڑکے کے واسطے نہیں ہے جس کا باپ سپاہی اور جہاز راں رہا ہو اور اپنے ملک کی بہتری کے واسطے مارا گیا ہو بلکہ ایسے محتاج لڑکے بلا لحاظ اس شرط کے داخل کئے جاویں گے۔

پس حقیقت میں اسپتال کے منتظموں نے یہ نہایت ہی عمدہ کام کیا ہے کہ سپاہیوں کے لڑکوں کو اس شرط سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ چنانچہ ۱۷۶۱ء میں جرمنی کی لڑائی اور ۱۷۹۴ء کی عام ملکی لڑائی میں اور نیز واٹرلو کی لڑائی میں منتظموں نے بلا تامل ان شخصوں کے محتاج لڑکوں کا اسپتال میں داخل کرنا شروع کیا جو ان لڑائیوں میں قتل ہوئے تھے۔

دوم یہ کہ بچے کی عمر بارہ مہینے سے کم ہو۔ سوم یہ کہ سائلہ نے اور کسی قصبہ میں اس لڑکے کی پرورش کی نسبت درخواست نہ کی ہو اور وہ لڑکا کسی کارخانہ میں اس کے پیدا نہ ہوا ہو۔ چہارم یہ کہ اپنی بدبختی یا لڑکے کے پیدا ہونے سے پہلے سائلہ کا چال چلن اچھا ہو۔ پنجم یہ کہ باپ اپنے بچے کو چھوڑ کر غائب ہو گیا ہو یا وہ اپنے لڑکے کی پرورش قبول نہ کرے۔

بالفعل اسپتال میں پانسو لڑکے پندرہ برس تک کی عمر کے ایسے ہیں جن کی اسپتال میں نہایت بچپن سے پرورش ہوئی ہے اس سے زیادہ لڑکے اسپتال میں داخل نہیں کئے جاتے ہیں کیوں کہ موجودہ فنڈ سے اسی قدر لڑکوں کی پرورش ہو سکتی ہے پس اور لڑکے

صرف اسی صورت میں داخل ہوسکتے ہیں کہ پیش تر سے وہ امیدوار ہوں یا کوئی لڑکا مرجاوے۔ پچھلے چند سال سے ہر سال بحساب اوسط اکتالیس لڑکے اسپتال میں داخل ہوئے ہیں اور اوسط تعداد درخواستوں کی دوسو چھتیس تھی۔

اسپتال کی آمدنی:

سابق میں یہ بیان ہوچکا ہے کہ کپتان کوریم صاحب ایسی حالت میں مرے تھے کہ وہ اسپتال کے فائدے کے واسطے کسی قسم کا وقف نہ کرسکے اس واسطے شروع میں اس کی آمدنی کا مدار صرف لوگوں کی خیرات پر تھا جو یا تو یکمشت ایک رقم دیتے تھے یا اس کے واسطے کچھ وقف کردیتے تھے جو شخص ابتدا میں اس کے منتظم ہوئے انھوں نے اس روپیہ کو نہایت احتیاط اور انتظام کے ساتھ صرف کیا اور جبکہ ۱۷۷۱ء میں ان کو اسپتال بنانے کے واسطے ایک عمدہ موقع کی تلاش ہوئی تو انھوں نے لندن کے قرب وجوار میں چند کھیتوں کو پسند کیا اور مبلغ پچپن ہزار روپیہ کو ارل آف سیلسبری سے ان کو خرید کیا مگر چونکہ یہ تمام زمین اسپتال کی ضرورت سے زیادہ تھی اس وجہ سے باقی زمین کا مکانات بنانے کے واسطے پٹہ دیا گیا جسکی بہت آمدنی ہوتی ہے۔ ابتدا میں جو بعض فیاض شخصوں نے اس اسپتال کے واسطے بہت سا روپیہ وقف کیا تھا اس کا ذکر کرنا لازم ہے۔

منجملہ ان کے خاص سیٹھ [۵۴]مئی چند کا نام اول بیان کرنے کے قابل ہے جو کلکتہ کے ایک سوداگر تھے سیٹھ صاحب موصوف نے اس اسپتال اور میگڈیلن اسپتال کے واسطے مبلغ سینتیس ہزار پانسو روپیہ وقف کیا تھا تاکہ وہ برابر دونوں کو تقسیم کردئے جاویں لیکن افسوس کہ باوجود دست اندازی وارن ہیسٹنگز [۵۵]صاحب بہادر گورنر جنرل کے اس کی وصیت کے انجام دینے والے یعنی حضوری مل سے اس میں کا تھوڑا ہی سا روپیہ وصول ہوسکا۔

دوسرا شخص جس نے صرف اپنی تصنیفات اس وقف میں دیں اپنے وقف سے اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ بعض مصنفوں کو اپنی تصنیفات سے اپنی شیخی کا خیال ہوجاتا ہے چنانچہ اس وقف کرنے والے نے جس کا نام شرلی تھا اور اسٹریٹ فورڈ واقع ایسکس کا

رہنے والا تھا اس اسپتال کو اپنی تمام تصنیفات کا مجموعہ جو سانگ وغیرہ سے تعلق رکھتا تھا وقف کر دیا ناظرین ِ اخبار اس بات کو سمجھ لیں کہ یہ وقف کیسا ہے۔

۱۷۵۳ء میں ولیم ولیمس صاحب نے جن کے پاس جمیکا میں بہت سی جائداد تھی اس جائداد کو اس وصیت کے ساتھ بعض شخصوں کے سپرد کر دیا کہ وہ اسکو اور تمام حبشی اور اور غلاموں کو جو میرے ملک میں ہیں معہ ان کی آئندہ کی نسل کے فروخت کر دیں اور اس کی قیمت کو لڑکوں کے اسپتال کے خزانچی کے حوالہ کر دیں اس کے بعد انھوں نے حسب ذیل وصیت کی ''میں اس نہایت آوارہ اور بدمعاش اور نالائق اور دغاباز شخص کو جس نے اپنا نام جرشم ولیمس رکھا ہے اور حال میں یا اس سے پہلے اسی نام سے مشہور تھا اور اپنے تئیں میرا بیٹا بتاتا ہے صرف آٹھ آنہ دینے کی اس واسطے وصیت کرتا ہوں کہ وہ ایک پھانسی خرید کرے اور اپنے تئیں پھانسی دے جس کا وہ مدتوں سے اپنی طرح طرح کی سخت بدکاریوں کے عوض میں قانوناً کسی جلاد کے ہاتھ سے مستحق ہے۔''

جس وقت اس جرشم ولیمس کے باپ نے وفات پائی اس نے وقف مذکور الصدر کی بابت اسپتال کے منتظموں سے معاملہ کرنے میں بڑی کوشش کی لیکن کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ اس وقف سے اسپتال کو پچپن ہزار چھ سو تیس روپیہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اس اسپتال کے فیاض قائم کرنے والے نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میری لاش اس اسپتال کے گرجا میں دفن کی جاوے چنانچہ ۳/اپریل ۱۷۵۱ء کو ان کی لاش وہاں دفن کی گئی ان کا جنازہ اس اسپتال کے چھ منتظموں کے کاندھوں پر تھا اور ان کی تجہیز و تکفین میں اور وہاں کے بہت سے مہتمم شریک تھے اس گرجا کے مشرقی محراب میں ایک پتھر لگا ہوا ہے جس پر کچھ عبارت ان کی تعریف و توصیف میں کندہ ہے۔

راقم

سید احمد۔ از لندن

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۸/اپریل ۱۸۷۰ء)●●●

جلوس سواری حضور ملکہ معظّمہ وکٹوریہ دام سلطنت ہا

ہماری خوش نصیبی سے ہم کو حضور ملکہ معظّمہ کی سواری بہ جلوس شاہی دیکھنے کا موقع ملا اٹھارہ برس ہوئے جب سے حضور ملکہ معظّمہ نے شاہی جلوس سے سواری نہیں فرمائی تھی یہ ہماری قسمت کی یاوری تھی کہ ہمارے لندن کے ہونے کے زمانہ میں ملکہ معظّمہ نے بجلوس شاہی سواری فرمائی اور ہم کو بھی اس کے دیکھنے کا موقع ملا۔

لندن میں نہایت عمدہ ایک نیا بازار اور ایک نئی سڑک بنائی گئی ہے اور دو پہاڑوں کے ٹیلوں کو بذریعہ نہایت عمدہ اور خوب صورت پُل کے ملا دیا ہے اب وہ بازار سڑک و پل تیار ہو گیا ہے اس پر سے آمد و رفت کھولنے کے لئے حضور ملکہ معظّمہ نے ۶ر نومبر ۱۸۶۹ء روز شنبہ کو سواری فرمائی جو جو کچھ کہ اس سواری میں ہونے والا تھا اور اسی کے مطابق ہوا اس کی یادداشت پہلے سے چھپ گئی تھی جو بجنسہ اس مقام پر مندرج کرتا ہوں اور اس کے بعد وہ کیفیت لکھوں گا جو میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی۔ یادداشت!

ان رسمیات کی جو حضور ملکہ معظّمہ کی رونق افروزی کے وقت شہر لندن میں واسطے کھولنے بلیک فرایر اور ہالبارن کے پُل کے ۶ر نومبر ۱۸۶۹ء کو عمل میں آویں گی:

حضور ملکہ معظّمہ بارہ بجے بلیک فرائر کے نئے پُل پر مقام سرے کی طرف رونق افروز ہونگی اور حضور ممدوحہ کی آمد کی اطلاع باجے کے ذریعہ دی جاوے گی۔

پلٹن فٹ گارڈس اردلی میں ہوگی اور جس وقت ملکہ معظّمہ رونق افروز ہونگی گارد کے باجے والے حمد کے طور پر ایک راگ باجے میں بجادیں گے۔

پل پر سرے کی طرف لارڈ میئر صاحب و رائٹ آنریبل جیمس کلارک لارنس صاحب ممبر پارلیمنٹ جن کے ہمراہ شمشیر بردار اور عصا بردار ہوں گے اور شرف شہر اور

جوزف کاسٹن صاحب بہادر رئیس اور جیمس ویلنٹن صاحب بہادر اور صدر انجمن کمیٹی پل یعنی جان پٹریسن صاحب بہادر اور حسب تفصیل ذیل دو امرا اور دربار عام کے چھ ممبر حضور ملکہ معظّمہ کا استقبال کریں گے۔

امرا: سر والٹر گارڈن صاحب بہادر نائٹ، ویرن اسٹارمس ہیل صاحب بہادر۔

ممبران دربار عام:

فریڈک رچرڈ فرینی صاحب بہادر، ولیم ہاٹری صاحب بہادر ڈپٹی، ہنری لارنس شمیک صاحب بہادر، ونفیلڈ ہورا صاحب بہادر، ہنری ہیرس صاحب بہادر، ہنری ولیم سنڈ صاحب بہادر، معہ جوزف کیربٹ صاحب بہادر انجینئر۔ بعد اس کے لارڈ صاحب بہادر دستور کے موافق شمشیر سلطنت ملکہ معظّمہ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ بعد اس کے لارڈ میئر صاحب بہادر شہر کی جماعت کارپوریشن کی جانب سے ایک سپاسنامہ ملکہ معظّمہ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ بعد اس کے لارڈ میئر صاحب بہادر جان پٹریسن صاحب بہادر صدر انجمن کمیٹی پُل اور سپاسنامہ کی تحریک کرنے والے اور جوزف کیربٹ صاحب بہادر انجینئر کو ملکہ معظّمہ کی خدمت میں پیش کریں گے اور صاحب صدر انجمن ایک زرنگار کتاب جس میں بلیک فرائر کے پُل کی مختصر کیفیت درج ہوگی ملکہ معظّمہ کے حضور میں نذر کریں گے۔ اس موقع پر ملکہ معظّمہ عوام کی آمد و رفت کے واسطے پُل کے کھولے جانے کا حکم دیں گی اور رسم ختم ہو جائے گی۔

آنریبل آرٹلری کمپنی کی رجمنٹ سرے کی طرف پل بلیک فرائر پر اور نمبر ۴۹ مڈل سیکس والنٹیر کی رجمنٹ شہر کی طرف مقیم ہوگی اور گولڈ اسٹریم گارڈس کے باجے والے پُل پر ہوں گے۔ پُل جیک فرائر سے جلوس حسب ترتیب ذیل ہوگا۔

لئیف گارڈس:

کونسل عام کے ممبروں کی ایک جماعت: جان گاسلنگ آرنلڈ صاحب بہادر، جان طامس بیڈفورڈ صاحب بہادر، جان فرانسس بانٹمس صاحب بہادر، ولیم

کلارک صاحب بہادر، جارج جوزف کاکریل صاحب بہادر، سیموئل ڈینس موری صاحب بہادر، جارج اسٹینری صاحب پیڈلر صاحب بہادر، ایڈورڈ رابرٹ وگی صاحب بہادر، ڈیوس سمسن صاحب بہادر، رابرٹ ٹیلر صاحب بہادر، چارلس جان ٹاٹ صاحب بہادر، طامسن ویبر صاحب بہادر، مسٹر کراملی نائب شرف، مسٹر بیلس صاحب نائب شرف۔

افسران جماعت کارپوریشن:

طامس جیمس نیلسن صاحب بہادر مالیٹر، ولیم گاری صاحب بہادر ریمپر ممبر، فرڈی نینڈ صاحب بہادر کنٹرولر، فریڈرک دوڈ تھارپ صاحب بہادر ٹون کلرک، بینجمن اسکاٹ صاحب بہادر چیمبرلیں، مسٹر ولینٹین صاحب وشرف، مسٹر کاسٹن صاحب، رئیس وشرف۔

امراء شہر:

ڈیوڈ ہنری اسٹون صاحب بہادر، سر سڈنلی واٹرلو صاحب نائیٹ، طامس چیمبرس صاحب بہادر، ممبر پارلیمنٹ عام سار دبہ قائم مقام ایکورڈ، ولیم لارنس صاحب بہادر ممبر پارلیمنٹ، طامس کراسٹیڈنس صاحب بہادر، سر ڈیوڈ سالرمنس صاحب بیرونٹ ممبر پارلیمنٹ، طامس سڈنی صاحب بہادر۔

سپہ سالار شہر:

رائٹ آنریبل لارڈ میئر صاحب بہادر، ملکہ معظّمہ کے مصاحب چار گھوڑوں کی چار گاڑیوں میں۔

حضور ملکہ معظّمہ دام اقبالہا کا جلوس شاہی:

سواری بلیک فرایر پُل پر گزر کر بازار فیرنگڈن اور بازار چارٹرہوس اور بازار جلٹپر میں گزرتے ہوئے ہالبارن پل کے مشرقی سرے پر وارد ہوگی۔ اس مقام پر ہی حضور ملکہ معظّمہ کی رونق افروزی کی اطلاع باجے بجانے سے دی جائے گی۔ پلٹن گارڈس بطور اردلی کے گارد کے ہوں گے اور جس وقت ملکہ معظّمہ رونق افروز ہوں گی پلٹن گارڈس کے باجے والے بطور حمد کے باجے میں ایک راگ گاویں گے۔ پل پر جو خیمہ ہوگا اس میں لارڈ

مئر صاحب اور طامس ہنری فرائی صاحب بہادر ڈپٹی صدر انجمن کمیٹی پُل اور حسب تفصیل دو امراء شہر اور دربار عام کے چھ ممبر ملکہ معظّمہ کا استقبال کریں گے۔

امراء شہر:

جان گارٹر صاحب بہادر، بینجمن سیموئل فلپس صاحب بہادر نائٹ،

ممبران دربار عام:

رچرڈ کاکس صاحب بہادر، ولیم جونسن صاحب بہادر ڈپٹی، جیمس میڈرن صاحب بہادر، ایڈورڈ ہارٹ صاحب بہادر، میگومیک جارج صاحب بہادر، جان پکرنگ صاحب بہادر۔

بعد اس کے لارڈ مئر صاحب طامس ہنری فرائی صاحب بہادر ڈپٹی اور صدر انجمن کمیٹی اور ایڈریس کی تائید کرنے والے اور ولیم ہی ووڈ صاحب بہادر انجینئر کو ملکہ معظّمہ کے حضور میں پیش کریں گے اور صاحب صدر انجمن ایک زرنگار کتاب ملکہ معظّمہ کو نذر کریں گے جس میں ہالبارن کے پُل کی درستی کی ایک مختصر کیفیت درج ہوگی۔

اس مقام پر حضور ملکہ معظّمہ عوام کی آمد و رفت کے واسطے پُل کے کھولے جانے کا حکم دیں گی اور رسم ختم ہوگی بعد اس کے سواری پل سے گزر کر مغرب کی جانب جاوے گی جہاں کہ ملکہ معظّمہ کے شوہر عالی جاہ کی یادگار آجکل تیار ہو رہی ہے۔ بعد اس کے ملکہ معظّمہ ہالبارن کے راستہ سے لندن سے تشریف لے جاویں گی۔

جب بازاروں میں سے ملکہ معظّمہ کی سواری گزرنے والی تھی ان کے مکانات کو وہاں کے رہنے والوں نے طرح طرح کے جھنڈوں اور خوب صورت خوب صورت نشانوں سے آراستہ کیا تھا پانچ منزلہ دست منزلہ مکانوں کے دروازوں میں لاکھوں میمیں اور لیڈیاں اور لڑکیاں اور بچے اور مرد نہایت عمدہ و نفیس پوشاکیں پہنے ہوئے چھوٹی چھوٹی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے خوب صورت خوب صورت چہروں اور نفیس نفیس پوشاکوں سے زمین سے آسمان کے نیچے تک ایک عجیب عالم نظر آتا تھا جو پرستان کے قصے

اور مصوروں کی کہانیوں کو بھلاتا تھا۔ متعدد جگہ میدان کے کنارے پر اونچے اونچے تخت بچھا کران پر کرسیاں لگائی تھیں اور تختوں کو سرخ بانات سے اور عمدہ جھالروں سے آراستہ کیا تھا اور اس پر ماہی پشت نمارنگ آمیز کپڑے کی چھت بنائی تھی اور کرسیوں کی پشت کی طرف اسی قسم کے کپڑے کی دیوار لگائی تھی اور چھت کو اور محرابوں کو جھالروں سے نہایت ہی خوش وضع آراستہ کیا تھا۔

سب سے زیادہ اور نہایت عمدہ تیاری بلیک فرائر پر تھی جو دریائے ٹیمز کا نہایت عمدہ پُل ہے اور جس مقام پر تمام رسومات ادا ہونے والی تھیں اور سواری بھی ٹھہرنے والی تھی۔ اور ایک جگہ کاٹ کی دیوار لگا کر اُس میں دروازہ بنایا تھا اور بہت فاصلہ تک تمام بازار آراستہ کر کر دو طرفہ فوج کھڑی تھی مگر وہ فوج ایسی تھی کہ دیکھنے سے تعلق ہے سرخ وردی سونے کے کام کی مغرق سیاہ بالوں کی نہایت مہیب ٹوپیاں نہایت مضبوط وقد آور شیر دل جوان ہتھیار کسے کچھ عمدہ سپاہی کیا تھے ایک قدرت کے پتلے تھے اس کے بعد ایک جگہ بطور ڈیرہ کے یا قلعہ کے کاٹ کا بنایا تھا اور پٹا پٹی کے طور پر سُرخ وسفید کپڑے سے منڈھا ہوا تھا اور نہایت نفیس جھالروں سے آراستہ تھا دروازوں میں نو دروازے اس قدر بڑے تھے کہ تمام سوار معہ فوج کے مثل ایک وسیع میدان کے اس میں سے چلے گئے اور قبہ کے بیچ میں انھی دروازوں کے بقدر چوڑی سڑک تھی اور سڑک کی بائیں طرف اسی طرح پر اونچے نیچے تخت لگا کر کرسیاں لگائی تھیں اور دائیں طرف تخمیناً دس فیٹ چوڑا اور ڈیڑھ فیٹ اونچا اور بقدر کل مکان کے لمبا کاٹ کا چبوترہ سرخ بانات کا منڈھا ہوا بنایا تھا ہر وہ جگہ جہاں امرا حاضر ہوئے تھے اور رسومات ادا ہوئی تھیں اس چبوترہ کے برابر سے پھر اسی طرح اونچے نیچے تخت لگا کر کرسیاں بچھائی تھیں اور سب تخت سرخ بانات سے اور خوشنما جھالروں سے آراستہ تھے اسی قبہ کے اندر تخمیناً دو ڈھائی ہزار کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اس قبہ کے باہر جانب چپ تو دریا تھا اور جانب راست اسی طرح اونچے نیچے تخت لگا کر کرسیاں بچھائی تھیں اور سب آراستہ تھیں جو کرسیاں اس قبہ سے ملی ہوئی حد میں تھیں وہ اوّل گھر کی

کہلاتی تھیں اور علیٰ ہذا القیاس یہ سلسلہ تخمیناً ایک میل کے لمبان میں تھا اس حد میں بغیر ٹکٹ کمیٹی جو خاص اس جلوس کے لئے منعقد تھی وہ ٹکٹ دیتی تھی اور پیش گاہ لارڈ مئر سے بھی ٹکٹ ملتے تھے۔

اس قبہ کے جانب چپ یعنی دریا کی جانب برابر دوہری باڑ اور کہیں کھڑی باڑ فوج آراستہ کھڑی تھی اور قبہ کے برابر فوج کے باجے والے سنہری پوشاکیں پہنے ہوئے باجا بجا رہے تھے جو نہایت عمدہ دلکش روح پرور جاں فروز تھا علاوہ اس کے تمام رستہ جا بجا گارد و فوج و سوار نہایت شان سے کھڑے ہوئے تھے۔

ہم نے بھی ٹکٹ لیے اور کرسیوں میں سے کسی جگہ نشست حاصل کرنے کی درخواست کی تھی ہماری خوش قسمتی سے ہم چاروں آدمیوں کو ٹکٹ ملے اور ایک ٹکٹ مجھ کو تو قبہ کے اندر کی نشست کا ملا۔ اور مرزا خداداد بیگ اور سید حامد اور سید محمود کو قبہ کے باہر جو لین تھی اس میں بیٹھنے کا ٹکٹ ملا ہمارے دوست مسٹر اسٹالر پانچویں تاریخ کی شام کو ہمارے پاس آئے اور یہ خوش خبری ہم کو سنا گئے اور یہ ٹھہرا کہ ہم اور وہ سب ساتھ یہاں سے چلیں گے۔

چھٹی تاریخ کو دس بجے ہم نے دو گھوڑوں کی چار نشست کی گاڑی منگائی اور جب مسٹر اسٹالر آ لئے تو ہم چاروں آدمی اور مسٹر اسٹالر اور انکا چھوٹا سا بچہ سوار ہو کر چلے رستہ میں آدمیوں کی بھیڑ اور گاڑیوں کی کثرت کی کچھ انتہا نہ تھی جبکہ بلیک فرائر پل قریب رہا تو گاڑی کا چلنا مشکل معلوم ہوا ہم سب گاڑی پر سے اوتر لئے اور اسکو کہا تو جا ہم جس طرح ہوگا چلے آئیں گے اور پیدل ہوا اور آدمیوں کی بھیڑ کو چیر پھاڑ اور فوج کی لین کے پیچھے ہو وہاں جا پہنچے حامد و محمود و مرزا خداداد بیگ اور مسٹر اسٹالر اور انکا بچہ تو اپنی لین میں جا بیٹھے اور میں قبہ کے اندر گیا جس میں سیکڑوں لیڈیاں اور امرا بیٹھے ہوئے تھے اور منتظم وہاں کا انتظام کر رہے تھے ان کی پوشاک میں عجیب قطع کا چغہ تھا اور ان کے ہاتھ میں زیتون کی خراداتری ہوئی پتلی پتلی ان کے قد سے بھی کچھ اونچی لکڑیاں تھیں یہ لوگ امرا میں سے تھے اور غالباً ممبران کمیٹی تھے۔

جب کہ میں قبہ میں پہنچا تو انھی میں سے ایک صاحب نے میرا نام پوچھا اور دائیں طرف کی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر جو دوسری قطار میں تھی بٹھا دیا میرے دائیں طرف ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو امیروں میں سے معلوم ہوتے تھے اور نہایت خلیق اور مہذب تھے اور میرے بائیں ہاتھ کی طرف کی تین کرسیاں خالی تھیں جب میں وہاں بیٹھا تو انھیں صاحب نے کہا کہ یہ بہت اچھی جگہ ہے اسی جگہ کوئین ٹھہرے گی اور لارڈ مئر بھی یہیں ہوگا۔ میں وہاں بیٹھا رہا اور انتظام کا تماشا اور فوجی افسروں کا ادھر اُدھر پھرنا اور چیف جنرل پولس کا انتظام کرنا جو نہایت خوشنما وردی پہنے ہوئے اور بے نظیر گھوڑے پر سوار تھے دیکھ رہا تھا اور وہی صاحب اپنے اخلاق اور مہربانی سے اور مجھ کو غریب مسافر سمجھ کر ہر ایک افسر کا نام اور جو کچھ ہوتا تھا بتاتے جاتے تھے تھوڑی دیر کے بعد جناب عالی جاہ نواب نظام مرشد آباد معہ اپنے ہر دو فرزند ارجمند اقبال مند کے تشریف لائے اور ہمارے پاس کی جو کرسیاں خالی تھیں ان پر رونق افروز ہوئے اب دم بدم ہجوم بڑھتا جاتا ہے اور جگہ گھرتی جاتی ہے یہاں تک کہ تمام کرسیاں معمور اور سب چیز آراستہ وطیار ہوگئی۔

تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ چار گھوڑوں کی گاڑی نہایت آراستہ وعمدہ قبہ کے اندر آئی اور پریوٹ سکریٹری ملکہ معظّمہ اس میں سے اوترے اور سرخ بانات کے چبوترہ پر ٹہلنے لگے پھر تھوڑی دیر کے بعد چار چار گھوڑوں کی دو گاڑیاں نہایت شان وشوکت کی اور کوچوان اور سائسوں اور خدمت گاروں کی نہایت خوشنما سنہری وردی، آن کر قبہ میں ٹھہریں اور ان میں سے دونوں شرف اوترے اور اسی چبوترہ پر ٹہلنے لگے اس کے تھوڑی دیر بعد حضور ملکہ معظّمہ کی آمد آمد کی آہٹ ہوئی اول دو دو سوار گھوڑے قدم ڈالے ہوئے آئے اور اس کے بعد کوئی ایک نہایت بلند عہدہ دار گھوڑے پر سوار آئے اور پھر ایک پرا سواروں کا آیا اور اس کے بعد حضور ملکہ معظّمہ کا چرٹ جس میں چھ بے نظیر گھوڑے جتے ہوئے تھے آیا اور قبہ کے بیچ ٹھہر گیا تمام فوج دورستہ آراستہ نے خوشنما چمک دار ہتھیاروں سے سلامی دی تمام لوگوں نے جو قبہ میں تھے ٹوپیاں اتار آداب کیا اور پھر ٹوپیاں اور رومال ہلا کر

نہایت خوشی اور بے انتہا جوش محبت اپنے بادشاہ سے چیرز دی حضور ملکہ معظّمہ ہر ایک طرف نہایت اخلاق وخندہ پیشانی سے سر کے اشارہ سے تمام لوگوں کے آداب بجالانے اور خوشی کرنے کا جواب دیتی تھیں۔

حضور ملکہ معظّمہ کو سب لوگوں نے خوش وصحیح وتندرست دیکھ کر بے انتہا خوشی کی اور بہت زیادہ خوشی اسلئے ہوئی کہ اٹھارہ برس بعد حضور ممدوحہ اس طرح پر شہر میں تشریف لائی تھیں ملکہ معظّمہ کے ساتھ بائیں طرف پرنس لوئی اور سامنے پرنس بیاٹرس اور پرنس لیو پولڈ بیٹھے ہوئے تھے جو پرا سواروں کا حضور ملکہ معظّمہ کے ساتھ تھا بالکل سنہری کام میں غرق تھا ان کی خوبی وخوبصورتی وشان وشوکت وزرق برق بیان سے باہر ہے اور جو تجمل اور وقار اور آداب بادشاہت بادشاہ میں ہونا چاہیئے وہ سب حضور ملکہ معظّمہ میں پایا جاتا تھا۔

چند منٹ بعد لارڈ مئر نے شمشیر سلطنت حسب دستور نذر کی اور حضور ملکہ معظّمہ نے ہاتھ رکھدیا پھر مسٹر جان پٹرسن صاحب نے ایڈریس پیش ہونے کی تحریک کی اجازت حاصل کرنے اور لارڈ مئر نے جان پیٹرسن صاحب پل کمیٹی کے چیرمین اور جوزف کیربٹ صاحب انجینئر کو جن کی تجویز سے یہ سب کام پورا ہوا پیش کیا اور چیرمین نے ایک کتاب جس میں مختصر حال وحساب وطیاری پل کا تھا اور نہایت خوب صورت اور منقش وزر نگار بنی ہوئی تھی پیش کی اور حضور ملکہ معظّمہ نے نہایت اخلاق شاہانہ سے اپنی خوشنودی ظاہر کی اس کے بعد دو دفعہ پھر چیرز ہوئی اور ملکہ معظّمہ وہاں سے تشریف فرما ہوئیں آہستہ آہستہ سواری جاتی تھی اور ہر ہر قدم پر جہاں سواری پہنچتی تھی چیرز ہوتی تھی۔ بہر حال نہایت شان وشوکت کی یہ سواری تھی اور نہایت خوبصورتی سے سب کام انجام ہوئے۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۷/دسمبر ۱۸۶۹ء)

●●●

کھولا جانا رائل پارلیمنٹ کا

آٹھویں فروری ۱۸۷۰ء کو دو بجے دن کے پارلیمنٹ کا کھولنا قرار پایا تھا۔ ہم نے بھی اس کا دیکھنا چاہا جناب عالی ریٹ آنریبل لارڈ لارنس بہادر جی۔سی۔ایس۔ آئی۔جی۔سی۔بی نے ازراہِ نوازش ہم کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا اور فرمایا کہ فلاں وقت تم پارلیمنٹ کے پیٹرز انٹرنس دروازہ پر میرا انتظار کرنا میں تم سے وہاں آملوں گا چنانچہ میں اور حامد و محمود اور مرزا خداداد بیگ چاروں شخص وقت معینہ پر اپنی دانست میں اسی دروازہ پر گئے نگہبان دروازہ نے جو نہایت عمدہ سرخ بانات کی شاہی وردی پہنے ہوئے تھے ہم سے پوچھا کہ کیا اندر جانا چاہتے ہو (واضح ہو کہ کوئی شخص بغیر پاس وٹکٹ کے اندر نہیں جا سکتا) ہم نے کہا کہ ہم لارڈ لارنس کا انتظار کرنا چاہتے ہیں انھوں نے دروازہ کے اندر گھسنے دیا ایک جگہ جہاں ایک میز اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں ٹھہرنے کو بتا دیا ہم وہاں بیٹھے اور امرا اور لیڈیوں کا آنا دیکھا کئے سوائے لارڈوں کے جو پارلیمنٹ کے ممبر تھے اور سب کے پاس ٹکٹ تھے ٹکٹ دکھا دکھا کر اندر جاتے تھے جب دو بج گئے اور پارلیمنٹ کی رسم شروع ہونے کا وقت نہایت قریب آ گیا تو ڈیوڑھی کے جمعدار نے جو نہایت مہذب آدمی تھا ہم سے کہا کہ نہایت افسوس ہے کہ جناب لارڈ لارنس اس دروازہ سے نہیں آئے شاید اور راہ سے چلے گئے اور اب پارلیمنٹ کی رسم شروع ہونے میں چند منٹ باقی ہیں اگر تمہاری مرضی ہو تو میں سر دفتر سے جو اندر جانے کا ٹکٹ دے سکتے ہیں تمہاری اطلاع کروں شاید وہ دیدیں ہم نے کہا بہت اچھا آپ کی مہربانی چنانچہ ہم اس کے ساتھ ان صاحب کے کمرہ دفتر تک گئے اور جمعدار نے اندر جا کر ان سے کہا وہ فی الفور ٹکٹوں کا بنڈل ہاتھ میں لئے ہوئے باہر ہمارے پاس چلے آئے اور کہا کہ آپ لارڈ لارنس کا انتظار کرتے ہیں پارلیمنٹ

کا کھلنا دیکھنے کے لئے ہم نے کہا درست، پھر انھوں نے پوچھا کہ آپ بنگال سے آئے ہیں ہم نے کہا نہیں اضلاع شمال ومغرب سے انھوں نے نہایت مہربانی سے چار ٹکٹ ہم کو دئے اور انھی جمعدار کو ساتھ کیا کہ لے جاؤ چنانچہ ہم گئے اور اسی جگہ جہاں اور بہت لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور جو گیلری کہلاتی ہے جا بیٹھے یہ ایک ایسی جگہ ہے کہ تمام ہوس آف لارڈس بالکل دکھائی دیتا ہے اور جو غیر ممبر بلکہ ممبران ہوس آف کامنز بھی جب ہوس آف لارڈز کا اجلاس دیکھنا چاہتے ہیں تو اسی جگہ سے دیکھتے ہیں۔

جو کہ جناب ملکہ معظّمہ اقبالہا کی طبیعت کچھ ست تھی وہ خود پارلیمنٹ کھولنے کو تشریف نہیں لائیں بلکہ اپنی طرف سے ایک کمیشن مقرر کر کر بھیجا تھا تا کہ وہ تمام رسمیں پوری کرے اور اسی سبب سے ہوس آف لارڈز میں کچھ بہت مجمع اور رونق نہ تھی صرف تھوڑے سے لارڈ تشریف لائے تھے اور باقی سب بینچیں خالی تھیں۔

پانچ اہل کمیشن جن میں سب سے اول لارڈ چین سلر تھے نہایت عجیب قطع کی سرخ پوشاک پہنے ہوئے تھے اور بشپ لوگ بھی جو پارلیمنٹ کے ممبر ہیں سیاہ پوشاک اور اُس پر بغیر آستینوں کا سفید چغہ پہنے ہوئے موجود تھے۔

جناب لارڈ چینسلر نے جناب ملکہ معظّمہ کی اسپیچ پڑھی جو ذیل میں مندرج ہے۔

اسپیچ حضور ملکہ معظّمہ:

ہم ممبران دربار خاص حضور ملکہ معظّمہ کے فرمان کے بموجب پھر آپ سے اس امر کی درخواست کرتے ہیں کہ آپ اپنی کوششوں کے کاموں میں پھر مصروف ہوں اور ہم حضور ممدوحہ کی جانب سے اس بات پر افسوس ظاہر کرتے ہیں کہ حضور ممدوحہ کو علالت طبع مبارک کے سبب سے ایسے وقت میں جس میں معاملات سلطنت کی جانب نہایت توجہ درکار ہے آپ صاحبوں سے ملنے کا موقع نہ ملا۔

جو دوستانہ اور خالص خیالات اس ملک کی نسبت اور تمام ملکوں کے بادشاہوں کے دلوں میں ہیں جن کا حضور ملکہ معظّمہ بھی تہ دل سے شکر ادا کرتی ہیں اور ان کی طبیعت کا

میلان اس جانب زیادہ ہوتا جاتا ہے کہ جب کبھی باہم کوئی نزاع ہو اس کے دفعیہ کے واسطے اپنے رفیق بادشاہوں سے صلاح لیں اور صلح اور اتفاق کے ساتھ اسی قسم کے اور چند معاملات جو حال میں طے ہوئے ہیں ان سب معاملات سے حضور ملکہ معظمہ کو اس بات کا بڑا بھروسا ہوتا ہے کہ ملک میں اسی طرح پر ہمیشہ امن وامان قائم رہے گا۔

حال میں جو ملک نیوزی لینڈ میں چند واقعات پیش آئے تھے ان کی نسبت آپ کے روبرو کاغذات پیش کئے جاویں گے۔

ممبران دربار عام:

سال آئندہ کے واسطے سرکاری محکموں کے سالانہ آمدنی وخرچ کا تخمینہ تیار ہو رہا ہے اور چونکہ اس تخمینہ کی تیاری میں سب سے پہلے یہ امر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ سرکاری محکمے بدستور قائم رہیں اس وجہ سے ملکہ معظمہ کی رعایا پر کم خرچ عاید ہوگا جو تخمینہ آمدنی کا پچھلے اجلاس میں کیا گیا تھا وہ حسب مراد پورا ہوا۔

حضور ملکہ معظمہ کو یقین ہے کہ جو تحقیقات آپ نے سال گذشتہ میں اس امر کی نسبت شروع کی تھی کہ پارلیمنٹ اور میونسپل کمیٹیوں کے ممبروں کا تقرر کس طرح پر عمل میں آنا چاہئے اس کو آپ خیال کے ساتھ خاتمہ پر پہنچادیں گے اور بہت جلد آپ عمدہ قوانین کے واسطے سامان تیار کریں گے۔

آپ کے روبرو تجویز پیش کی جاوے گی کہ ملک آئرلینڈ میں زمین کے قبضہ اور محصول کی نسبت جو قوانین جاری ہیں ان کو آپ اس طرح پر ترمیم کریں کہ وہ خاص اس ملک کے باشندوں کے حالات کے موافق ہو جاویں اور جو متعدد فرقے آیرلینڈ میں زراعت کرتے ہیں ان کے باہم نہایت اچھے تعلقات ان سے قائم ہو سکیں اور ملکہ معظمہ کو یقین ہے کہ یہ نتیجہ بلاشبہ اُن سے حاصل ہوگا اور یہ بھی یقین ہے کہ جس وقت یہ تدبیریں آپ کے انصاف اور دانائی کے ذریعہ سے پختہ ہو جاویں گی تو ان شخصوں کے دلوں میں جن کو اب تک اس قسم کا خیال نہ تھا قانون کی نسبت وہ بھروسا اور اس کی پکی عمل درآمد میں

امداد کی وہ خواہش پیدا ہوگی جو عموماً ملکہ معظمہ کی رعایا میں پائی جاتی ہے اور اس طرح پر یہ امر سلطنت کے نظم ونسق کے استحکام کا باعث ہوگا۔

ہم حضور ملکہ معظمہ کے حکم کے بموجب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بہت سے اور ضروری معاملات میں آپ کی توجہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے چنانچہ ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں کہ منجملہ ان معاملات کے بالتخصیص ایک مسودہ قومی تعلیم وتربیت کے ذریعوں کو وسعت دینے کے واسطے تیار کیا گیا ہے۔

گورنمنٹ امریکہ سے جو عہد وپیمان کیا گیا تھا اس کے پورے کرنے کے واسطے آپ کے روبرو ایک قانونی مسودہ اسی غرض سے پیش کیا جاوے گا کہ جو رعایا غیر ملکوں کی انگلستان میں آکر رہنا اور اصلی باشندوں کے سے حق وحقوق حاصل کرنا چاہے اس کے منصب اور رتبہ کو تجویز کریں اور اس مقصد کے حاصل کرنے میں اس کو مدد دیں۔

کئی برس سے اس امر پر بحث ہورہی ہے کہ آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں مذہبی مضامین کا امتحان ہوا کرے پس ملکہ معظمہ کی یہ آرزو ہے کہ اس معاملہ کا قانوناً اس طرح پر فیصلہ کیا جاوے کہ ان بڑے بڑے مدرسوں اور جلسوں کے فائدہ کو ترقی ہو اور جو قدر ومنزلت ان کی بالفعل واجبی ہوتی ہے وہ بھی زیادہ ہوجاوے۔

آپ سے یہ بھی درخواست کی جاوے گی کہ جو مسودہ قانون کمیشن مامورہ متعلقہ تحقیقات عدالت ہائے دیوانی کی رپورٹ بموجب ان اعلیٰ درجہ کی عدالتوں کے انتظام اور کاروائی کی درستی کے واسطے طیار کئے گئے ہیں جن میں ابتدائی نالشات اور مقدمات اپیل دائر ہوتے ہیں ان پر غور کریں۔

محصول کی تشخیص کو وسعت دینے اور جو روپیہ محصولات خاص کے ذریعہ سے مختلف کاموں کے واسطے جمع ہوتا ہے اس کی تحصیل کے لئے آسان اور یکساں قاعدہ جاری کرنے کے واسطے قانونی مسودے طیار کئے گئے ہیں۔

ملکہ معظّمہ یہ بھی ارشاد فرماتی ہیں کہ آپ کو ان قوانین کی ترمیم کرنی چاہیئے جن کے بموجب نشہ کے عرقوں کی فروخت کی اجازت دی جاتی ہے آراضی کے انتقال کے قواعد کے آسان کرنے اور وصیت نامہ کی عدم موجودگی میں جائداد اور غیر منتقل کی وراثت کا انتظام کرنے اور تجارت کی جماعتوں کے شرکاء کے دوالہ کی نسبت جو قانون ہیں ان کی ترمیم کرنے اور جو قوانین بحری تجارت سے تعلق رکھتے ہیں ان کے انضباط اور اصلاح کے واسطے آپ کے روبرو قانون پیش کیے جاویں گے۔

ملکہ معظّمہ نے ان ضروری قانونی معاملات کی نسبت ہدایت فرما کر ہم سے اس بات کے بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ آئرلینڈ کے چند شہروں میں جو آج کل اس جرم کو ترقی ہوئی ہے کہ لوگوں نے جائداد کے مساوی حصہ ہونے کے واسطے تکرار کی ہے اور اکثر خرابیاں اس سے پیدا ہوئی ہیں اس کے سبب سے حضور ملکہ معظّمہ کو بڑا رنج و تردد ہوا ہے۔

گورنمنٹ کار پرداز نے حتی الوسع اس مفسدہ کے انسداد کے واسطے کوشش کی ہے چنانچہ کسی قدر انتظام بھی معلوم ہوتا ہے اور گو اس سال میں اس قسم کے جرم ایسی کثرت سے وقوع میں نہیں آئے ہیں جیسے کہ پیش تر کسی زمانے میں وقوع میں آئے تھے تاہم لوگوں کی طبیعت کا میل بہت کچھ اس بات پر رہا کہ انصاف کی تائید میں شہادت نہ دیں اور اسی سے بہت کچھ نقصان پیدا ہوا۔

پس اگرچہ ایسی خرابیوں کے دفعیہ کے واسطے حضور ملکہ معظّمہ کو خاص کر اس بات پر بھروسہ ہے کہ قانون میں ہمیشہ مناسب اور ضروری ترمیم کی جاوے گی تاہم حضور ممدوحہ یہ ارشاد فرماتی ہیں کہ آپ خاص خاص قانون بھی جاری کریں بشرطیکہ اجلاس حال کے زمانہ میں امن و امان کے لحاظ سے جس کو سب سے مقدم سمجھنا چاہیئے ایسی تدبیر کی ضرورت ہو۔

ملکہ معظّمہ صدق دل سے یہ دعا مانگتی ہیں کہ ان تمام معاملات اور اور معاملات میں خداوند کریم تمہاری کوششوں میں برکت عطا کرے۔

بعد ختم ہونے اسپیچ کے اہل کمیشن نے ٹوپیاں اتار کر آپس میں تعظیم مبارک باد ادا کی۔

چند لمحہ بعد لارڈ بشپ وینچسٹر کھڑے ہوئے اور گھٹنے ٹیک کر نماز پڑھی اور تمام ممبران ہوس آف لارڈ جو اس وقت موجود تھے سب نماز میں شریک ہوئے جب نماز سے فراغت ہوگئی تو جلسہ کھلنے پارلیمنٹ کا وقت ختم ہوگیا اور سب لوگ جو تماشا دیکھنے آئے تھے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۸/مارچ ۱۸۷۰ء)

●●●

ایک دلچسپ نظیر واسطے اہل ہند کے

امید ہے کہ اہل ہنداس دلچسپ بات پر جوان دنوں لندن میں ہورہی ہے بخوبی غور فرماویں گے اور انصاف کریں گے کہ ترقی ملک کی اور عزت اور قومی فخر اس طرح پر حاصل ہوتا ہے جیسے کہ یہاں ہورہا ہے یا اُس طرح پر جس طرح کہ اہل ہند بیٹھے بیٹھے زبان تو ہلا دیں گے اور کرنے کے کچھ نہیں۔

انگلینڈ جیسا کہ ترقی تعلیم اور تربیت اور علم و ہنر میں سب ملکوں سے زیادہ بڑھ کر ہے ویسے ہی یہاں کی گورنمنٹ اپنے بے تعلق ہونے میں امورات متعلقہ تعلیم سے سب سے اول ہے کوئی ایک چیز بھی بجز شابش اور آفریں اور منظور ہونے کے لوگوں کی تعلیم کے باب میں آج تک یہاں کی گورنمنٹ کی طرف سے قائم نہیں ہوئی ہے جو کچھ ہے وہ سب رعایا اور اہل ملک کی طرف سے ہوا ہے اس سبب سے دولت منداور امراء اور متوسط درجہ کے لڑکوں اور نوجوانوں کی تعلیم کے لئے بہت اچھے اچھے بندوبست ہیں الا اہل انگلینڈ کے نزدیک عام لوگوں اور کم درجہ کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا بندوبست نہایت خراب اور ناکافی ہے (اہل ہند غور کریں گے کہ جس موجودہ درجہ تعلیم عام انگلستان کو ہم لوگ نہایت اعلیٰ سمجھ رہے ہیں اس کو یہاں کے لوگ نہایت ہی ابتر اور خراب اور ناکافی جانتے ہیں پس جب ان لوگوں کے نزدیک وہ پورا ہو جاوے گا تو کیسا ہوگا)

انگلینڈ میں جس قدر اسکول عام لوگوں کی تعلیم کے ہیں وہ صرف مفصلہ ذیل تین قسم کے ہیں۔

اول: پرائیویٹ اسکول جن کو اکثر عورتوں نے قائم کیا ہے۔

دوم: گریمر اسکول یا فری اسکول یہ اس روپیہ سے جو لوگوں نے خیراتی اسکول

بنانے کو اپنی زندگی میں یا بذریعہ وصیت کے دیا ہے اور یہ مدرسے اکثر پادریوں کے قبضہ میں ہیں۔

سوم: پیرش اسکول جو بذریعہ چندہ یا عطائے یکمشت سے قائم ہوئے ہیں۔ ان سب اسکولوں میں چند نقص ہیں۔

اول تو یہ کہ وہ درحقیقت واسطے تمام لوگوں کی تعلیم کے لیے کافی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کا انتظام یہاں کے لوگوں کے خاطر خواہ نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ کوئی ایسا قاعدہ نہیں ہے جس کے ذریعہ سے ہر ایک لڑکے کے ماں باپ کو اپنے لڑکے کو کسی نہ کسی اسکول میں بھیجنا ضرور ہے۔ چوتھے جو سب سے زیادہ مشکل ہے وہ ان لڑکوں اور لڑکیوں کے ماں باپ کے چند سوال جواب ہیں جن کا حل کرنا نہایت دشوار ہو گیا ہے چنانچہ ہم ان کو اس مقام پر لکھتے ہیں اور ایک علم دوست آدمی کو اور لڑکے اور لڑکیوں کے ماں باپ کو گفتگو کرتا ہوا فرض کرتے ہیں۔

علم دوست: تمہارے لڑکوں کی کیا عمر ہے

ماں باپ: ایک دس برس کا ہے ایک آٹھ برس کا اور ایک کی عمر بارہ برس کے قریب ہے جس دن پارلیمنٹ کا حال کاشن کھلا ہے اور جس میں مسٹر فارسٹر صاحب نے نیشنل ایجوکیشن بل پیش کیا ہے اسی دن اس کی عمر پوری گیارہ برس کی ہوئی تھی۔

علم دوست: تمہارے لڑکے کسی اسکول میں پڑھتے ہیں؟

ماں باپ: نہیں

علم دوست: کیا تم اپنے لڑکوں کا پڑھانا پسند نہیں کرتے ہو؟

ماں باپ: او نہیں نہیں ہم بہت پسند کرتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں مگر کوئی ایسا موقع نہیں ہے کہ ہم اپنی خوشی پوری کریں اور نہ ہم میں زیادہ خرچ کرنے کا مقدور ہے۔

علم دوست: آپ مجھے معاف کریں میری سمجھ کی غلطی تھی جو میں ایسا سمجھا مگر کیا آپ کو مسٹر فلاس فر صاحب بہادر ایل ایل ڈی کے اسکول کا حال معلوم نہیں جو آپ کے گاؤں سے بھی بہت قریب ہے اور وہاں تعلیم بھی نہایت عمدہ ہوتی ہے اور پینی (یعنی ادھیلا) فی سال فیس ہے۔

ماں باپ: اوہ اوہ یہ تو خوب اسکول ہے اور فیس بھی نہایت کم ہے ہم تو ایک پینی ہفتہ وار دینے کو مستعد ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ وہاں کون سے مذہب کے اصول سکھائے جاتے ہیں؟

علم دوست۔ اونا ہیں نا ہیں۔ وہاں کسی مذہب کے اصول نہیں سکھائے جاتے او مائی ڈیر فرینڈ وہ اسکول نہایت لبرل اور بالکل آزاد ہے صرف دنیاوی علم و ہنر سکھلائے جاتے ہیں لٹریچر بہت اچھی پڑھاتے ہیں جغرافیہ، ریاضی خوب سکھائی جاتی ہے اور کسی مذہب سے کچھ بحث نہیں ہے۔

ماں باپ: اے جناب اے جناب آپ معاف کریں ہم ایسے اسکول میں اپنے لڑکوں کو بھیجنا نہیں چاہتے جہاں مذہبی فرائض سے ہماری اولاد بے علم رہ جائے۔

علم دوست: میں افسوس کرتا ہوں کہ تم ایسی فیاضی اور ایسی آزادی کو پسند نہیں کرتے سچ ہے انگلینڈ میں ابھی سویلیزیشن پوری نہیں ہوئی مگر اسی اسکول سے تھوڑے فاصلہ پر ایک اور نہایت عمدہ چیریٹی اسکول ہے اور اس کے پرنسپل پادری رب رک صاحب ہیں جو نہایت نیک آدمی ہیں اور وہاں دنیاوی عجیب و غریب علوم کے ساتھ ایک گھنٹہ بائبل مقدس اور ہسٹری آف بائبل پڑھائی جاتی ہے اور سانگ نہایت خوبی سے میوزک کے ساتھ گائے جاتے ہیں اور گھنٹوں کی آواز دل پر نہایت اثر کرتی ہے اور اصول مذہب بھی تعلیم ہوتے ہیں وہاں تم اپنے لڑکوں کو پڑھنے بھیجو۔

ماں باپ: او ہو ہو آپ نے خوب بتایا ہم کو خیال بھی نہ تھا وہاں ضرور بھیجیں گے مگر معلوم نہیں کہ پادری رب رک صاحب کس چرچ سے تعلق رکھتے ہیں۔

علم دوست: رومن کیتھولک چرچ۔

ماں باپ: اف اف توبہ توبہ ہم کو اپنے لڑکوں کو وہاں بھیجنا منظور نہیں ہے ہم تو رومن کیتھولک نہیں ہیں۔ اتفاقاً مس کینڈر وہاں آئی ہوئی تھیں اور ان کو رومن کیتھولک مذہب سے نہایت محبت تھی وہ بھی یہ سب باتیں سن رہی تھیں انھوں نے علم دوست سے کہا کہ میں رومن آباد گاؤں میں رہتی ہوں اگر تم مہربانی سے مجھے کوئی اسکول میرے گاؤں کے پاس بتلاؤ تو میں بھی اپنے لڑکوں کو وہاں بھیجوں میرے بھی تین لڑکے ہیں اور بڑے ہوگئے ہیں بڑا لڑکا پیٹر تو مسٹر فارسٹر کے بل پیش ہونے کی رات کو پورا بارہ برس کا ہوگیا ہے۔

علم دوست: اور تمہارے گاؤں کے پاس تو نہایت عمدہ کالج ہے اور ریورنڈ بردلی اس کے ہیڈ ماسٹر ہیں نہایت نیک اور بڑے مذہبی آدمی ہیں لڑکوں کو نہایت محبت سے پڑھاتے ہیں بورڈنگ ہوس بھی ان کے کالج کے ساتھ ہے اور بہت تخفیف سے اس میں لڑکے داخل ہو سکتے ہیں۔

مس کینڈر: میں آپ کی بہت شکر گذار ہوں اور اس حال کے سننے سے مجھے بے انتہا خوشی ہوئی ہے مگر آپ کو معلوم ہے کہ ریورنڈ بردلی کس چرچ سے متعلق ہیں اور کس مذہب کے اصول لڑکوں کو سکھاتے ہیں۔

علم دوست: وہ پروٹسٹنٹ ہیں چرچ آف انگلینڈ سے علاقہ رکھتے ہیں۔

مس کینڈر: او مائی ڈیر فرینڈ میں تو اپنے لڑکوں کو وہاں بھیجنا نہیں چاہتی میں تو رومن کیتھولک مذہب سے محبت رکھتی ہوں میں نہیں پسند کرتی کہ پروٹسٹنٹ مذہب میں میرے لڑکے تعلیم پاویں۔

علم دوست: ہائے افسوس ہائے افسوس کیسی جہالت انگلینڈ میں اب تک پھیل رہی ہے سویلزیشن پھیلانے والوں کی کوششوں نے ابھی تک خاک اثر نہیں کیا تمام لوگ اور خصوصاً عورتیں اسی قدیم خیال و تعصب میں مبتلا ہیں ہائے کیا کیا

جائے کیا کیا جائے کہتے ہوئے ٹوپی اُٹھا سر پر رکھی اور اور کوٹ پہن چھتری ہاتھ میں لے اپنا رستہ لیا اور کہتے ہوئے چلے کہ جب انگلینڈ میں یہ مشکلیں در پیش ہیں تو ہندوستان کی گورنمنٹ کو جہاں نہایت مختلف قوموں اور مخالف مذہبوں کے لوگ آباد ہیں اور خود گورنمنٹ کا ان سے بھی علیحدہ ایک مذہب ہے کیسی مشکل ہوگی اور خصوصاً اس کو لڑکیوں کی تعلیم میں اور بھی زیادہ خطرناک مشکلات ہوں گی۔

مگر انگلینڈ کے ان لوگوں نے جو عام بھلائی اور خوبی کا پھیلانا چاہتے ہیں ان چاروں خرابیوں پر نظر کر کر چاہا کہ مدرسوں کا نہایت کثرت سے بطور حلقہ بندی کے قائم ہونا اور تعلیم کے انتظام کو بھی عمدہ کرنا اور کوئی ایسی تدبیر بھی نکالنا جس سے کل لڑکے اور لڑکیاں اسکول میں پڑھا کریں نہایت ضرور ہے اور جہاں تک ممکن ہو اور جس طرح ہو سکے اس چوتھی مشکل کے حل کرنے پر بھی کوشش کی جاوے۔

چند روز تک اس کا چرچا رہا اور انھوں نے یہ بات چاہی کہ گورنمنٹ اتنے بڑے کام کو خود اختیار کرے جس کے انجام کرنے کے لئے کسی قانون بنانے کی بھی ضرورت پڑے گی مگر گورنمنٹ نے کچھ خیال نہ کیا اس پر لوگوں کی ہمت اور جرات اور زیادہ ہوئی اور سخاوت کا دریا اُمنڈ آیا اور انھوں نے کہا کہ ہم خود آپ اس کام کو کریں گے اور ان لوگوں نے مل کر ایک سوسیٹی قائم کی اور اسکا نام نیشنل ایجوکیشن اسوسی ایشن رکھا اور ایک اجلاس ہوا اور چندہ جمع ہونے کی درخواست کی گئی چنانچہ اسی ایک اجلاس کی بدولت پانچ لاکھ روپیہ کے قریب چندہ سے جمع ہوئے سترہ آدمیوں نے تو دس دس ہزار روپیہ چندہ دیا اور تیرہ آدمیوں نے پانچ پانچ ہزار علیٰ ھٰذ القیاس ہزاروں سے سینکڑوں پر نوبت آئی اور سینکڑوں سے دہائیوں پر اور دہائیوں سے رپوں پر اور رپوں سے آٹھ آٹھ آنہ پر اور ایک شخص نہایت غریب نے چار آنہ بھی چندہ میں دئے اور سالانہ چندہ جدا مقرر کر دیا اور اور لوگوں نے صرف ڈونیشن ہی دیا چندہ کی فہرست کھلی ہے اور چندہ جاری ہے۔

جب گورنمنٹ نے اپنی رعایا کی گرمجوشی کا یہ حال دیکھا تو خواہ مخواہ اس کام کو اپنے ذمہ لینا منظور کیا چنانچہ مسٹر فارسٹر صاحب نے ۱۷ر فروری ۱۸۷۰ء کی رات کو ایک بل نیشنل ایجوکیشن کا انگلینڈ اور ویلز کے لئے ہوس آف کامنز میں پیش کیا۔

جب کہ وہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے صرف یہ لفظ زبان سے نکالا کہ نیشنل ایجوکیشن بل تمام ممبروں نے بڑی خوشی اور مبارکبادی سے چیرز دی اس بل کے پیش ہونے سے نہایت خوش ہوئے اس کے بعد انھوں نے بہت بڑی اسپیچ کی اور موجودہ ایجوکیشن کی حالت اور اس کے نقصان اور گورنمنٹ کو اس کے اختیار کرنے کی ضرورت نہایت خوبی سے بیان کی جس مشکل معاملہ پر مسٹر فاسٹر گفتگو کر رہے تھے اور جس خوبی سے انھوں نے اس کو انجام دیا اس کی قدر و منزلت تمام لوگوں سے نہایت ادب و تعظیم کے قابل ہے۔

ہم کو امید ہے کہ اس تدبیر سے ملک میں اس قدر کثرت سے اسکول قائم ہو جاویں گے جو کل لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کی گنجائش رکھتے ہوں اور ہر ایک بچہ کو جس کی عمر پانچ برس سے زیادہ ہے ضرور کسی نہ کسی اسکول میں پڑھنا پڑے گا اور کسی قدر وہ مانع قومی تعلیم کا بھی دور ہو جاوے گا جو اختلاف مذاہب سے متعلق ہے اگرچہ ہماری رائے میں کافی طور سے رفع نہ ہوگا چنانچہ مسٹر فارسٹر صاحب بہادر نے نسبت رفع تعرض اختلاف مذاہب کے جو لفظ فرمائے ہم ان کا ترجمہ اس مقام پر لکھتے ہیں:

> ''اب میں ایک اور ضروری اور مقدم بات پر گفتگو کرتا ہوں اس معاملہ میں اس سال کے شروع تک بہت بحث اور ناموافقت رائے رہی لیکن میں امید قوی کرتا ہوں کہ فی الحال اس میں نااتفاقی رائے بہت کم ہوگی وہ بات یہ ہے۔ ابتدائی مدرسوں کے زر چندہ جمع کی کرنے اور شرائط میں ایک شرط مذہب سے بھی متعلق ہونی نہایت پر ضرور ہے اس شرط کے فوائد اور مناسبت خود ظاہر اور روشن ہے اگر سچی اور غیر متعصب نگاہ سے دیکھا جاوے تو مجھ کو یقین ہے کہ سب

لوگوں پر ظاہر ہوگا کہ جس وقت ہم لڑکوں کے والدین سے روپیہ لیتے ہیں اس واسطے کہ ہم ان کے بچوں کو دنیوی تعلیم دیں گے تو ہم کو کسی طرح کا اختیار نہیں کہ ان کے خیالات میں مداخلت کریں اور ان کو زبردستی مذہبی تعلیم دیویں اس شرط کے موافق مذہبی تعلیم کی بالکل آزادی ہونی چاہئے اور اگر والدین کی مرضی نہ ہووے تو ان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم سے نکال لیں جو دفعہ کی میں نے مذہبی شرط پر قائم کی ہے وہ یہ ہے۔ اسکول میں داخل ہونے یا حاضر باش رہنے یا اسکول کے متعلقہ فوائد اُٹھانے کے واسطے کوئی طالب علم مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اتوار کے اسکول یا کسی اور مذہبی تعلیم گاہ میں خواہ نخواہ آوے یا خواہ نخواہ وہ کوئی مذہبی مسئلہ یا رسومات سیکھے یا اور مذہبی باتوں اور عادت میں شریک ہووے طالب علم کے والدین کو چاہئے کہ اگر وہ کسی مذہب کی پابندی کے سبب سے کسی مذہبی تعلیم یا مذہبی رسومات سے ناراض ہوویں اور ان کو منظور نہ ہووے کہ ان کا لڑکا وہ چیزیں پڑھے ان سے وہ مہتمم اسکول کو لکھ کر آگاہ کریں''۔

یہاں کے تمام اسکولوں میں مذہبی تعلیم بھی ساتھ ساتھ ہوتی ہے اور یہ دستور ہے کہ جو لڑکے اس اسکول میں پڑھتے ہیں ان پر واجب ہے کہ ضرور بالضرور اس مذہبی تعلیم میں بھی شریک ہوں۔ پس مختلف مذہب کے لڑکے اس میں داخل نہیں ہو سکتے تھے جو دفعہ مذکورہ بالا مسٹر فارسٹر صاحب نے قانون میں رکھی ہیں اس سے بلاشبہ وہ قباحت رفع ہو جاوے گی اور صرف متحد مذہب کے اس اسکول میں مذہبی مسائل سیکھیں گے الا اس کا کچھ علاج نہیں بتایا گیا کہ وہ مختلف مذہب لڑکا اپنے مذہبی قواعد و مسائل ضروریہ کیوں کر سیکھے ہم کچھ شک نہیں کرتے کہ ہندوستان میں بھی عام لوگوں کی ترقی تعلیم کے لئے یہ

چاروں امر مانع ہیں جو انگلستان میں مانع ہیں اہل انگلینڈ ان کے رفع کرنے کی کوشش کرر ہے ہیں اہل ہند کو بھی اس میں کوشش کرنی چاہئے۔

ان چاروں نقصوں میں سے ہندوستان کی گورنمنٹ شاید صرف پہلے دو نقص رفع کرسکتی ہے مگر تیسرے اور چوتھے نقص کا رفع کرنا بلا رضامندی اور مدد اور شرکت رعایا کے اس کے اختیار سے خارج ہے اور اگر وہ بزبردستی بلا رضامندی رعایا دست اندازی کرے تو بلاشبہ ایک ظلم متصور ہوگا (قطع نظر اس کے کہ حقیقت میں ظلم ہوگا یا نہیں) اور جب تک پچھلے دو نقص رفع نہ ہوں گے درحقیقت وسیلے عام تعلیم کے پورے نہ ہوں گے اس سے لازم آتا ہے کہ اگر خود رعایا اپنی تربیت کے لئے آپ مستعد نہ ہوگی اس وقت تک ہندوستان کی تربیت ناممکن اور خارج از حیطہ گورنمنٹ ہے پس ضرور ہے کہ خود تمام لوگ اس کی تعمیل پر مستعد ہوں اور گورنمنٹ کو اپنا حامی اور مددگار ٹھہرا کر اس کام کو پورا کریں۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۸/اپریل ۱۸۷۰ء)

●

ہندوستانیوں کی تعلیم کے سلسلے میں علوم کی فہرست

(پہلے ہم نے ان علوم اور کتب کی فہرست اپنے اخبار میں درج کی تھی جو مولوی سید احمد خاں بہادر نے علمائے لندن سے اس لیے منتخب کرائی تھی کہ ہندوستانیوں کی تعلیم کے واسطے اس کا ترجمہ ہندوستان میں کرایا جاوے اب ہمارے پاس ایک مختصر کیفیت ان علوم کی آئی ہے جو اس فہرست میں درج تھے پس ہم کو مناسب معلوم ہوا کہ اس مختصر کیفیت کا ترجمہ بھی ہدیہ ناظرین کریں تا کہ ان علوم کے اجمالی تصور سے ان کی ایک نوع کی بصیرت حاصل ہو اور ان علوم کی نسبت رائے دینے میں ایک نوع کی آسانی ہو جاوے۔)

(اخبار انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا نوٹ)

علم طبیعات قدرتی اشیا:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ قدرتی اجسام کی ماہیت اور ان کے عجیب و غریب خواص اور ان کی قدرتی کیفیت اور آثار کا حال معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو بعض اوقات قدرتی فلسفہ بھی کہتے ہیں اور وہ علم الٰہیات سے جدا علم ہے۔

علم ریاضی:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے کمیات یعنی مقدار اور تعداد اشیا کا حال معلوم ہوتا ہے اور علم ریاضی کی دو قسمیں ہیں بسیط اور مرکب۔ چنانچہ ریاضی بسیط سے تعداد اور تعداد ان اشیا کی معلوم ہوتی ہے جو قسم مادیات سے نہیں ہیں اور علم ریاضی مرکب سے ان چیزوں کی مقدار اور تعداد معلوم ہوتی ہے جو قسم مادیات سے ہیں۔

علم جرثقیل:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے حرکت اجسام کی کیفیت اور ان قوتوں کا حال معلوم ہوتا ہے جن کے سبب سے اجسام متحرک ہوتے ہیں یا ساکن رہتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ مندرجہ ذیل شاخوں میں منقسم ہیں۔

علم ان اجسام کا جو رقیق ہیں اور حرکت پذیر نہیں ہیں:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے رقیق اجسام کے سکون کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور نیز اس کے ذریعہ سے رقیق چیزوں میں مختلف قسم کے اجسام کے غرق ہونے کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

علم اجسام رقیقہ متحرکہ کا:

یہ وہ شاخ علم جرثقیل کی ہے جس کے ذریعہ سے ان مختلف قوتوں کا حال معلوم ہوتا ہے جن کے باعث سے حرکت پیدا ہوتی ہے۔

انجینئری یعنی فن عمارت:

فن انجینئری جنگی کاموں میں قلعہ اور مٹی وغیرہ کے کام بنانے کا فن ہے اور جو شاخ سول انجینئری سے متعلق ہے وہ نہر اور سڑک آہنی اور پشتہ اور پل اور اسی قسم کی اور تمام تعمیرات سرکاری کے بنانے کا فن ہے۔

عملی جرثقیل:

اس کے ذریعہ سے جو جرثقیل کے وہ قاعدے معلوم ہوتے ہیں جن پر عمل کیا جاوے۔

علم ہیئت:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے اجرام فلکی کی کیفیت اور ان قاعدوں کا حال معلوم ہوتا ہے جن پر عمل کیا جاوے۔

علم ہیئت جو اجرام فلکیہ کے سطح سے متعلق ہو:

یہ وہ شاخ علم ہیئت کی ہے جس کے ذریعہ سے اجرام فلکی کی سطح کی خاصیت اور باہمی تعلقات معلوم ہوتے ہیں۔

علم ہیئت جو اجرام فلکیہ کے مادہ کی تحقیقات سے متعلق ہے:

اس علم سے اجرام فلکی کے مادے اور فاصلے اور حرکت وغیرہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔

علم برق:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے برق کی عجیب وغریب خاصیتیں اور قاعدے جہاں تک کہ وہ تحقیق ہوئے ہیں دریافت ہوتے ہیں۔

علم مقناطیس:

یہ وہ شاخ علم کی ہے جس کے ذریعہ سے مقناطیس کی خاصیت معلوم ہوتی ہے۔

علم برق ساکن:

اس علم سے اس برق کا حال معلوم ہوتا ہے جو حالت سکون میں ہے۔

علم برق متحرک:

اس علم سے اس برق کی کیفیت معلوم ہوتی ہے جو حرکت میں ہو۔

علم برق مقناطیسی:

یہ وہ علم ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ برق اور مقناطیس کے ذریعہ سے کس طرح پر قوت مقناطیسی پیدا ہوتی ہے۔

علم ان قوتوں کا جو برق اور مقناطیس کے اختلاط سے پیدا ہوں:

یہ وہ علم ہے جس میں ان قوتوں کا بیان ہے جو برق اور مقناطیس سے پیدا ہوں۔

وہ قوت مقناطیسی جو عام قوت مقناطیسی کے خلاف اثر رکھتی ہو:

یہ خاصیت ایک قسم کی چیزوں میں ہوتی ہے یعنی اگر وہ چلائی جاویں اور مقناطیسی اثر کے تابع کی جاویں تو ان کا رُخ اس طرح پر پھر جاتا ہے کہ وہ مقناطیس نصف النہار سے زاویہ قائمہ پر ہوتی ہیں یعنی مشرق ومغرب کی جانب جھک جاتی ہیں۔

علم مناظر ومرایا متعلق طبیعات:

یہ وہ علم مناظر ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔

حرارت:

حرارت لچک دار چیزوں کے لہرانے کا نتیجہ ہے یا جیسا کہ بعض آدمی خیال کرتے ہیں وہ ایک نازک رقیق چیز ہے جو کم وبیش تمام جسموں میں ہوتی ہے۔

علم آواز:

یہ علم آواز کا یا ایک بیان ان کے سببوں اور ان کی خاصیت اور عجائبات کا ہے۔

علم حیات وحرکات حیوانی:

اس علم سے حیوانات کی حرکات اور خواصوں کا حال معلوم ہوتا ہے اور عام تشریح اعضائے حیوانی سے یہ علم اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس علم میں خاص کر حیوانات کی خلقت کا ذکر ہے۔

علم تشریح ترکیب اعضائے حیوانات مختلفہ:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے وہ اختلاف اور مناسبت مفصل معلوم ہو جاتی ہے جو مختلف حیوانوں کی خلقت میں ہوتی ہے۔

علم حیوانات:

اس علم سے حیوانوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔

علم حیات وحرکات نباتات:

اس علم میں نباتات کی فطرت اور خواصوں کا ذکر ہوتا ہے۔

درختوں کا علم:

یہ علم سبزی اور پودوں کا ہے۔

علم حیات:

یہ علم زندگی کا یعنی جسم حیوانی کے متحرک یا زندہ حا'ت کا ہے اور وہ علم حیات حیوانی کے مطابق ہے۔

ترکیب علم ارض:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے کرۂ زمین کی ترکیب اور اس کی جمادی فطرت اور اس کے مادہ کے اسباب معلوم ہوتے ہیں۔

علم معدنیات:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے اجسام نامیہ کا خواص معلوم ہوتا ہے اور اس میں ان غیر نامیہ اجسام کا بھی بیان شامل ہے جو زمین کے اندر ہیں یا اس کی سطح پر ہوں۔

علم کیمیا:

اس علم میں جملہ چیزوں کی ترکیب عملی طور سے ان کے اجزا اور ان قوتوں کے لحاظ سے دریافت کی جاتی ہے جس کے ذریعہ سے ان کی ہیئت اجتماعی محفوظ ہے اور اس علم کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جس میں اجسام نامیہ کا ذکر ہے اور دوسری وہ جس میں اجسام غرنامیہ کا ذکر ہے۔

علم طبیعات عام:

اس علم میں طبیعات مادیات کا خواص اور وہ اثر معلوم ہوتے ہیں جو عجائبات قدرت میں ظاہر ہوتے ہیں اور انسان کے بنائے ہوئے آلات اور کلوں کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ قدرتی خواص چیزوں کے یہ ہیں۔ پھیلنا، بے گزر ہونا، کسافت، اجزا میں منقسم ہونا، کشش، رکاؤ، سکوت۔

علم معقولات:

یہ وہ علم ہے جس میں ان سب باتوں کا بیان اور تشریح ہے جو عقل سے متعلق ہیں مثلاً قوائے عقلیہ وغیرہ۔

علم منطق:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے ہم اپنے خیالات صحیحہ کو خیالات فاسدہ سے ممتاز کر لیتے ہیں یا کسی چیز کی نسبت تشریح کرنے یا تقسیم کرنے یا دلیل کرنے میں اپنے قوائے مدرکہ کو درستی کے ساتھ کام میں لاتے ہیں۔ مسٹر ڈاٹس صاحب نے اس علم کی یہ

تعریف کی ہے کہ وہ سچ بات کی تحقیقات میں اپنی عقل کو کام میں لاوے اور اور شخصوں کو اس سے آگاہ کرنے کا ایک فن ہے۔

علم اخلاق:

اخلاقی فلسفہ علم اخلاق کی وہ شاخ ہے جو علم اخلاق کے نام سے مشہور ہے اور اس میں اخلاقی نصیحتیں شامل ہیں اور فرائض زندگی کا ذکر ہے۔

انتظام مدن:

یہ علم ایک سلطنت کے محاصل کے بندوبست کرنے اور اس کی آمدنی اور پیداواری کے ذریعوں اور محنت کے انتظام سے تعلق رکھتا ہے۔ انتظام مدنی میں وہ سب تدبیریں شامل ہیں جن کے بموجب شہر کے باشندوں کی مالیت اور محنت پر ایک متنفس کی محنت اور ارادہ کی کامیابی اور عوام کی بہبودی میں نہایت مناسب طور سے کام میں لاتے ہیں۔

علم تاریخ:

یہ ایک بیان حقیقتوں اور سرگذشتوں کا خصوصاً ایسی سرگذشتوں کا جو مختلف قوموں اور سلطنت سے تعلق رکھتی ہیں اس کے عام حصے یہ ہیں۔ مذہبی یا مقدس اور دینوی- قدیمی اور زمانہ حال سے متعلق اور مشہور و معروف آدمیوں کے حالات زندگی کی تاریخ۔

علم جغرافیہ:

اس علم میں زمین کا بیان اس کی قدرتی اور مصنوعی سطح کے حصوں کے بموجب ہے اور مثل تاریخ کے اس کی قسمیں ہیں یعنی قدیمی، اور زمانہ حال کا جغرافیہ اور مقدس اور دینوی۔

علم ادب:

یہ ایک مجموعہ علمی کتابوں کا ہے اس میں علم و عقل کے وہ تمام نتیجے شامل ہیں جو تحریر کے ذریعہ سے محفوظ ہیں۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۶ رجنوری ۱۸۷۱ء)

●●●

ہندوستانیوں کے واسطے ولایت جانے کا وظیفہ

ہم نے اپنے کسی پرچہ میں بیان کیا تھا کہ وظیفہ مذکورہ بالا ان اضلاع کی بابت اس سال میں سید محمد محمود ہمارے انسٹی ٹوٹ کے لیف آنریری سکریٹری سید احمد خان بہادر کے بیٹے کو سرکار سے مرحمت ہوا تھا اور اب ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اسی قسم کا دوسرا وظیفہ اودھ کی بابت مرزا خداداد بیگ کو عطا ہوا ہے۔ یہ دونوں وظیفہ دار ۱۰/اپریل سنہ حال کو لندن کی جانب روانہ ہوں گے۔ اس موقع پر ہم اپنے ہندوستانی ناظرین اخبار کی اطلاع کے واسطے گورنمنٹ کے رزولیوشن مورخہ ۳۰/جون ۱۸۶۸ء کو نقل کرتے ہیں جس سے گورنمنٹ کی ان عمدہ تجویزوں کی کیفیت دریافت ہوگی جو اس معاملہ میں عمل میں آئی ہیں۔

رزولیوشن:

۱۔ حضور گورنر جنرل بہادر بہ اجلاس کونسل نے اس امر کو مصلحت تصور فرمایا ہے کہ وہ ہندوستانیوں کو زیادہ تر اس غرض سے انگلستان کے جانے کی رغبت دلائی جاوے کہ وہاں جا کر اپنی تعلیم کی تکمیل کریں اور صیغہ متعہد اور سررشتوں کے بڑے بڑے عہدوں کے حصول کے واسطے لیاقت پیدا کریں اور حضور ممدوح کو یقین ہے کہ اس مقصد کا حصول چند ایسے وظیفوں کے مقرر کرنے سے جو انگلستان کی سکونت کی شرط پر دیے جاویں گے سہل ہو جاوے گا۔

۲۔ حضور گورنر جنرل بہادر بہ اجلاس کونسل کی یہ تجویز ہے کہ مذکور الصدر قسم کے ۹ وظیفے تا صدور حکم ثانی ہر سال لوکل گورنمنٹوں سے لوگوں کو شرائط مفصلہ ذیل پر بطریق مندرجہ حاشیہ ہوا کریں۔

احاطہ مدراس میں	۲ وظیفے
بمبئی میں	۲ ایضاً
خاص بنگالہ میں	۲ ایضاً
ممالک مغربی وشمالی	۱ ایضاً
پنجاب میں	۱ ایضاً
اودھ اور ممالک متوسط میں باری باری سے ہر سال	۱ وظیفہ

۳۔ ہر وظیفہ دار دو ہزار روپیہ سالانہ پانے کا مستحق ہوگا اور یہ وظیفہ اس کو انگلستان میں وارد ہونے کی تاریخ سے ملے گا اور عرصہ تین برس تک جاری رہے گا۔ کسی امیدوار وظیفہ کی عمر سولہ برس سے کم یا بیس برس سے زیادہ نہ ہو اور جس امیدوار کو وظیفہ عنایت ہوگا اس کو اپنی تاریخ تقرر سے عرصہ واجب میں انگلستان کو روانہ ہونا پڑے گا اور اگر کسی مرض کے سبب سے وہ جلد تر واپس آنے پر مجبور نہ ہو تو اس کو وہاں تین برس تک رہنا پڑے گا۔

۴۔ ہر طالب علم کو ہندوستان سے روانہ ہوتے وقت زادراہ کے واسطے ایک ہزار پانسو روپیہ مرحمت ہوں گے اور تین برس گزر جانے کے بعد یا بیماری کی صورت میں اُس عرصہ سے پیش تر ہندوستان کو واپس آنے سے ایک مہینہ پہلے اُسی قدر روپیہ بابت زادراہ کے پھر عنایت ہوگا۔

۵۔ یہ بات طالب علموں کے اختیار اور مرضی پر موقوف رہے گی کہ وہ سب اپنے لیے ایک بار اُن کتابوں کا سلسلہ منتخب کر لیں جن کی تحصیل اُن کو انگلستان میں جا کر کرنا منظور ہو اور ہر طالب علم کو تحریری اقرار نامہ کے ذریعہ سے اس بات کا عہد کرنا ہوگا کہ جو قاعدے وقتاً فوقتاً وزیر ہند طالب علموں کی ہدایت کے واسطے اُن علمی جلسوں کے متعلق جن میں اُن کی تعلیم وتربیت ہو مقرر فرماویں اور جو قاعدے اس طریقہ کی نسبت قرار پاویں جس میں اُن کو اُن جلسوں سے تعلق ہوگا وہ اُن سب کی پابندی کریں گے۔

۶۔ اُن وظیفوں کے مقرر کرنے سے گورنمنٹ کا مقصد صرف یہی نہیں ہے کہ یونیورسٹی کی سند حاصل کرنے اور صیغہ متعہد کے امتحان دینے میں طالب علموں کو آسانی حاصل ہووے بلکہ یہ بھی منظور ہے کہ وہ عموماً قانون یا علم طب یا عمارت کے فن کی تحصیل کرسکیں یا کسی اور عمدہ پیشہ کی تعلیم پاسکیں۔

۷۔ جو طالب علم علاوہ بیماری کے کسی اور وجہ سے انگلستان میں تین برس سکونت کرنے سے قاصر رہے یا اُس کا چال چلن بہت بُرا ثابت ہو یا اُن قاعدوں پر توجہ نہ کرے جو اُس کی ہدایت کے واسطے مقرر ہوں تو وزیر ہند کی رائے کے بموجب وظیفہ سے محروم کیا جاوے گا اور علاوہ اس کے ایک ہزار پانسو روپیہ جو زادراہ کی بابت اس کو ملے ہوں واپس کرنے پڑیں گے۔

۸۔ حضور گورنر جنرل بہادر بہ اجلاس کونسل کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان میں تعلیم اور لوگوں کا عموماً جیسا کچھ حال ہے اس کے لحاظ سے یہ امر قرین مصلحت نہیں ہے کہ یہ وظیفے سراسر ایسے قاعدے کے بموجب مرحمت ہوں جس کی رو سے امتحان دے کر ہر کوئی شخص اُن کے حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرے۔

۹۔ امور ملکی اور معاشرت کے لحاظ سے یہ بات بہت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جو فوائد ان وظیفوں کے ذریعہ سے گورنمنٹ لوگوں کو پہنچانا چاہتی ہے اُن سے ذی رتبہ اور معزز ہندوستانی رئیسوں کے بیٹے اُس کی نسبت زیادہ مستفید ہوسکیں جیسا کہ وہ قاعدہ مندرجہ دفعہ ۸ کے بموجب ہوسکتے ہیں۔

۱۰۔ مدراس، بمبئی اور خاص بنگالہ میں ایک وظیفہ ہر سال عام امتحان کے قاعدہ مذکور الصدر کے بموجب عطا ہوا کرے گا اور باقی چھ وظیفوں کی نسبت لوکل گورنمنٹوں کو اس بات کا اختیار حاصل ہوگا کہ کن شخصوں کو وہ لائق ومناسب سمجھیں اُن کو وظیفہ دار مقرر کریں مگر ہر دو صورت میں وظیفے ایسے قاعدوں کے بموجب عطا ہوا کریں گے جو لوکل گورنمنٹ حضور گورنر جنرل بہادر بہ اجلاس کونسل کی منظوری سے مقرر کرے

اور کوئی ایسا شخص منتخب نہ کیا جاوے گا جس کے چال چلن کا اچھا ہونا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا ہو اور جو اپنے جسم و تندرستی کے لحاظ سے اس طریقہ پر اوقات بسری اور تحصیل علم کرنے کے لایق نہ ہو جس کا برتاؤ اُس کو یورپ میں کرنا ہوگا۔

۱۱۔ ہر صورت میں یہ شرط لابدی ہوگی کہ منتخب امیدوار زبان انگریزی سے ایسی اچھی واقفیت رکھتا ہو کہ انگریزی زبان کو بخوبی اور بہ صحت تمام پڑھ لکھ اور بول سکے۔

۱۲۔ حضور گورنر جنرل بہادر بہ اجلاس کونسل کی یہ تجویز ہے کہ وظیفوں کا تقرر ہر سال اکتیسویں دسمبر کو عمل میں آوے اور اگر وہ بندوبست جو انگلستان میں اس امر کی نسبت ہو رہا ہے اس قدر عرصہ میں تکمیل کو پہنچے کہ وظیفوں کا تقرر تاریخ مذکور پر عمل میں آسکے تو دسمبر آئندہ (یعنی دسمبر ۱۸۶۸ء) میں اوّل وظیفے مرحمت ہوں گے۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۶/ مارچ ۱۸۶۹ء)

●●●

انگلستان کی سیر

ہمارے پاس یہ خبر تحقیق کی رو سے پہونچی ہے کہ ہمارے لائف آنریری سکریٹری مولوی سید احمد خان صاحب بہادر جج ماتحت درجہ اول وجج عدالت خفیفہ بنارس ماہ اپریل ۱۸۶۹ء میں ہندوستان سے انگلستان کو ضرور تشریف لے جاویں گے۔

جو درخواست مولوی صاحب ممدوح نے گورنمنٹ کی خدمت میں ارسال کی ہے اُس کے خلاصہ مندرجہ ذیل سے ناظرین اخبار کو اس امر سے اطلاع کامل حاصل ہوگی کہ وہ کس مقصد کے واسطے اس بڑے سفر کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

خلاصہ:

''یہ بات بخوبی میرے ذہن نشین ہے کہ ہندوستان کی فلاح و بہبودی کو کامل ترقی دینے اور گورنمنٹ انگریزی کے مطالب کو جس کی ملازمت کا فخر مجھ کو بھی حاصل ہے بخوبی استحکام و پائداری بخشنے کے واسطے سوائے اس کے اور کسی امر کی زیادہ ضرورت نہیں ہے کہ اہل یورپ اور ہندوستانیوں کے درمیان میں ربط وضبط کو ترقی دی جاوے پس اس مقصد کی تکمیل کے واسطے ہندوستانیوں کو میری رائے میں یورپ کی سیر کی ترغیب دینی چاہیے تا کہ وہ مغربی ملکوں کی شائستگی کے عجیب وغریب نتیجوں اور اس کی ترقی کو بچشم خود بھی مشاہدہ کریں اور اس بات کا اندازہ کرسکیں کہ انگلستان کے لوگ کیسے دولت منداور طاقتور اور داناہیں۔

اوران مفید اور عمدہ باتوں کو ہندوستان کی بھلائی کے واسطے سیکھیں جو اس امر کے نتیجہ ہیں کہ تجارت کے باب میں انگلستان کے باشندے نہایت مستعد ہیں اور کارخانوں اور کاشتکاری اور شفاخانوں اور خیرات خانوں اور اس کے شہروں کی صفائی کے انتظام میں اس کی دولت وعلم سے روز بروز زیادہ کام لیا جاتا ہے۔

''پس اس خواہش سے میں یہ بات چاہتا ہوں کہ خود انگلستان جا کر اپنے ہم وطنوں کے واسطے ایک نظیر قائم کروں اور مجھ کو یقین ہے کہ صرف مجھ کو ہی اس سیر سے فائدہ نہ ہوگا بلکہ امید ہے کہ اپنے سفر کے نتیجوں سے اُن کو مطلع کر کے اُن کو بھی فائدہ پہنچا سکوں اور اس طرح پر جو عمدہ باتیں میں نے سیکھی ہوں اُن کو سکھاؤں اور اُن کو اپنی پیروی کی ترغیب دوں۔''

ہم کو اس بات کے سننے سے اور بھی زیادہ خوشی حاصل ہوئی کہ گورنمنٹ نے اپنی عنایت و فیاضی سے مولوی سید احمد خان کے چھوٹے لڑکے سید محمد محمود کو جس نے اس سال میں کلکتہ یونیورسٹی کے داخلہ کے امتحان میں اوّل درجہ کی سند حاصل کر لی ہے ان اضلاع سے انگلستان کے جانے کے واسطے وظیفہ کا دینا منظور فرمایا ہے جیسا کہ چٹھی مندرجہ ذیل سے واضح ہوگا۔

لیکن ہم نے سنا ہے کہ ہمارے عالم و فاضل لائف آنریری سکریٹری کا یہ بھی ارادہ ہے کہ اپنے بڑے بیٹے سید محمد حامد کو بھی اپنے ہمراہ لے جاویں۔

چٹھی

نمبر ۳۶۶ حرف (الف) سنہ ۱۸۶۹ء

از جناب آرسمسن صاحب بہادر سکریٹری گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی

بنام

مولوی سید احمد خان جج ماتحت درجہ اوّل و جج عدالت خفیفہ بنارس

از مقام جلال آباد مورخہ ۲۳ر جنوری ۱۸۶۹ء

صاحب من۔ بہ تسلسل حکم گورنمنٹ نمبر ۱۰۲ حرف (الف) مورخہ ۸ ماہ حال مجھ کو اس امر کی اطلاع دینے کی ہدایت کی گئی ہے کہ حضور لفٹنٹ گورنر بہادر نے اس سال

میں آپ کے بیٹے سید محمد محمود کو ان اضلاع سے انگلستان کے جانے کے واسطے بطور وظیفہ دار کے منتخب فرمایا ہے۔

گورنمنٹ ہندوستان کے صیغہ ہوم ڈیپارٹمنٹ کو اس امر سے اطلاع دی گئی ہے کہ آپ کا بیٹا ماہ مئی میں ہندوستان سے انگلستان کو جہاز پر سوار ہوگا۔

(دستخط) آر مسن

سکریٹری گورنمنٹ ممالک مغربی وشمالی

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۵/فروری ۱۸۶۹ء)

●●●

سرسید کے خط مورخہ ۲۲/اکتوبر ۱۸۶۹ء کے بارے میں
راجہ جے کشن داس کا نوٹ

ہماری سوسائٹی کے لائف آنریری سکریٹری یعنی محبّ ہندوستان و ہندیاں جناب مولوی سید احمد صاحب بہادر سی ایس آئی نے جو خط ہمارے ایک آرٹیکل کی تائید میں لندن سے ارسال فرمایا ہے اس کو ہم نہایت خوشی کے ساتھ ملاحظہ ناظرین اخبار کے واسطے چھاپتے ہیں اور جو فقرہ ہمارے آرٹیکل میں ہندوستانیوں کی پست ہمتی اور کم حوصلگی کے لحاظ سے لکھا گیا تھا جس کے لکھنے سے ہم کو بھی یہی ظاہر کرنا منظور تھا کہ ہمارے ہندوستانی ہم وطن ایسے غافل اور کم ہمت ہیں کہ وہ اپنی ذاتی شائستگی اور اپنے بچے اور عورتوں کی تربیت میں بھی خود مکتفی ہوکر روپیہ خرچ کرنے اور دل لگانے میں حوصلہ ظاہر نہیں کرتے اور اپنی اوقات کو وحشیوں کی مانند بسر کرنے اور خرافات میں روپیہ صرف کرنے کو پسند کرتے ہیں اس کی نسبت جو کچھ ہمارے محبّ وطن سکریٹری نے لکھا ہے اس سے ہم صرف اتفاق ہی نہیں کرتے بلکہ کچھ زیادہ کہتے ہیں۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے بلاشبہ نہایت درست ہے اور اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہے کہ ہندوستانی لوگ علم کی روشنی اور اس کے فیض سے بہرہ یاب ہونے کی ہرگز قدر نہیں جانتے اور اپنے ملک کی حالت کو ترقی دینا اور اپنے مسکنوں کو گلزار بنانا اور اپنے عادات کو شائستہ کرنا اور ایک مہذب اور نہایت دانا قوم کی پیروی کرنا اپنی کم بختی سے بے حقیقت اور فضول بات جانتے ہیں اور اسی وجہ سے ہم کو امید نہیں ہے کہ وہ خود مستعد اور آمادہ ہوکر عورتوں کی تعلیم کے نہایت عمدہ اور ازبس پسندیدہ کام کو گورنمنٹ کی امداد بغیر جاری کرسکیں۔ حالاں کہ ہمارے سکریٹری

موصوف کی رائے عالی کے موافق یہ وہ کام ہے جس میں گورنمنٹ سے امداد مانگنا اور خاص اپنی بہبودی اور بہتری کی فکر دوسروں کے سر پر ڈالنا بلاشبہ بڑی بے شرمی اور کمال بے حیائی کی بات ہے اور اپنے حقوق اور غیر کے حقوق میں امتیاز نہ کرنا اسی کا نام ہے۔ ہماری دانست میں کوئی دانش مند روشن ضمیر آدمی کبھی یہ تجویز نہ کرے گا کہ ہندوستانی لوگ اپنی عورتوں کی تعلیم میں خود اپنے شوق اور روپیہ کو صرف نہ کریں اور گورنمنٹ کی امداد اور ترغیب بلکہ تنبیہ کے محتاج رہیں۔ حقیقت میں ہندوستانی لوگ اس عادت سے ہمارے سکریٹری موصوف کی اس رائے کو ثابت کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے خط میں لکھی تھی کہ ہندوستانی لوگ انگریزوں کے نزدیک وحشیوں کے مانند ہیں اور جانوروں کے برابر بھی رتبہ نہیں رکھتے، اس لیے کہ جس طرح بیل بغیر ٹک ٹک اور بغیر دوسرے کے ہانکے اپنی منزل مقصود کو پہنچنا نہیں جانتا اسی طرح ہندوستانی بھی اپنی اصل منزل کو بغیر دوسرے کی تحریک اور ترغیب کے نہیں پہنچ سکتے اور کسی اپنی بھلائی کے کام کو نہیں کر سکتے۔ ہم نے آج تک نہیں سنا کہ ہندوستانیوں نے کبھی خود بھی کوئی ایسا عمدہ کام اپنے شوق سے کیا ہو۔ پس کیا ہندوستانیوں کے لیے یہ بات شرم کی نہ تھی کہ انھوں نے عورتوں کی تعلیم کی خود فکر نہ کی اور گورنمنٹ کی ترغیب سے اس جانب مائل ہوئے اور کیا یہ گورنمنٹ کا حق تھا کہ وہ ہندوستانیوں کی عورتوں کی تعلیم میں ایسی دل و جان سے ساعی ہوتی اور اگر اس کا حق نہ تھا تو کیا ہندوستانیوں کو پھر یہی مناسب تھا کہ وہ اپنے فرض کے ادا کرنے میں گورنمنٹ کے محتاج رہیں۔ ہرگز یہ گورنمنٹ کا حق نہیں ہے بلاشبہ ہمارے نزدیک یہ بھی بڑی شرم کی بات ہے کہ آج تک عورتوں کی تعلیم کی فکر خود ہندوستانیوں نے نہ کی اور گورنمنٹ کے جگانے سے جاگے۔ ہم نے کبھی نہیں سنا کہ ہندوستانیوں نے عورتوں کی تعلیم کا کبھی کسی جلسہ میں ذکر بھی کیا ہو یا کبھی ہندوستانیوں کی طرف سے ہمارے کان میں اس بات کی بھنک بھی پڑی ہو جب ہماری شائستہ گورنمنٹ ہی مستعد ہوئی اور اس نے ہر جلسہ اور ہر موقع پر اس کی ترغیب کا ڈھنگ ڈالا تو اب ہم نے کبھی کبھی اس کا ذکر بھی سنا اور اخبار نویسوں کو بھی

خیال آیا۔ حالاں کہ اب بھی کچھ ہندوستانیوں نے اس باب میں نہیں کیا اور قصہ کی طرح کہیں کہیں اس کا ذکر کرنے کے سوائے اور قباحتیں بیان کرنے کے علاوہ اور کچھ ان سے نہیں ہوسکا۔ پس جب ہمارے ہم وطن ایسے پست ہمت ہیں اور ان کو اپنے حال وخسران مآل پر ذرا بھی شرم نہیں آتی اور جگانے سے بھی نہیں جاگتے اور ہاتھ پکڑ کر اٹھانے سے بھی نہیں اُٹھتے ،تو ہم ان سے کیا امید کریں گے اور کس طرح ہم کو توقع ہوگی کہ وہ اپنی اولاد اور عورتوں کو تعلیم یافتہ اور شائستہ بنا کر اپنے ملک اور اپنی قوم کو ذلت وخواری سے بچادیں گے۔ پس جب ہم کو ایسی مایوسی ہوتی ہے اور باوجود کہنے سننے کے ہم ان کو غافل پاتے ہیں تو پھر خواہ مخواہ ہم ایک افسوس وندامت کے ساتھ یہی کہتے ہیں کہ جیسے ہماری شفیق اور مربی گورنمنٹ نے اس باب میں ترغیب وتحریص کا بیڑہ اُٹھایا ہے اور بغیر کسی غرض کے ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال کیا ہے اسی طرح اتنا اور بھی کرے کہ خود امداد سے شریک ہوکر ذرا اس سلسلے کو جاری بھی کردے پھر جب یہ سلسلہ جاری ہوگیا اور ہندوستانیوں نے اس سلسلے کے ثمرہ سے حظ اُٹھایا اور بہ مشکل سوتے سے جاگے تو شاید آئندہ خود بھی کچھ سمجھیں اور پھر گورنمنٹ کی تائید کے محتاج نہ رہیں اور اگر پھر بھی ایسے ہی رہے جیسے کہ اب ہیں تو پھر نہ گورنمنٹ کا قصور ہے نہ اس سرزمین کا اثر ہے بلکہ یہ ہندوستانیوں کے بخت ناموزوں اور طالع نامساعد کی شامت ہے۔ بقول:

ہرچہ ہست از قامت ناساز و ناموزوں ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۶؍نومبر ۱۸۶۹ء)

●●●

سکریٹری سائنٹفک سوسائٹی راجہ جے کشن داس کا خط سرسید کے نام

ہماری سوسائٹی کے لائف آنریری سکریٹری کے مراسلہ مورخہ ۱۵/اکتوبر ۱۸۶۹ء کے جواب میں جو تحریر ہمارے آنریری سکریٹری کی جانب سے موصول ہوئی اس کو بھی ہم ملاحظہ ناظرین اخبار کے واسطے نہایت خوشی سے چھاپتے ہیں۔

اے خیر خواہ ہند و ہندیان سلامت۔ آپ کا عنایت نامہ بلکہ ہندوستانیوں کے حق میں ایک عجیب و غریب نصیحت نامہ آیا۔ میں آپ سے اپنے دل کی بات کہتا ہوں کہ آپ کا یہ عنایت نامہ خاص میری ہی ذات پر آپ کا شکریہ واجب نہیں کرتا بلکہ حقیقت میں بہ نظر انصاف تمام ہندوستان کے باشندوں پر اس کا شکریہ واجب ہے۔ جس خلوص کے ساتھ آپ نے یہ خط لکھا اور جو دل سوزی اس کے ہر ہر حرف سے ٹپکتی ہے اس کی کیفیت کو میرا دل ہی جانتا ہے اور میں نہایت سچے دل سے یہ بات کہتا ہوں کہ جو شخص آپ کی ایسی محبت خیز باتوں اور ایسی درد آمیز نصیحتوں کو بُرا سمجھے گا کبھی وہ اپنے حق میں بھلائی کا طالب نہ ہوگا۔ میں نہایت افسوس کرتا ہوں اس باولے آدمی کی سمجھ پر جو ایسی بے غرض باتوں سے آزردہ ہووے اور اپنی بہتری اور بدتری میں امتیاز نہ کرے۔ آپ نے جو سوسائٹی کے ممبروں کی ناخوشی کا خیال کیا اور اب تک اپنی نہایت پُر لطف اور نصیحت آمیز تحریر سے تمام ہندوستان کو محروم رکھا اور جو مضامین سراسر عبرت کے بھرے ہوئے آپ بھیجتے تھے ان کے فیض کو روکا، میں نہیں جانتا کہ وہ آپ کے کس خیال پر مبنی تھے کیا آپ وہ مضمون صرف سوسئٹی کے ممبروں اور ملازموں ہی کی خوشی کے واسطے لکھتے تھے۔ نہیں بلاشبہ وہ ہندوستانیوں کی عام بھلائی کے واسطے تھے پھر ایک عام بھلائی کے کام کو کسی خاص وجہ سے چھوڑ دینا گویا جان بوجھ کر ابتری کی اجازت دے دینا ہے۔

اگر ہیچم کہ نابنیاد چاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

میں سچ کہتا ہوں کہ آپ کی نصیحت ہرگز خالی نہ جاوے گی اور بے شک کبھی نہ کبھی وہ اپنا اثر دکھلاوے گی۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جیسا آپ کا مضمون ہندوستانی لوگ شوق و ذوق سے پڑھتے ہیں ایسا اخبار میں سے کسی مضمون کو نہیں پڑھتے اور جیسا ہندوستانی لوگ وہاں کے حالات کو سن کر اور وہاں کی تربیت و شائستگی اور اس ملک کی خوبیوں اور ترقی کی کیفیت کو پڑھ کر تعجب کرتے ہیں آج تک ایسا کسی چیز سے متعجب نہیں ہوئے پس ان کا متعجب ہونا اور شائستہ اور تربیت یافتہ قوم کے عادات اور حالات کو بہ شوق تمام پڑھنا میرے جی کو بڑا بھروسہ دلاتا ہے اور مجھ کو امید ہوتی ہے کہ ہندوستانیوں کے دلوں میں اس رغبت و شوق کے دھوئیں کا گھمڈ نا ایک دن نہ ایک دن بھبھوکا لے اُٹھے گا اور رفتہ رفتہ ان کے دلوں میں آپ کی اس نصیحت کا اثر نقش بیٹھا دے گا۔

مشکلے نیست کہ آسان نشود
مرد باید کہ ہراساں نشود

آپ دیکھیں تو رفتہ رفتہ کیا ہوتا ہے اور آپ کی اس ہمدردی اور دل سوزی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے میں نہایت تعجب کرتا ہوں کہ آپ سا شفیق ناصح اور آپ سا مہربان دل سوز کسی کی آزردگی کے خیال سے یا کسی کی رنجیدگی کے لحاظ سے اپنی نصیحت کو چھوڑ دے۔ آپ کا خط پڑھتے وقت مجھے بار بار آپ ہی کا ایجاد کیا ہوا یہ فقرہ یاد آتا ہے (جس کام کے کرنے سے ہم کو ناامیدی ہو تو کیا ہم کو وہ کام چھوڑ دینا چاہیے ہرگز ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے اس لیے کہ ایسے کام کو چھوڑ دینا گویا خدا کی خدائی سے منکر ہونا ہے) پس کیا آپ کو ممبروں کی ناخوشی یا ہندوستان کی آزردگی سے اس بات کی توقع نہ رہی کہ ہندوستان میں بھی کبھی شائستگی اور کامل انسانیت کا ڈنکا بجنے والا ہے ہم کو اپنے خدا سے امید ہے کہ ضرور ایک دن ہندوستان میں بھی تعلیم و تربیت کا نیزہ بلند ہوگا اور کبھی نہ کبھی یہ غافل ہندوستانی رہ راست پر

آویں گے بلاشبہ جب ہندوستانیوں کے دلوں پر آپ کے مضامین اور سفرنامے دیکھتے دیکھتے یورپ کی تعلیم وتربیت اور ایک شائستہ قوم کے عمدہ عمدہ اخلاق وعادات کا نقشہ جمے گا اور یہاں بیٹھے بیٹھے ان کی آنکھوں میں وہ ملک پھرنے لگے گا تو ضرور ہندوستانی لوگ اس ملک کی بے تہذیبی کا اس ملک کی خیالی تہذیب سے مقابلہ کریں گے اور رفتہ رفتہ اس میں امتیاز پیدا کریں گے، پھر آپ کا ساکت ہو رہنا اور کسی خاص وجہ سے ایک عام بھلائی کے کام کو چھوڑ دینا گویا بنی ہوئی بات کو بگاڑ دینا ہے۔ آپ نے جو اپنی ملاقاتوں کی کیفیت اور دعوتوں کے جلسوں میں شریک ہونے اور علمی جلسوں میں جانے اور لکچروں کی سیر کرنے اور میٹنگوں کے دیکھنے کا حال لکھا ہے اور اس ملک کے نہایت شائستہ اور خوش سلیقہ اور علم دوست اور ہنر پرور قوم کی کیفیت بیان فرمائی ہے اس کو دیکھنے سے میرے جی میں ایک خیالی ملک کا نہایت خوب صورت نقشہ بن گیا ہے جس کی تمام کیفیت کے تصور ہی سے مجھ کو ایک لطف آتا ہے زہے نصیب ان لوگوں کے جو آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں اور مزہ اُٹھاتے ہوں۔ میرے دل کو یقین ہے کہ جو آپ نے وہاں دیکھا ہے اور جس آنکھوں دیکھی تربیت اور آدمیت کی تعریف میں آپ نے اپنے اتنے بڑے خط کو بھر دیا ہے شاید تحریری کیفیت اصل خوبی کے پاسنگ بھی نہ ہوگی۔ حقیقت میں جن ہندوستانیوں نے اس ملک کو نہیں دیکھا ان کے سامنے اس کی خوبی کو بیان کرنا بعینہٖ ایک کہانی کا سنانا ہے جس کو وہ مزے مزے سن لیتے ہیں اور سننے کے بعد اس کو بعید عن القیاس سمجھ کر صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ سب بناوٹ کی باتیں ہیں بھلا ایسا کب ہوسکتا ہے۔ آپ نے جو ایک مینڈک اور مچھلی کی حکایت لکھی ہے بلاشبہ جن ہندوستانیوں نے اس ملک کو نہیں دیکھا وہ اسی کے مصداق ہیں۔ انھوں نے جو آج تک ایسے تربیت اور تعلیم یافتہ ملک کو آنکھوں سے نہیں دیکھا اس لیے ان کے ذہنوں میں یورپ کے حالات سراسر خیالی اور بناوٹ کی سی معلوم ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ تعجب کی باتیں یہ معلوم ہوتی ہیں کہ وہاں کی عورتیں بھی ایسی ہی لائق ہیں، خادم بھی ایسے ہی ہیں، مزدور بھی صاحب کمال ہیں، بازاری بھی صاحب

لیاقت ہیں اور ہندوستانی لوگ اس بات کو محال جانتے ہیں اور ان کے خیال میں عورتوں کا پڑھانا بالکل لغو ہے۔ مزدوروں کو پڑھا دینا گویا ان کو سرکش کر دیتا ہے۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابھی تک ہندوستانیوں کے خیالات فاصد ہی نہیں بدلے اور جس جہل مرکب میں وہ سالہا سال سے پڑے ہوئے ہیں ابھی اس سے بھی نجات نہیں پائی پھر کیسے وہ یکا یک تعلیم یافتہ قوم ہو جاویں گے اور کیسے وہ یک لخت اپنے جاہلانہ تعصّبات سے باز آویں گے۔ ہاں بتدریج سب کچھ ہو جاوے گا اور تاؤ دیتے دیتے کبھی تو لوہے کا میل کٹے گا مگر بہ ایں ہمہ یہ بات مجھ کو کسی طرح اخلاق کے مناسب نہیں معلوم ہوتی کہ یورپ کی شائستہ اور تربیت یافتہ قوم ہندوستانیوں کی جہالت کے سبب سے ہندوستانیوں کے ساتھ بہ ذلت و تحقیر پیش آوے اور ہندوستانیوں کو باشائستہ قوم سمجھ کر بالکل جانور ہی سمجھے۔ کیا تربیت یافتہ قوم یہ نہیں جانتی کہ تالیف قلوب کے ساتھ تعلیم دینے سے جانور بھی شائستہ اور مہذب ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ بھی محبت اور پیار کے لائق بن جاتا ہے اور اگر اس کے ساتھ بدسلوکی اور مار پیٹ سے پیش آؤ تو وہ بھی بگڑ جاتا ہے پس ان کے نزدیک ہندوستانی اس لائق بھی نہیں ہیں کہ وہ تالیف قلوب اور محبت و پیار کے ساتھ تربیت یافتہ بنائے جاویں اور کیا ان میں اتنا بھی جوش انسانیت نہیں ہے کہ اہل یورپ کی بداخلاقی اور تنگ مزاجی سے ذرا بھی اپنا جی میلا نہ کریں اور خواہ مخواہ بھی انھیں کے پاس جمے رہیں یا ان کے سے اخلاق سیکھیں نہیں۔ تربیت یافتہ قوم پر حق ہے کہ وہ اپنے ہم جنس کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی اور محبت سے پیش آوے اور اگر اپنے ہم جنس کو غیر مہذب اور ناشائستہ پاوے تو حکمت کے ساتھ اس کی آراستگی اور شائستگی کی فکر کرے اور وہ حکمت تالیف قلوب سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے اس لیے کہ اگر غیر مہذب جان کر ان کے ساتھ بُری طرح پیش آئے تو وہ اور زیادہ بگڑیں گے۔

اخیر فقرہ میں جو آپ نے اخبار کی آزادی اور میری رائے کی آزادی کے محفوظ رکھنے کی نسبت ہدایت فرمائی ہے میں امید کرتا ہوں خدائے برحق سے کہ وہ یوماً فیوماً زیادہ

ہوگی۔ میں اپنے دل میں غور کرنے کے بعد بالیقین یہ بات کہتا ہوں کہ میری آزادی بناوٹ کی نہیں ہے اور جب جبلی ہے تو وہ بفضل خدا کم بھی نہیں ہوگی علاوہ اس کے ایک یہ بات کیسی عمدہ ہے کہ اہل یورپ آزاد کلام سے بشرطے کہ وہ حق ہو کسی طرح آزردہ نہیں ہوتے پھر ایسی کیا وجہ ہوگی جو میری آزادی کے منافی ہوگی۔ میں امید کرتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری آزادی ہمیشہ ترقی پر رہے گی اور جو کچھ آپ نے حوض کی بابت حساب کے طے کرنے کو تحریر فرمایا ہے وہ بھی حسب ارشاد ہو جاوے گا۔ اب تک جو حساب میں کچھ جھمیلا تھا اس وجہ سے میں نے اس کا حسب الخرچ نہیں کیا۔ زیادہ شوق

عاجز آپ کا خادم

جے کشن داس

۲۶ر نومبر ۱۸۶۹ء

●●●

سید احمد خان اور اخبار نور الابصار[۵۶]

ناظرین اخبار کو معلوم ہوگا کہ سید احمد خاں صاحب آنریری سکریٹری سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ اور جج ماتحت بنارس ولایت کو تشریف لے گئے ہیں اور وہاں سے کچھ حالات اپنے سیر وسفر کے لکھ کر ارسال فرماتے ہیں کہ وہ اخبار سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ میں چھپتے ہیں اور شائقین حقائق وکوائف روزگار کو حظ پہنچاتے ہیں اس مرتبہ انھوں نے ایک مضمون اہالیان انگلستان کی صفات میں لکھا ہے، وہ مضمون کئی صفحوں میں ہے مگر بعض مطالب اس کے یہاں بطور تذکرہ کے لکھے جاتے ہیں ایک مقام پر لکھا ہے کہ ''تمام ہندوستانیوں کو اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک امیر سے لے کر غریب تک سوداگر سے لے کر اہل حرفہ تک عالم فاضل سے لے کر جاہل تک انگریزوں کی تعلیم وتربیت اور شائستگی کے مقابلے میں درحقیقت ایسی نسبت ہے جسے نہایت لائق اور خوب صورت آدمی کے سامنے نہایت میلے کچیلے وحشی جانور کو'' اور یہی وجہ سید صاحب اس بات کی بیان فرماتے ہیں کہ صاحبان انگریز ہندوستانیوں سے نہایت بداخلاقی کے ساتھ پیش آتے ہیں ہم کو جائے تعجب ہے کہ سید احمد سا شخص نامی احوال انگلستان کے مشاہدہ سے اپنے ہم وطنوں کو ایسا حقیر سمجھے کہ نسبت ادنیٰ حیوان سے دے اور یہ نہ صرف یہاں کے جاہلوں کو بلکہ عالموں فاضلوں کو بھی سید صاحب کی نظر محض تکلفات ظاہری پر ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ آج انگلستان روئے زمین کی دولت وغنا کا گھر ہے وہاں کی صفائی اور رونق کو دیکھ کر سید صاحب مثل مردم چراغاں دیدہ کے ہوگئے اور یہ بات سید صاحب پر منحصر نہیں ہے جو شخص اس ولایت کا وہاں جائے گا وہ اس ملک کی خوبیوں کو دیکھ کر حیران ومتعجب ہوگا لیکن ایسے شخص عاقل کو جیسے کہ سید احمد خاں ہیں اس قدر ظاہری دید پر محو نہیں ہونا چاہیے کہ اس

ملک کے عالم و فاضل تک ان کی نظروں میں بہ مقابلہ صاحبان انگریز کے جانور دکھائی دینے لگیں اور زیادہ تعجب اس بات کا ہے کہ جس قوم کی وہ اس قدر تعریف وتوصیف لکھتے ہیں اسی کو متہم اس بدخلقی کے ساتھ کرتے ہیں کہ وہ اہالیان ہند کو جانوروں سے بدتر سمجھتے ہیں اگرچہ ہم نے انگلستان کو تو نہیں دیکھا لیکن صاحبان انگریز کا برتاؤ جو ہندوستانیوں کے ساتھ ہے روزمرہ دیکھتے ہیں۔ ہماری دانست میں اس ملک کے اہل علم کی بے قدری صاحبان انگریز اس قدر نہیں کرتے ہیں جس قدر کہ سید صاحب کے بیان سے پائی جاتی ہے بلکہ درحقیقت جس کو صاحبان انگریز لائق اور قابل سمجھتے ہیں اس کی ویسی ہی قدر و منزلت فرماتے ہیں جیسے کہ چاہیے، البتہ رتبہ و حاکم ومحکوم اور غالب ومغلوب کا بہ ہمہ حال مرعی وملحوظ رہتا ہے اور اس باب میں ہم ہندوستانیوں کو جائے شکایت نہیں البتہ ہندوستانی کیسا ہی ذی رتبہ ہو خصوص ملازمان سرکاری سے گر کوئی صدرالصدور یا ڈپٹی کلکٹر درجۂ اوّل کا ہی ہو لیکن بہ مقابلہ ایک صاحب اسسٹنٹ کے محکومیت کی صفت سے کہ صاحبان انگریز فرماں روائے ملک ہیں خالی نہیں ہوسکتا اس لیے ہم کو یہاں سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیے کہ وہ ہندوستانیوں کو بدتر از حیوان سمجھتے ہیں۔ سید صاحب کا مضمون مذکورہ بالا محض آزادانہ نہیں ہے بلکہ خلاف مصلحت اور ایک نظر سے پایہ صداقت وراستی سے بھی متجاوز ہے۔ ہم نے مانا کہ انگلستان کے مکانات بہت عالی شان وہاں کی عمارات نہایت خوش اسلوب فرش وفروش اور اسباب خانہ داری از بس مکلّف، مال و اسباب دوکان داروں اور سوداگروں کے بیش بہا اور پاکیزہ ولطیف۔ لیکن یہ سب باتیں اقبال کے عروج سے تعلق رکھتی ہیں جس قوم کا جس زمانہ میں عروج ہوتا ہے یہ سب صفات کم وبیش جمع ہو جاتی ہیں ان پر عاقل کو بھولنا نہ چاہیے بلکہ اصلیت کو دیکھنا لازم ہے۔ سید صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''کہ ہندوستان میں جس طرح انگریز ہندوستانیوں کے ساتھ پیش آتے ہیں صرف وہ گورنمنٹ کی مصلحت وقت سے مجبور ہیں جو ان کو ہندوستانیوں کے ساتھ ملنا اور ان کی خاطرداری کرنی پڑتی ہے اگر یہ نہ ہو اور فرض کرو کہ ہندوستانی اور انگریز ایک آزاد ملک

میں اکٹھے بسائے جائیں اور بالفعل جو عادتیں اور طرز زندگی اور بود و باش ہندوستانیوں کی ہے وہ ویسی ہی رہے اور جو انگریزوں کی ہے وہ ویسی ہی رہے تو ہرگز انگریز ہندوستانیوں کے پاس بھی نہ کھڑے ہوں اور جانور سے زیادہ نہ سمجھیں۔'' الخ

یہ بات نہ سید صاحب بالتصریح تحریر فرماتے ہیں اور نہ ہم کو کوئی وجہ مبین ایسے تنافر قیاسی کی پائی جاتی ہے اگر فرق مال و منال کا ہے تو ہماری دانست میں سید صاحب کو یہ ذکر لکھنا بھی فضول تھا کیوں کہ ذی مقدور ہو کر جو قوم اپنے ابنائے جنس بے استطاعت سے تنفر اختیار کرے وہ لائق تعریف کے نہیں ہے اور اگر فرق عادات و اطوار کا ہے تو بھی خوش اطوار کو بد اطوار پر رحم کرنا چاہیے نہ تنفر۔ مگر ہم اس فرق کو سید صاحب کے لکھنے پر تسلیم نہیں کر سکتے شنیدہ مانند دیدہ کے نہیں ہوتا ہم صریح ایک گروہ قوم صاحبان انگریز کو دیکھتے ہیں کہ ان کو نہ اس قدر تکبر ہے کہ غیر قوم سے بالکل نفرت اختیار کریں اور نہ فی الواقع عادات و اطوار میں اس قدر فوقیت کہ وہ ہندوستانیوں کو لائق میل ملاپ کے نہ سمجھیں البتہ بُرے بھلے سب قوم میں ہوتے ہیں۔ صاحبان انگریز میں جو عالی خاندان اور تربیت یافتہ ہیں وہ بے شک عمدہ صفات رکھتے ہیں لیکن کوئی ایسی صفت ان صفات میں سے نہیں ہے جو مطلق ہندوستانیوں میں نہ پائی جاتی ہو البتہ سید صاحب کی تعریف نسبت صاحبان انگریز کے اور مذمت نسبت ہندوستانیوں کے اس قدر صحیح ہو سکتی ہے کہ اس زمانے میں اچھے اشخاص ان میں بہت ہیں، ہندوستانیوں میں کم لیکن سید صاحب کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ خدا جس قوم کو جس زمانہ میں ملک و دولت عطا فرماتا ہے کسی قدر بہ نسبت دوسروں کے ان کو صفات ذاتی کی بھی فضیلت بخشتا ہے اور سید صاحب جو فرماتے ہیں کہ ''ہمارے ہم وطن ہندو اور ہمارے کم بخت مسلمان بھائی اب تک کوئے جہالت میں پڑے ہیں'' ہم نہیں سمجھتے کہ سید صاحب اب تک کا لفظ کس معنی میں مستعمل فرماتے ہیں ہم کو کسی طرح سید صاحب کی عموماً واقفیت حالات زمانہ حال اور تاریخ زمانہ سلف کی نسبت شبہ نہیں ہے لیکن انھوں نے اس بات پر خیال نہیں فرمایا کہ یہ وہی جاہل ہندو ہیں جن کے بزرگوں کے علوم و

فنون کی کتب دیرینہ کی تلاش اب تک بہ کمال کوشش صاحبان انگریز کو ہے اور جن کے بڑے بڑے نمونے آلات اور دست کاری کے جو بالفعل موجود ہیں دیکھ دیکھ کر انگلستان نے بھی بہت سی ثروت پیدا کی ہے اور یہ وہی کم بخت مسلمان ہیں جن کے آباء واجداد کے علوم کی بنا پر ملک یورپ کی قوموں نے اپنے علوم وفنون کی عمارت قائم کی گو اس میں شک نہیں کہ اس وقت وہ عمارت ایسی عظمت وشان رکھتی ہے کہ زمانہ سلف نے نظیر اس کی کبھی نہیں دیکھی تھی سو اس کا بھی تعجب نہیں ہے مصرع ہر کہ آمد عمارت نو ساخت۔ یہ خاصہ دنیا کا ہے جس قدر پرانی ہوتی جاتی ہے اسی قدر آدمی کو تجربہ اور مادۂ عقل ودانش کا زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ بشرطے کہ یہ اس کی طرف توجہ کرے۔ سو البتہ یہ صفت بالفعل اقوام یورپ میں ہے۔ جب خدا چاہے گا پھر نوبت بہ اہالیان ہند آئے گی اس میں اضطراب کرنا کچھ سود نہیں رکھتا مگر ہم سب کو خوش ہونا چاہیے کہ آثار اس کے کچھ کچھ ظہور میں آنے لگے ہیں، اور ایک نمونہ ان آثار کا یہی تقریر دل سوزی کی مضامین آزادانہ لکھے ہوئے سید احمد خاں بہادر کے ہیں۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۰؍دسمبر ۱۹۶۹ء)

●●●

نامہ نگار کا رنامہ ۵۷ء اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا نوٹ

نامہ نگار کا رنامہ نے ہماری اس تحریر کی نسبت اپنی مفصلہ ذیل تحریر میں کس جوش وخروش سے حرف گیری کی ہے جو ہم نے اپنے لیف آنریری سکریٹری کی شان میں جان ڈیون پورٹ صاحب کی کتاب حمایت اسلام کے تذکرہ کے ذیل میں لکھی تھی اور جس سے ہم نے اپنے سکریٹری موصوف کی صاف طینتی اور جوش حمایت کو ظاہر کیا تھا ہم کمال افسوس کرتے ہیں نامہ نگار کا رنامہ کی اس تحریر پر جس سے صاف ایک متعصّبانہ گرفت ظاہر ہوتی ہے۔ کیا اس کے نزدیک ہمارے سکریٹری صاحب موصوف نے یہ بھی برا کیا کہ ایسی کتاب کے طبع کرانے میں تائید کی اور کیا یہ بھی برا ہے کہ وہ خود اپنی عالی ہمتی سے ایک کتاب لاجواب ان الزاموں کے رد میں تصنیف کر رہے ہیں جو اور قوم نے مسلمانوں کے مذہب پر لگائے ہیں اور اگر یہ دونوں کام برے نہیں ہیں تو ہماری تعریف جو خاص اسی وجہ سے تھی کیوں کر لاطائل ہوئی، ذرا نامہ نگار کا رنامہ ہی انصاف کریں کہ جو کام ہمارے سکریٹری موصوف نے کیا ہے یعنی بے جا الزاموں کو اپنے مذہب سے دفع کیا ہے یہ بہتر ہے یا جو نامہ نگار کا رنامہ نے بے جا نکتہ چینی کی ہے وہ قابل تحسین ہے۔ علاوہ اس کے اگر ہم نے اپنے سکریٹری موصوف کے اس فعل کی بھی تائید کی ہوتی کہ انھوں نے غیر مذبوح کو حلال سمجھا تو اس شدومد کے ساتھ نامہ نگار کا رنامہ کی گرفت بجا تھی اور جب ہم نے اس فعل کی حسن وقبح کی نسبت اپنی کوئی رائے نہیں لکھی اور مذہبی بحث کو درج اخبار کرنا ہی بے فائدہ بات سمجھا تو اس حالت میں ان کی یہ گرفت بجز بے جا تعصب کے اور کسی امر پر محمول نہیں ہو سکتی ہم ان لوگوں میں داخل نہیں ہیں۔

اے ہنر یا گرفتہ زیر بغل
عیب یارا نہادہ برکف دست

ہمارے سکریٹری کی صدہا جاں فشانیاں اور تمام ہندوستان کے ساتھ بلکہ خاص مسلمانوں کے ساتھ ایسی خیر خواہیاں جو اس وقت تک برابر ہوتی جاتی ہیں بالکل معدوم سمجھی جاویں اور ایک فعل خاص جس کی اصل علت بھی اب تک مرتبۂ یقین کو نہیں پہنچی تمام عالم میں باعث بدنامی بنایا جاوے بڑی ہٹ دھرمی ہے صرف ایک حمایت اسلام اور مسلمانوں کی وقعت کو نگاہ رکھنا اور تمام مسلمانوں کی آبرو کو دوبالا کر دینا ہے ایسا فعل ہے کہ اس کے لحاظ سے جہاں تک ان کی توصیف کی جاوے تھوڑی ہے پھر کیا وجہ ہے جو نامہ نگار کارنامہ نے ایک حالت جوش میں از خود رفتہ ہو کر ایسے بے معنی لایعنی باتوں کو درج اخبار کر کے شان اخبار کو بگاڑا ہے ہم ان سے صرف انصاف کے خواست گار ہیں۔

انصاف:

جان ڈیون پورٹ صاحب نے حمایت دین اسلام میں ایک رسالہ بہ زبان انگریزی تالیف کیا ہے وہ ولایت انگلینڈ میں چھپ کر ہندوستان میں پہنچا ہے۔ ایک دیباچہ اور چار باب لکھے ہیں دوسو صفحے شمار ہوئے ہیں مصنف نے آغاز میں تحریر کیا ہے کہ غرض تصنیف کتاب سے یہ ہے کہ جن لوگوں نے تعصب و ہٹ دھرمی سے دین محمدیہ پر الزام لگائے ہیں وہ متنبہ ہوں اقرار غلط فہمی برزبان لائیں ایسی سطوت وصولت اور شوکت و فراست جو ذات بابرکات نبی آخر الزماںؐ میں نظر آئی ہے وہ صفت کامل کسی فرد بشر میں نہ پائی ہے اور اس طرح کے واقعات صحیح کسی کے لکھے نہیں گئے جسے آں حضرتؐ کے خصائل و افعال تحریر ہوئے۔ فیض رسانی عالم میں بے مثال تھے بے شک برگزیدہ بارگاہ ایزد ذوالجلال تھے۔ باب اوّل میں اوصاف حمیدہ وافعال سنجیدہ سرور عالم تحریر ہوئے ہیں امور واقعی بے کم و کاست لکھے ہیں۔ باب دوم میں ان باتوں کا بیان ہے جو نسبت خوبی و اوصاف انسان مندرج قرآن ہے۔ تیسرے باب میں چار اعتراض جو دین محمدیہ پر کج فہمی سے مخالفوں نے وارد کیے ہیں ان کے جواب دندان شکن دیے ہیں۔ اعتراض اوّل یہ کہ جناب سرور انبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا کے جملہ کام اغراض نفسانی سے متعلق تھے، دوسرا

مذہب اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، تیسرا کثیر عورتوں سے خود عقد کیا اور تابعین کو چار کا حکم دیا، چوتھا بہشت کا حال شہوت خیز بیان کیا۔ چوتھے باب میں کلام مجید فرقان حمید کی تعریف لکھی ہے جامعیت ثابت کی ہے۔ جب مولوی سید احمد خان بہادر ولایت میں پہنچے تو اس رسالے کو دیکھ کر محظوظ ہوئے طبع کی ترغیب دی مصارف میں کفالت کی مصنف نے چھپوا کر اشاعت کی اور خود بھی ایک رسالہ لکھنے پر آمادہ ہوئے جس قدر اعتراض نسبت مذہب اسلام نظر سے گزرے وہ بہ وجہ احسن رد کیے اس کے ذیل میں وقائع نگار سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ نے مولوی صاحب ممدوح کی عالی فہمی وفضل وکمال وافعال وخصال مجتہدانہ کی تعریف لکھی ہے بہ سبب حب واخلاص بلبل فکر وقائع نگار نے بلند پروازی کی ہے جائے غور ہے کہ جس کا ذہن مسئلہ ذبیحہ میں جو کتب احادیث میں جا بجا مذکور ہوا ہے خطا گیری اور گردن مروڑے جانور کا کھانا جائز سمجھے اور بہ رغبت طبع بفرض ترغیب عوام اشاعت دے اور تقلید سے انکار ہو اجتہاد کا اظہار ہو اس کے قول پر کیوں کر اعتبار ہو خدا نہ کرے ایسے دو چار مسلمان صورت حامی شریعت کہلائیں جن کے بیان سے عوام الناس بہک جائیں الحق امام ھمام حامی شریعت اسلام مضامین کلام مجید اور حدیث شریف صحیح سمجھے ہیں اور استنباط مسائل کیے ہیں ان کی تقلید جمہور اہل اسلام پر واجب ہے نہ کہ باوجود صدور حظائے بین اجتہاد کا دعویٰ کرے۔ سبحان اللہ ایسی سمجھ اور ادعائے حمایت شریعت وقائع نگار کا زعم باطل ہے خلاف سے جناب ممدوح کو ہدف تیر الزام بنانے سے کیا حاصل ہے۔

صاحب اخبار نورالابصار نے جو اعتراضات ہماری سوسئٹی کے لیف آنریری سکریٹری مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی کی آزاد تحریر کی نسبت اپنے اخبار گہربار میں درج فرمائے ہیں ہم ان کو ملاحظہ ناظرین کے واسطے اپنے پرچہ میں بھی افسوس کے ساتھ درج کرتے ہیں ذرا ناظرین اخبار صاحب نورالابصار کی تحریر کو دیکھیں اور انصاف کریں کہ کیا ہمارے سکریٹری موصوف نے یورپ کی عمارتوں کی تعریف اور اس ملک کی خوبی کا حال بھی سمجھ کر وہاں سے لکھا تھا جو ہمارے ہم عصر صاحب اخبار نورالابصار

سمجھے ہیں اور کیا وہاں کے عجائبات کی کیفیت اسی غرض سے لکھی تھی کہ کبھی ایسے عجائبات انھوں نے آنکھ سے نہ دیکھے تھے اسی لیے وہ ان کی نظر میں پھر گئے۔ ہمارے سکریٹری موصوف کی تحریر کا مدعا تو یہ تھا کہ یہاں اس قسم کی خوبیوں اور عجائبات کا ہونا اور عمارات دلچسپ کا بنانا اور علم و ہنر کا شائع رکھنا اور ہر کہ دمہ کی توجہ سلیقہ شعاری کی طرف مبذول رہنا بلاشبہ اس سرزمین کے باشندوں کی لیاقت اور فضیلت جودت اور سلیقہ مند ہونے کی علامت ہے اور ایسی عام شائستگی کا ہونا علی العموم علم و فضل کی قدر و منزلت کا نمونہ ہے اور ہندوستانیوں کی سخیف عادات اور ان کے ہر ایک معاملہ کی ابتری اور ہر ایک کام کا بھونڈا ہونا ان کے کاہل اور سست ہونے کی علامت ہے پس خیال کرنا چاہیے کہ کہاں ہمارے سکریٹری کے مدعا کی وسعت و فضا اور کہاں صاحب نورالابصار کی رائے بیضا کے اشہب تیز گام کی جولانی بقول کسے بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا صاحب نورالابصار ہمارے سکریٹری کی رائے پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ انھوں نے یہاں کے عالم و فاضل کو بھی جانور کی مانند لکھا حالاں کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بہ نظر علم و فضل ان کا یہ حال ہے بلکہ ان کا یہ لکھنا بہ نظر کمال علمی و لطف و خوبی عادات ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو علوم ملک ہندوستان میں ہندوستانی پڑھ کر عالم و فاضل کہلاتے ہیں وہ علوم ہرگز ہندوستان میں کسی مصرف کی چیز نہیں ہوتے اور اگر اسی علم کو اہل یورپ پڑھ کر فیض اٹھاویں تو مثل مشہور کے موافق زمین و آسمان کے قلابیں ملا دیں دیکھو جن علوم کو یورپ نے شائع کیا ہے وہ کس مرتبہ کمال کو پہنچے ہیں اور کیسی کیسی روشنی ان کی پھیلی ہوئی ہے اور جن علوم کو ہندوستانیوں نے پڑھ کر آج تک فضیلت پائی ہے دیکھو انھوں نے کیا گل کھلایا ہے ہم بطور مثال ایک ریاضی ہی کو کہتے ہیں کہ دیکھو اہل یورپ نے اس سے کیا کمال حاصل کیے ہیں اور کیسے کیسے فائدہ اٹھائے ہیں اور ہندوستانیوں نے اسی علم سے آج تک کیا فائدہ اٹھایا ہے یا مثلاً علم اخلاق و علم معاشرت دنیوی ہی کو دیکھو کہ ہندوستانی اس کو پڑھ کر کیا تہذیب سیکھے ہیں اور اہل یورپ کیسے مہذب ہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس موقع پر ہمارے سکریٹری کی

رائے معاملات دنیاوی میں تھی دینی علوم کا اس موقع پر ذکر نہیں ہے البتہ اس کی نسبت بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس دین کو ہندوستانی حق سمجھے ہیں بجز زبانی جمع خرچ کے دیکھو اس کی وہ کیا قدر کرتے ہیں اور کیسے اس پر مستحکم ہیں اور جس دین کو اہل یورپ حق جانتے ہیں ان کو دیکھو وہ کیسے مستحکم ہیں۔ غرض کہ ہندوستانیوں کو اپنی حقیقت سننے سے انصاف کرنا تو نصیب نہیں ہوتا اور اپنے حالات کو بہ نظر انصاف دیکھ کر اس تحریر سے مطابق کرنا تو نہیں آتا خواہ مخواہ رنجیدہ ہونا خوش آتا ہے اور اسی عادت نے ان کو اب تک حالت ذلت میں رکھا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ صاحب نور الابصار ذرا اس تحریر کے مطلب کی طرف متوجہ ہوں فقط لفظوں ہی کو نہ دیکھیں۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۰ر دسمبر ۱۸۶۹ء)

●●●

سید امداد العلی ۵۸ کا خط راجہ جے کشن داس سکریٹری سائنٹفک سوسائٹی کے نام

''شعلہ طور ۵۹ مطبوعہ ۷ر دسمبر میں جو ایک خط جناب ڈپٹی امداد العلی صاحب بہادر کی جانب سے ہماری سوسئٹی کے سکریٹری جناب راجہ جے کشن داس صاحب بہادر کے نام درج تھا ہم اس خط کو مع اس کے جواب کے، جو راجہ صاحب موصوف کی جانب سے لکھا گیا ملاحظہ ناظرین کے واسطے درج اخبار کرتے ہیں۔''

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا نوٹ)

شعلہ طور

خط بنام راجہ جے کشن داس صاحب بہادر

سید امداد العلی پریسیڈنٹ سوشل امپرووومنٹ سوسئٹی کانپور بخدمت شریف راجہ جے کشن داس صاحب بہادر سکریٹری علی گڑھ سین ٹیفک سوسئٹی کے مدعا گزار ہے۔

دفعہ ۱۔ ہم سب کو پہلے امید تھی کہ سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ واسطے بہتری ملک ہندوستان و ترقی اہل ہند کے مقرر ہوئی ہے اب تحریرات ممبران اعلیٰ سوسئٹی مذکور سے صاف واضح ہے کہ جو امید تھی وہ باقی نہ رہی اور ابھی تک تو سب ہندو و بنگالی و مسلمان کم بخت جانور وحشی اور مثل مینڈک کے بنائے گئے اور آئندہ کو دیکھنا چاہیے کہ اس سے زیادہ کیا خطاب عنایت فرمایا جاوے جو کہ جواب مفصل جناب سید احمد خاں بہادر سی۔ایس۔آئی کا پیچھے سے تحریر ہوگا۔ جناب راجہ صاحب کی اطلاع کے واسطے یہ چند سطریں پیش کی جاتی ہیں۔

دفعہ ۲۔ جب سب ہندوستانی جانور جہل مرکب میں گرفتار اور کم بخت جن کی مثال مثل

مینڈک کے ہے بقول سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی و جناب راجہ جے کشن داس صاحب بہادر کے تو اب میں دریافت کرتا ہوں کہ دونوں صاحبان ممدوحین نے اگر اپنے تئیں شائستگی وتہذیب دینی ودنیوی میں مثل اشرافانِ یورپ خصوص لندن کے شامل نہ کر کے ہندوستانیان ناشائستہ اپنے تئیں کرلیا ہے وہ دونوں صاحب بھی جانوران ہندوستان کے گروہ میں شامل رہیں گے اگر داخل رہے تو یہ قول مشہور ہے خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔ جانوروں کو جانوروں کی تحریر وتعلیم کب موثر ہوگی اور اگر دونوں صاحبوں نے مستثنیٰ کیا ہے کہ ہماری شائستگی وتہذیب دینی ودنیوی مثل اہل یورپ کے ہوچکی ہے ہمارے سوائے اور سب جانور ہیں تو اس کے واسطے دلیل لانی چاہیے دعویٰ بے دلیل جھوٹا ہوتا ہے۔

دفعہ ۳۔ تعلیم نسواں کے معاملہ میں امید تھی کہ سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ سے کوئی نمونہ ایسا عمدہ جاری ہوگا جو واسطے اور ضلعوں کی سوسئٹی کے دستور العمل ہوتا مگر افسوس ہے کہ جناب راجہ جے کشن داس صاحب بہادر تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستانی لوگ اس بات کو محال جانتے ہیں اور ان کے دل میں ہے کہ عورتوں کو پڑھانا بالکل لغو ہے اوّل میں یہ کہتا ہوں کہ ہندوستانی لوگ جو جناب راجہ صاحب نے تحریر فرمائے اور وہی لوگ بقول سید احمد خاں بہادر سی ایس آئی اور جناب راجہ جے کشن داس بہادر جانور وحشی ہیں تو جانوروں کو یہ لفظ لوگ فرمانا بالکل لغو ہے اگر لوگ ہیں تو جانور نہیں اگر جانور ہیں تو لوگ نہیں اس لیے کہ لوگ محاورہ میں آدمی کو کہتے ہیں اور اگر بہ اعتبار صورت ظاہری آدمی کہا اور بہ اعتبار سیرت اپنی سمجھ کے موافق جانور فرمایا تو یہ امر طریقہ نصیحت وتعلیم وعقل سلیم کے سراسر خلاف ہوا کہ نصیحت درشتی کے ساتھ موثر نہیں ہوتی بلکہ خصومت اور انکار بڑھاتی ہے اسی وجہ سے آپ کے قول نے لوگوں کے دلوں پر اثر نہ کیا ورنہ بہت مدارس نسواں مقرر ہو جاتے دوسرے یہ بات کہتا ہوں کہ بلا دریافت یہ کہنا کہ ہندوستانی لوگ پڑھانا عورتوں کا بالکل لغو سمجھتے ہیں میری دانست میں یہ تحریر لغو ہے کیا معنی کہ ایک کانپور کے ضلع کے دیہات میں قریب تین سو لڑکیوں کے حساب میں مبادی الحساب کا دوسرا حصہ پڑھتی ہیں اور آئندہ اور پڑھتی جاتی

ہیں اور خاص شہر کانپور میں ایک مدرسہ لڑکیوں کا۔ شیخ مدار بخش وغیرہ جس کے ممبر کمیٹی کے ہیں اور ایک حلقہ کئی محلوں کا اس کمیٹی کے متعلق ہے اور سارا انتظام انھیں کے ذمہ ہے سرپرست اس کمیٹی کی سوشل امپرووومنٹ سوسئٹی ہے انتالیس لڑکیاں بڑے ذوق وشوق سے پڑھتی ہیں چنانچہ ۲۶ رنومبر ۱۸۶۹ء کو مسٹر کریپس صاحب بہادر اور مسز کریپس صاحبہ امتحان کے لیے تشریف لائیں ان کے اخلاق کی میں تعریف نہیں کرسکتا میم صاحبہ نے صرف تنہا اندر جا کر امتحان لیا اور تہذیب وترتیب وغیرہ کو نہایت پسند کیا چنانچہ ترجمہ انگریزی کا بجنسہٖ جو بعد امتحان کے نوٹ بک میں لکھ دیا ہے آگاہی کے واسطے لکھتا ہوں۔

ترجمہ:

مسز کریپس صاحبہ اور میں نے آج مدرسہ نسواں جو چند روز گزرے کہ بہ امداد و کوشش سوشل امپرووومنٹ سوسئٹی نے جس کے پریسیڈنٹ میر امداد العلی صاحب ہیں مقرر ہوا ہے ملاحظہ کیا اسکول میں خاص لڑکیاں ممبران کمیٹی و دیگر معزز مسلمانوں کی جاتی ہیں چند لوگ ان میں سے حاضر تھے اور امتحان میں بہ دل شریک ہوئے۔ مسز کریپس صاحبہ کے آنے سے یہ لوگ بہت خوش ہوئے اور میم صاحبہ بھی ان کا انتظام دیکھ کر بہت خوش ہوئیں بہ لحاظ اس کے کہ یہ مدرسہ چند روز سے ہوا ہے جو ترقی کہ ہوئی ہے وہ نہایت دل پسند ہے یہ اسکول بالکل سوسئٹی سے چلتا ہے اور سرکار سے کچھ مدد نہیں چاہتے ہیں۔ میں یہ یقین کرتا ہوں کہ یہ کار ثواب جس کا کہ صرف آغاز ہوا ہے ترقی پائے گا اور سوسئٹی کی محنت جو کیفیت تعلیم نسواں کے ہو رہی ہے اس کی کامیابی ہو۔

علاوہ اس کے اکثر اضلاع ممالک مغرب وشمال وممالک بنگال وغیرہ میں ہزار ہا لڑکیاں پڑھتی ہیں ممالک متوسط میں ایک سو تینتیس مدارس نسواں جاری ہیں جس میں چار ہزار پانسو اڑسٹھ لڑکیاں پڑھتی ہیں اور تین نارمل اسکول زنانے ان کے سوا ہیں وہاں ایک سو سینتیس لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں اور ملک اودھ میں تینتیس مدرسے نسواں اور چھ سو ترپن لڑکیاں اور ایک نارمل اسکول جس میں بائیس لڑکیاں تحصیل علوم کرتی ہیں۔

دفعہ۴۔ اب جناب راجہ جے کشن داس صاحب بہادر اس لغو لکھنے کو جو کہ درباب پڑھنے عورتوں کے لکھا ہے اور جانور وحشی اور جہل مرکب میں گرفتار ہونے کے تمام ہندوستانیوں کے لیے تحریر فرمائی ہے اور تائید جناب سید احمد خاں بہادر سی ایس آئی کی فرمائی ہے لغو سمجھیں۔

دفعہ۵۔ جناب راجہ صاحب بہادر اسی خط میں جناب سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی کو لکھتے ہیں (کہ آپ کی نصیحت ہرگز خالی نہ جائے گی بے شک کبھی نہ کبھی اپنا اثر دکھلائے گی اور یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ اس بات کی کیا توقع نہیں کی ہندوستان میں کبھی شائستگی اور کامل انسانیت کا ڈنکا بجنے والا ہے، ہم کو اپنے خدا سے امید ہے کہ ضرور ایک نہ ایک دن ہندوستان میں تعلیم و تربیت کا نیزہ بلند ہوگا) اس تحریر سے ظاہر ہے کہ ہندوستان میں راجہ صاحب کے نزدیک شائستگی و انسانیت مفقود یا نہایت قلیل ہے حالاں کہ اب بھی ہزارہا ہندوستانی تعلیم یافتہ ایسے موجود ہیں کہ حضرات طاعن کو جامہ انسانیت جس قسم کا کہ چاہیں پہنا سکتے ہیں اور جناب سید احمد خاں بہادر کی نصیحت اور جناب راجہ صاحب کی تحریر ہندوستانیوں کے ہرگز مفید نہ ہوگی کہ یہ نصیحت و تحریر درشتی و سختی سے مالا مال ہے اور درشتی طریقہ عدل و نصیحت اور سلیقہ پند و موعظت سے بعید اور اس طور کی نصیحت غیر مفید ہے البتہ جناب والا خطاب مسٹر میور صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر بہادر کی تقریر نصیحت آمیز جو درباب تعلیم نسواں سنی وہ بلاشبہ بہت تالیف قلوب اور ترقی کلام اور سراسر تہذیب سے بھری تھی جس کا اثر لوگوں کے دلوں پر ہوا اور اس نصیحت سے اکثر اضلاع کے رؤسا و حکام کو اشاعت تعلیم نسواں کا شوق بڑھا اور جناب ایم کیمپسن صاحب بہادر ایم اے ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کی توجہ و سعی سے تعلیم نسواں کی ترقی ہوئی نواب صاحب ممدوح کی نصیحت سے لوگوں کے دلوں میں جو اثر پیدا ہوا تھا جناب صاحب ڈائرکٹر کی سعی سے اس کا ظہور ہوا اگر جناب نواب صاحب بہادر اور جناب ڈائرکٹر صاحب بہادر کی اسی طرح کی سعی و نصیحت دل پذیر چندے اور رہی تو تعلیم نسواں بہت جلد ترقی پذیر ہو جائے گی۔ سید احمد خاں صاحب بہادر کی نصیحت ہو یا نہ ہو۔

●●●

راجہ جے کشن داس کا خط سید امداد العلی کے نام

خط بنام سید امداد العلی صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر کانپور از طرف راجہ
جے کشن داس بہادر سکریٹری سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ۔

بندہ عاجز جے کشن داس بخدمت مبارک جناب سید امداد العلی صاحب بہادر پریسیڈنٹ سوشل امپرووومنٹ سوسئٹی کانپور مدعا طراز ہے نامہ گرامی مندرجہ ذیل اخبار شعلہ طور کانپور مطبوعہ ۷/دسمبر کی دفعہ اوّل میں جو مایوسی سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ کی جانب سے آپ نے ظاہر فرمائی ہے اس سے مجھ کو بھی نہایت مایوسی حاصل ہوئی جب خواص اہل ہند کی سمجھ کا یہ حال ہے تو عوام کا خدا حافظ ہے اس وقت تک سین ٹیفک سوسئٹی کی کوئی کارروائی میری نظر میں ایسی نہیں ہے جو آپ کی مایوسی کا سبب ہو اور جس سے اہل ہند کا کوئی نقصان متصور ہو مجھ کو ایسا گمان ہے کہ شاید اب تک آپ نے سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ کے اصلی مطالب و مدعا اور میری اور جناب سید احمد خاں صاحب کی خاص ذاتی تحریر میں کچھ فرق نہیں سمجھا جو ایسا تحریر فرماتے ہیں کہ ''ابھی تک تو سب ہندو بنگالی مسلمان کم بخت جانور وحشی اور مثل مینڈک کے بنائے گئے ہیں آئندہ دیکھنا چاہیے کہ اس سے زیادہ کیا خطاب دیا جاتا ہے'' آپ غور تو فرماویں کہ کیا یہ خطاب ان لوگوں کو سوسئٹی سے عطا ہوا ہے جو سوسئٹی مورد الزام ہے اور کیا آپ کے ذہن میں یہ جم گیا ہے کہ جو کچھ میرے یا مولوی صاحب ممدوح کے باہم بطور خود تحریر ہو وہ بھی سوسئٹی ہی کی کارروائی سمجھی جاوے۔ آپ ایسا ہرگز تصور نہ فرمایئے اور آپ یہ سمجھ لیجیے کہ یہ تو خاص میری ذاتی تحریر جناب مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی کی تحریر کے جواب میں تھی اور اسی لحاظ سے آپ کو مناسب تھا کہ جس طرح پر آپ نے اس بحث میں اوّل مجھ کو مخاطب فرمایا تھا اسی طرح اس

کو پورا فرما دیتے اور سوسئٹی کو اس میں شامل نہ کرتے مجھ کو نہایت افسوس اس بات پر آتا ہے کہ ابھی تک میرے بعض عالی دماغ ہم وطن سوسئٹی کی سعی و کوشش سے بہرہ ور ہونا تو برطرف خاص اس کے کام اور اس کے سکریٹری کی نج کی تحریر میں فرق بھی نہیں سمجھے اور اگر یہی حال ہے تو بلاشبہ میں بھی تائید کرتا ہوں کہ آپ کی مایوسی سین ٹیفک سوسئٹی سے بہت بجا اور نہایت راست ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ سوسئٹی کا اس میں کیا قصور ہے اب میں آپ کی خدمت میں اپنی خاص تحریر کا سبب اور اس کا مطلب عرض کرتا ہوں۔

آپ اپنے نامہ عنایت شمامہ کی دفعہ دو میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب سے ہندوستانی جانور جہل مرکب میں گرفتار ہیں تو ان میں تم دونوں صاحب بھی شامل ہو اور جب تم خود جانور ہو تو تمہاری نصیحت دوسروں کے حق میں کیا نافع ہوگی اور اسی کے ضمن میں آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری جانب سے اشرافان لندن کی مانند اپنے مہذب ہونے کا دعویٰ ہو تو وہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ پس آپ کی اس تحریر سے بخوبی یہ بات مترشح ہے کہ آپ کے نزدیک فی نفسہٖ یورپ کی شائستگی اور تہذیب اور اشرافان لندن کی معقولیت اور ہندوستانیوں کی جہالت میں کچھ کلام نہیں ہے اور بلاشبہ میری یا مولوی صاحب موصوف کی یہ تحریر سراسر نصیحت ہے مگر ناصح یعنی میں اور مولوی صاحب ممدوح خود مثل ارباب یورپ مہذب نہیں ہیں بلکہ اسی زمرہ میں داخل ہیں جن پر وہ خود طعن کرتے ہیں نظر بریں ایسے ناصح کی نصیحت آپ کی دانست میں ہرگز موثر نہ ہوگی چنانچہ اسی مدعا کی تائید میں آپ یہ مصرع بھی تحریر فرماتے ہیں کہ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار یعنی جب ناصح بھی خود ویسا ہی ہے جیسے کہ اور ہندوستانی ہیں تو اس کی نصیحت کیا کارگر ہوگی میں اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کا یہ خیال بالکل بے جا اور غلط ہے اس لیے کہ جب آپ کے نزدیک فی الواقع میری تحریر یا جناب مولوی سید احمد خاں صاحب کی تحریر نصیحت سے خالی نہیں ہے اور اہل یورپ کی شرافت اور شائستگی کا دعویٰ اور ہندوستانیوں کی ناشائستگی مسلم ہے تو پھر آپ کو ہماری تہذیب و بے تہذیبی سے معترض ہونا سراسر لغو ہے اور ہماری

بے تہذیبی کے سبب سے خود بھی غیر مہذب رہنا اور دانستہ ایک نصیحت سے اعراض کرنا بڑی غفلت اور اپنے نقصان کی بات ہے۔ جس حالت میں ہمارا قول نصیحت ہے اور فعل اس کے مطابق نہیں ہے تو آپ کو اس شعر کے موافق صرف ہمارے قول پر عمل کرنا چاہیے اور ہمارے افعال سے معترض نہ ہونا چاہیے۔ شعر:

گفت عالم بگوش جاں بشنو
و دنماند بہ گفتنش کردار

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ناصح کا قول لحاظ کے قابل ہوتا ہے گو فعل اس کا کیسا ہی ہو اور آپ کا یہ سمجھنا کہ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار صاف بے ساختہ ہم سے یہی کہواتا ہے کہ جناب من مطلب سعدی دیگر است اس لیے کہ سعدی خود یوں فرماتے ہیں:

باطل است انچہ مدعی گوید — خفتہ را خفتہ کے کند بیدار
مرد باید کہ گیرد اندر گوش — دو نیشت است پند بر دیوار

غرض کہ جب آپ کے نزدیک ہمارا قول صحیح ہے اور ہم جانوروں میں شامل ہیں تو آپ کو ہمارے قول پر عمل کرنا چاہیے اور یہ کہنا کہ ایسے قائل کے قول پر بھی عمل نہ کرنا چاہیے ہمارے اسی قول کا موئد ہے جو آپ کو ناگوار گزرا اور جب آپ یہ اقرار کریں کہ ہاں ہندوستانیوں کو اس تحریر کا پابند ہونا چاہیے تو میں ہرگز نہ کہوں گا کہ جسے ہندوستانی میرے یا مولوی سید احمد خاں صاحب کے قول نصیحت آمیز کو اچھا سمجھتے ہیں ایسا ہی مجھ کو اچھا سمجھیں میری اور ان کی مراد تو یہی ہے کہ ناشائستہ لوگ شائستہ بن جاویں گو مجھ کو اور ان کو کیسا ہی سمجھیں اور اگر آپ کو اس تحریر نصیحت آمیز ہونے میں ہی تردّد ہے اور اس تردّد کے یہ معنی ہیں کہ قوم یورپ بالکل ناشائستہ ہے اور مطلق جاہل اور سخت بے تہذیب ہے اور حضرات ہند نہایت شائستہ اور بڑے پُر جوہر صاحب کمال ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ زعم باطل ہے اور زعم باطل دعویٰ بے دلیل سے بھی بدتر ہے اور اگر اس کے واسطے آپ کے پاس کوئی دلیل ہے تو بیان کی محتاج ہے۔ تیسری دفعہ میں آپ لکھتے ہیں کہ

سین ٹیفک سوسئٹی کی جانب سے ہم کو تعلیم نسواں میں ہم کو بہت بڑی امید تھی اور ہم منتظر تھے کہ وہ کوئی نمونہ ایسا جاری کرے گی کہ جو اور سوسئٹیوں کے واسطے دستورالعمل ہوگا مگر افسوس کہ راجہ جے کشن داس صاحب بہادر تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستانی لوگ اس بات کو محال اور لغو جانتے ہیں۔ پس میں بڑے تعجب کے ساتھ آپ سے استفسار کرتا ہوں کہ کیا اس موقع پر میرا یہ لکھنا کہ ہندوستانی لوگ اس کو لغو جانتے ہیں تعلیم نسواں کے باب میں میری رائے سمجھی گئی ہے جو آپ کو سوسئٹی کی حالت پر افسوس آیا ذرا آپ اس محل کو بار دگر ملاحظہ فرما کر اس باب میں کچھ تحریر فرمائیں گے اس موقع پر تو میری اس فقرہ سے یہ مراد تھی کہ ہندوستانی لوگ اپنی خام خیالی سے ایسا سمجھتے ہیں اور نہایت برا کرتے ہیں یہ میری مراد نہیں ہے کہ ہندوستانیوں کو لغو سمجھنا چاہیے تا ایں کہ وہ میری یا سوسئٹی کی کوئی رائے ہو جاوے پس آپ غور فرماویں کہ میرا یہ لکھنا تعلیم نسواں کے لیے مضر نہیں ہے مضر تو اس حالت میں ہوتا جب میری تحریر کا مطلب وہی ہوتا جو آپ سمجھے ہیں اور یہ کہنا کہ ہندوستانی اس کو برا یا لغو نہیں جانتے اور محال نہیں سمجھتے دن میں آفتاب کو رات کا ستارہ بتانا ہے اگر ہندوستانی اس کو برا نہیں سمجھتے تو کیوں گورنمنٹ وقت کو اس سردردی کی ضرورت ہے اور کیوں ہماری عادل گورنمنٹ ہندوستانیوں کی مرضی کے موافق کام میں ان کی نارضامندی سے بچتی ہے اس لیے کہ گورنمنٹ تعلیم نسواں کے سوائے اور کسی معاملہ میں دخل دینا تو نہیں چاہتی اس موقع پر مجبور ہوں ورنہ خاص ہندوستانیوں کی کمیٹیوں کی روئداد لکھ کر آپ کے ملاحظہ کے واسطے بھیج دوں جب آپ کو معلوم ہو کہ اس قدر ذی علم اور شریف اور لائق و فائق ہندوستانی عورتوں کی تعلیم سے چڑتے ہیں مگر ہم کو کسی شخص کے نام لینے سے کچھ سروکار نہیں ہے ہم صرف اس بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ اگر ہندوستانی اس کو اچھا جانتے تھے تو آج تک ہندوستانیوں نے کیوں اپنی عورتوں کو علم سے بے نصیب رکھا اور کیوں کسی ہندوستانی کو یہ نہ سوجھی کہ اپنی بہائم سیرت عورتوں کو آدمی صفت بنا دیں اور اگر ان کے نزدیک عورتوں کی تعلیم محال نہ تھی تو کیوں صدہا برس سے ہندوستانیوں نے کوئی تدبیر ایسی نہ سوچی

جس سے اس باب میں آسانی کے ساتھ کامیابی ہوتی اور آپ جو کانپور کے ضلع کی کیفیت تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں لڑکیاں یوں تعلیم پاتی ہیں اور ان کی اس قدر تعداد ہے ذرا انصاف تو کیجیے کہ کیا یہ آپ کے ہندوستانی بھائیوں کی لیاقت کا ثمرہ ہے اور کیا یہ ضلع ہمیشہ سے اس باب میں ایسا ہی تھا جو آپ اس کو نظیر کے قابل سمجھتے ہیں۔ اے حضرت، ہندوستانیوں سے کچھ بھی نہ ہوتا اور نہ آج تک کچھ ہوا اور نہ کسی ہندوستانی کی لیاقت سے یہ توقع ہے اور نہ کوئی ہندوستانی قدیمی خاندان اس نظیر کے قابل ہے یہ تو صرف ہماری گورنمنٹ کی عنایت کا طفیل ہے جو کہتے کہتے ہم لوگوں سے عاری ہوگئی ہے اور جس نے بہ مشکل تمام آج یہ دن دیکھا ہے کہ چار ہندوستانی مل کر کچھ مصلحت سمجھ کر تمام اضلاع شمال و مغرب میں آپ کی تمثیل کے واسطے دو چار مدرسہ قائم کر چکے ہیں پس میں حیران ہوں کہ آپ کی اس تمثیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہیں ہندوستانی لوگ بڑے شائستہ اور تعلیم نسواں کے بڑے شائق ہیں جناب من ان مدارس کو تمثیل کے لائق سمجھنا دعویٰ کو جزو دلیل بنا کر تحکم کرنا ہے اصل یہ ہے کہ آپ نے میری تحریر کو بغور ملاحظہ نہیں فرمایا اسی دفعہ میں آپ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب ہندوستانی جانور ہیں تو ان کو لوگ لکھنا فضول ہے شاید آپ باب تشبیہ سے آگاہ نہیں ہیں یہ ایک نہایت عمدہ اور کمال مبالغہ کی تشبیہ ہے کہ آلہ تشبیہ کو حذف کر کے ہندوستانیوں کو جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جیسے کہ کلام عرب میں کہا کرتے ہیں زید اسد حالاں کہ آپ کی تحریر کے موافق ایک شے زید بھی ہو اور اسد بھی غلط ہے۔ پس یہ فقرہ کہ ہندوستانی لوگ جانور ہیں بعینہٖ زید اسد ہے اور جیسے کہ وجہ تشبیہ زید اور اسد میں غایت شجاعت ہے ایسے ہی ہندوستانیوں اور جانوروں میں وجہ تشبیہ جہل ہے اور وجہ تشبیہ ہرگز انکار کے قابل نہیں ہے بلاشبہ عام ہندوستانی ایسے ہی جہل میں گرفتار ہیں کہ جانوروں کے ساتھ ان کی تشبیہ حق بجانب ہے اور اگر آپ تمام ہندوستانیوں کو قابل سمجھتے ہیں تو بقول آپ کے دعویٰ بلا دلیل بالکل غیر مقبول ہے۔ چوتھی دفعہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ اپنے لغو لکھنے کو لغو سمجھیں۔ جب میں نے آپ کے ذہن نشین کر دیا کہ میں اور مولوی

سید احمد خاں صاحب کی تحریر لغو نہیں ہے تو بے سمجھے ایسا لکھنا آپ لغو سمجھیں۔ پانچویں دفعہ میں میری تحریر کو نقل فرما کر آپ لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں شائستگی مفقود ہے یا قلیل ہے حالاں کہ ہندوستان میں ہزار ہا ہندوستانی ایسے ہیں کہ حضرت طاعن کو جامہ انسانیت پہنا سکتے ہیں۔ پس قلیل ہونا شائستگی کا تو آپ خیال فرمادیں میں بالیقین ایسا ہی جانتا ہوں کہ ہندوستان میں شائستگی کا نام ہی نام ہے کہ امر متنازع یہ تو یہی ہے پھر آپ نے یہ لفظ کیوں لکھا کہ معلوم ہوتا ہی نہیں یقیناً یہی ہے کہ طاعن کا یہ دعویٰ نہ تھا کہ طاعن خود ایسا مہذب ہے کہ تمام ہندوستانی اس کے مقابلے میں جانور ہیں جس کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ طاعن کو جامہ انسانیت پہنا سکتے ہیں بلکہ ہندوستانیوں کو ایسا سمجھنا تو بہ مقابلہ اس شائستہ قوم یورپ کے ہے جس کے سامنے یقیناً عام ہندوستانی ایسے ہی ہیں جیسا کہ مولوی صاحب ممدوح نے لکھا ہے اور جس کی میں نے تائید کی ہے ہاں البتہ ایک بات طاعن دعویٰ کے ساتھ کہتا ہے کہ گو طاعن خود ایسا مہذب نہیں ہے مگر تہذیب اور بے تہذیبی کی عادات میں امتیاز رکھتا ہے بہ خلاف حضرت معترض کے اور امتیاز نیک و بد انسانیت کی شان ہے اور بے امتیازی جانوروں کی شان ہے پس طاعن کو کیا توقع ہوگی کہ اس کو کوئی شخص جامہ انسانیت پہنا سکے۔ اب نہایت افسوس کے قابل حضرت معترض کی وہ تحریر ہے جو ان کے نامہ گرامی کے آخر میں لکھی گئی ہے جس سے وہ خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اگر حضرت لفٹنٹ گورنر بہادر اور حضور ڈائرکٹر بہادر کی ایسی ہی تحریک رہی تو تعلیم نسواں بہت جلد ترقی پذیر ہو جاوے گی۔ اس تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ دونوں ممدوح اپنی عنایت سے کوشش نہ کرتے یا آئندہ وہ اس کوشش میں کمی کریں تو حضرات ہند کی عورتیں اسی ظلمت جہل میں ٹکراتی پھریں جس میں آج تک وہ خراب رہیں اور جس شائستگی کا حضرت معترض کو ادعائے خام ہے اس کا گل کھل جاوے واہ واہ ہندوستانی لوگ کیسے مہذب اور شائستہ ہیں کہ ان کے لڑکوں کو بھی گورنمنٹ انگریزی ہی نے تعلیم دینے کا ذمہ لیا تھا اور اب لڑکیوں کو بھی اسی نے تعلیم یافتہ بنانا چاہا اور شب و روز اپنی شفقت اور

محبت سے ہندوستانیوں کے آدمی بنانے میں وہ سرگرمی کی اور ایسی نصیحت فرمائی جس کو حضرت معترض نے بھی بطیّب خاطر پسند فرما کر شکریہ کے قابل تصور فرمایا ہم اسی کو غنیمت جانتے ہیں کہ بعض ہندوستانی گورنمنٹ کے طفیل سے گورنمنٹ کی عنایت کے تو قدردان ہو گئے اور اگر گورنمنٹ ایسی دانا اور علم دوست نہ ہوتی اور خود مہذب و شائستہ نہ ہوتی تو ضرور ہندوستانی ایسے ہی ہوتے جیسے تھوڑے بہت اب ہیں گورنمنٹ کی یہ ہدایت اور ہندوستانیوں کی یہ غفلت ہندوستانیوں کی بھی لیاقت کو ثابت کرتی ہے اور اہل یورپ کی بھی شائستگی و لیاقت ظاہر کرتی ہے پھر انصاف حضرت معترض پر ہے کہ کیا ہندوستانیوں کو باوجود اپنی ایسی لیاقت اور شائستگی کے یورپ کی قوم کے مقابلہ میں شائستہ سمجھنا لائق ہے اور اس بات پر بگڑنا نامناسب ہے۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۴ر دسمبر ۱۸۶۹ء)

●●●

سرسید کی تحریر کے بارے میں اخبار عالم کی رائے

ہمارے ہم عصر صاحب اخبار عالم ۶۰ نے اپنے اخبار راست گفتار مطبوعہ تاریخ ۱۶ر دسمبر میں ایک خبر بہ عنوان حرکت عجیب درج فرمائی ہے جس کے دیکھنے سے ناظرین اخبار کو اہل فرنگ کی دانائی اور صناعی کا لطف معلوم ہوتا ہے چنانچہ ہمارے راست باز ہم عصر موصوف نے اپنی انصاف پروری سے اس خبر کے ذیل میں اپنی رائے اس طرح پر ظاہر فرمائی ہے کہ بلاشبہ اہل یورپ کی صناعی اور دانائی نہایت تعریف وتوصیف کے لائق ہے اور جو کمالات صاحبان یورپ کی ذات سے ظہور میں آتے ہیں ہندوستان کیا سوائے ولایت چین کے اور کسی ولایت میں اس کی نظیر نہیں ہے اور اسی اپنی رائے کے ضمن میں ہماری سوسئٹی کے لیف آنریری سکریٹری جناب مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی کی اس راست و درست تحریر کی تائید کی ہے جو انھوں نے اپنی آزادی اور ہمدردی کے جوش میں یورپ کے حالات اور ہندوستانیوں کی لیاقت کی نسبت خاص لندن سے ارسال فرمائی ہے اور جو اعتراضات بعض وقائع نگاروں نے نہایت بے انصافی اور ہٹ دھرمی سے ہمارے سکریٹری موصوف کی تحریر پر اپنے اخباروں میں درج کیے تھے اس کی نسبت بھی ہمارے ہم عصر موصوف نے اپنی منصفانہ رائے تحریر فرمائی ہے چنانچہ ہم اس رائے کو ملاحظہ ناظرین کے واسطے اپنے اخبار میں درج کرتے ہیں اور اپنے ہم عصر کی اس راست بازی اور منصف مزاجی کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور سب سے زیادہ ہم ان کے اس متین فقرہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں (کہ جو چیزیں یورپ میں اچھی ہیں ان کو اچھا سمجھنا چاہیے اور جو بری ہیں ان کو برا سمجھنا چاہیے) حقیقت میں جو منشا ہمارے، جوابات اور ہمارے سکریٹری کی تحریر کا ہے وہ یہی ہے جس کو صاحب اخبار عالم نے اس چھوٹے سے فقرہ میں ظاہر کر دیا

اس فقرہ سے صاحب راقم موصوف کی دانش مندی اور ہنر پروری کا ثبوت ہوتا ہے واقعہ یہی ہے کہ ہمارے سکریٹری موصوف یورپ کی تعریف وتوصیف میں ایسی تعمیم کو مدّ نظر نہیں رکھتے جس سے ہر شخص پر اہل یورپ کی ہر بات کو پسند کرنا واجب ہوتا ہو، ان کی تو یہی مراد ہے کہ خدا ما صفا ودع ما کدر کے موافق جو کمالات اور لیاقتیں اور دانش مندیاں اہل یورپ میں ہیں ہندوستانی وہ سیکھ لیں یہ ان کی غرض نہیں ہے کہ تمام ہندوستان ہر فعل وحرکت میں اس ملک کے آدمی کے مقلد محض ہو جاویں اور اگر بہ حسب اتفاق یورپ میں کسی جاہل آدمی سے کوئی حرکت مجنونانہ خلاف عقل وتمیز بھی سرزد ہو تو وہ بھی پسندیدہ ہو اور ہم قطع نظر اس تحریر سے جو ہمارے سکریٹری کی جانب سے موصول ہوئی اور علاوہ ان امور کے جو ہماری جانب سے جواب میں تحریر ہوئے صرف انصاف کا حوالہ دے کر معترضین سے یہ بات دریافت کرتے ہیں کہ کیا ہندوستانیوں کی عام لیاقتیں خواہ علمی خواہ عملی اس قابل ہیں کہ اہل فرنگ کی لیاقتوں کے سامنے کچھ ہستی رکھتی ہوں اور کیا اہل یورپ کی دانش مندی اور ہنر مندی اسی قابل ہے کہ اگر ہندوستانیوں سے کہا جائے کہ تم سے ان کے کمال بڑھ کر ہیں تو ہندوستانی اس سے بُرا مان کر کہنے والے کو نا قابل ٹھہرا دیں۔ ہماری دانست میں ایسے انصاف کی بات سن کر بگڑنا اور ہمچو ما دیگرے نیست کا سودا اپنے سر میں پکانا ہی ایک عمدہ ثبوت ہندوستان کی خرابی اور کم لیاقتی کا ہو سکتا ہے مگر اب ہم کو ایک نہایت افسوس اس بات پر آتا ہے کہ یہ بحث ہمارے اخبار میں چند ہفتے سے ایک ضروری خبر ہو گئی ہے اور خواہ مخواہ ہم کو اس باب میں کچھ نہ کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ حالاں کہ ہم اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتے کہ تمام ہندوستان اپنی خام خیالی سے ہمارے سکریٹری موصوف پر اعتراضات کرتا رہے اور ہم اس کے جواب میں ہمیشہ ایک صفحہ اخبار کا بھرتے رہیں مگر ہم کو ایک مجبوری یہ پیش ہے کہ بعض اخبار نویس بھی جو کہ صاحب رائے کہلاتے ہیں اسی مخمصہ میں گرفتار ہو گئے ہیں خلاف آداب اخبار نویس اس خاص بحث کو معترضانہ اپنے پرچوں میں درج کرنے لگے ہیں پس ہم کو بھی بہ شان اخبار نویسی کچھ نہ کچھ لکھنا ضرور ہو گیا ہے اور ہم مجبور ہو کر

ہر ایک معترض نے مجیب بنے ہیں تا وقتیکہ بطور رائے اخبار نویس اس بات کو چھیڑتے جاتے ہیں ہم بھی جواب مناسب سے عاری نہیں ہیں اب ہم صاحب اخبار عالم کو نقل کرتے ہیں۔

''سید احمد خاں صاحب بہادر صدر الصدور بنارس اور سکریٹری سین ٹیفک سوسئٹی شہر علی گڑھ نے جو جو حالات وہاں کے لکھے ہیں وہ سب درست اور صحیح ہیں اور یہ مضمون ان کا درست ہے کہ اہالیان یورپ اور خصوصاً ملک انگلستان کے آدمی اپنے علم اور دانش کے نزدیک اور ملک کے آدمیوں یا ہندوستانیوں کو نہایت کم درجہ اور پست ہمت اور ضعیف العقل سمجھتے ہیں اس تحریر سے ان کو برا ماننا اور ان کے اوپر اعتراض کرنا کمال خلاف عقل پسندیدہ اور انصاف کے ہے اور سراسر تعصب ہے مناسب یہ ہے کہ جو جو ملک یورپ میں طور طریقے برے ہیں اس کو برا سمجھنا چاہیے اور جو جو اچھے ہیں ان کو اچھا جاننا چاہیے کہ کوئی خوبی نہیں ہے کہ اچھی چیز کو برا کہیے سید احمد خاں صاحب کی تحریر کی نسبت جو جو اعتراض بعضے وقائع نگاران اخبار نے دریں دلا کیے ہیں وہ سب خراب لچر اور بے قاعدہ ہیں۔ سید احمد خاں صاحب کا وہ مضمون نہایت دل سوزی پر دلالت کرتا ہے نہ کہ بطور اعتراض ہے اگر کسی کو دعویٰ ہو تو جو جو صنائع یا اور اشیا عجیب وغریب اور عمارات عالی شان صفائی اور انتظام پسندیدہ ملک یورپ اور امریکہ میں ہے اس کی نظیر ہندوستان یا اور کسی ملک ایشیا میں سوائے ملک چین کے بیان کرے اور دعویٰ بے دلیل تو نہایت نامعقول ہوتا ہے اور جو جواب ان اعتراضات معترضین کا اخبار سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ نمبر ۵۰ مورخہ ۱۰ر دسمبر میں لکھا ہے وہ قرین انصاف ہے۔''

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۴ر دسمبر ۱۸۶۹ء)

●●●

خطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ

اس کتاب کو راقم آثم نے تالیف کیا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ابتدائے پیدائش سے وفات تک لکھوں اور علاوہ اس کے ان باتوں سے بھی بحث کروں جو آنحضرت صلعم سے اور اسلام سے علاقہ رکھتی ہیں اور اصلی حالات اور اصلی واقعات کو نامعتبر و مشتبہ اور غیر سند باتوں سے تمیز کروں اور جو الزام غیر مذہب والوں نے آنحضرت صلعم کی نسبت یا اسلام کی نسبت منسوب کیے ہیں ان سب کا جواب دوں۔

جو کہ یہ کتاب زیادہ تر ان نوجوان مسلمان لڑکوں کے لئے لکھی جاتی ہے جو انگریزی علوم کی تحصیل میں مصروف ہیں اس لئے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ طیار ہوا ہے اور اس کی انگریزی عبارت ایک نہایت لایق اور قابل اور عالم میرے یوروپین دوست نے درست کی ہے جس کے سبب سے وہ کتاب مسلمان طالب علموں کی انگریزی تحصیل کے لئے بھی بہت مفید ہے۔

یہ کتاب کئی جلدوں میں ختم ہوگی مگر بالفعل جلد اول اس کتاب کی انگریزی زبان میں چھپ کر طیار ہوئی ہے اور قیمت اس کی پندرہ روپیہ قرار پائی ہے جس شخص کو اس کا خریدنا ہو وہ مسرز ٹرنر اینڈ کو سے جن کا کارخانہ لندن میں پیٹرناستر و محلّہ میں بہ نمبر ۶۰ واقع ہے زر قیمت بھیج کر طلب کرلے محصول ڈاک بذمہ خریدار ہے۔

ہندوستان کے خریداروں کی آسائش کے لئے یہ بھی اطلاع کی جاتی ہے کہ اگر ہندوستان کے خریدار زر قیمت جناب راجہ جے کشن داس بہادر پاس جمع کر کر مجھ کو اطلاع فرماویں گے تو کتاب مذکورہ میں ان کی خدمت میں بھجوادوں گا۔

اس جلد اول میں جس کا یہ اشتہار ہے ایک دیباچہ اور بارہ باب ہیں جو بلفظ خطبہ تعبیر کئے گئے ہیں یعنی بجائے لفظ باب کے لفظ خطبہ استعمال کیا گیا ہے چنانچہ مختصراً تفصیل مضامین ان بارہ خطبوں اور دیباچہ کتاب کی اس مقام پر لکھی جاتی ہے۔

دیباچہ میں مختصراً ان عربی اور انگریزی کتابوں کا معہ ان کے درجہ اعتبار کے ذکر ہے جو آنحضرت صلعم کے حالات زندگی کے باب میں لکھے گئے ہیں اور اخیر دیباچہ میں چند بڑے بڑے انگریزی عالموں کی رائیں نقل کی گئی ہیں جنھوں نے اسلام کا مقدس اور پاک اور ایک نہایت عمدہ مذہب ہونا تسلیم کیا ہے جیسے کہ ایک سویلنز ڈ ملک کے بے ریا عالموں سے توقع تھی۔

خطبہ اول میں عرب کی قدیم قوموں اور نسلوں کا جن کا توریت مقدس میں بھی ذکر ہے اور عرب کے جغرافیہ کا بیان ہے اس خطبہ میں توریت مقدس سے اور انگریزی کتابوں کے مصنفوں کی رائے سے اور خود جغرافیہ عرب سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت اسمٰعیل خاص مکہ معظّمہ میں آکر آباد ہوئے اور فاران جس کا ذکر توریت میں ہے اور جس جگہ سے خدا کے نور کے چمکنے کی توریت میں خبر تھی وہ وہی ہے جو اب حجاز کہلاتا ہے اور جہاں مکہ معظّمہ واقع ہے۔

خطبہ دوم میں ان رسموں اور رواجوں کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے عربوں میں مروج تھیں۔

خطبہ سوم میں ان مذہبوں کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے عربوں میں رائج تھے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان مذہبوں میں سے اسلام کس مذہب سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور اس مناسبت سے مذہب اسلام کی اصلیت زبانی ثابت ہوتی ہے یا صرف بناوٹ پائی جاتی ہے۔

خطبہ چہارم میں مفصلہ ذیل مسائل کی اصلیت بیان کی گئی ہے۔ کثرت ازدواج، طلاق، غلامی اور جبر نہ ہونا دوسرے مذہبوں پر۔

خطبہ پنجم میں مسلمانوں کی مذہبی کتابوں کا اور یہ کہ وہ کس اصول پر لکھی گئی ہیں اور کہاں تک وہ مسلم ہیں بیان ہے۔

خطبہ ششم میں روایت مذہبی اور ان کا درجہ باعتبار روایت اور باعتبار راویوں کے بیان کیا گیا ہے اور عیسائی مصنفوں کے تمام اعتراضوں کا جواب دیا ہے جن میں سے بڑے اور مقدم اعتراض مفصلہ ذیل تھے۔ جھوٹ ہونا الزام تعظیم بتوں کا آنحضرت کی نسبت جھوٹ بولنے کی اجازت کا الزام غلط ہے۔

خطبہ ہفتم میں قرآن مجید کے نازل اور جمع ہونے اور تقسیم ہونے کا اور یہ کہ بجنسہٖ بلاکم وکاست ویسا ہی ہے بیان ہے۔

عمدہ مسائل جو اس خطبہ میں معرض بحث میں آئے ہیں یہ ہیں۔ اختلاف قرأت ناسخ منسوخ۔ منسوخ التلاوت آیتوں کا ہونا غلط ہے اور کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو نازل ہوئی ہو اور قرآن میں نہ ہو۔

خطبہ ہشتم میں مکہ معظّمہ کی تاریخ اور ابراہیم سے اس کی تعمیر کا ثبوت اور حجر اسود کی اصلیت کا اور آنحضرت صلعم کے بزرگوں کو جو اس سے تعلق تھا اس کا اور اس بات کا کہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنی وطواف کرنا اور بوسہ دینا بت پرستی نہیں ہوسکتی مفصل بیان ہے۔

خطبہ نہم میں آنحضرت صلعم کے نسب نامہ کا جو بحثیں کہ اس سے متعلق ہیں ان کا بیان ہے۔

خطبہ دہم میں بشارات آنحضرت صلعم جو توریت وانجیل میں ہیں بیان کی گئی ہیں اور موجود ہونا آپ کے نام محمدؐ کا توریت میں اور احمدؐ کا انجیل میں ثابت کیا گیا ہے۔

خطبہ یازدھم میں معراج اور شق صدر کی اصلیت اور حقیقت کا بیان ہے اور تمام روایت مختلفہ اور اقوال علماء جمع کر کے نتیجہ نکالا گیا ہے۔

خطبہ دوازدھم میں آنحضرت صلعم کی پیدائش سے آپ کے بارہ برس کی عمر تک کا بیان ہے۔

نہایت صحیح حال علیحدہ بیان کیا ہے اور نامعتبر روایتوں کو تمیز کیا ہے اور عیسائی مصنفوں کے اعتراضوں کا جواب دیا ہے جس میں سب سے مقدم یہ اعتراض تھا کہ آنحضرت صلعم کو مرض صرع چھوٹپن سے لاحق تھا۔

راقم

از مقام لندن مارچ ۱۸۷۰ء

سید احمد

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۲/اپریل ۱۸۷۰ء)

●

ولایت کے سفر کے سلسلے میں

ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری سوسائٹی کے لیف آنریری سکریٹری سید احمد خاں بہادر سی۔ایس۔آئی کے مستقیم ارادہ کا نیک نتیجہ روز بروز ظہور پاتا جاتا ہے وہ اپنی اس رائے پر نہایت مستقیم ہیں کہ ''ہندوستان کی ترقی اور ہندوستان کی تربیت اور سویلیزیشن کے لئے اور ان کے خیالات کی وسعت اور ہمت کی ترقی اور غلامی سے آزادی میں تمیز اور ذلت اور عزّت کے معنی سمجھنے اور انسانیت اور حیوانیت کا فرق پہچاننے کے لئے ہندوستانیوں کو یوروپ کا سفر کرنا اور جہالت اور بے ہودہ تعصّبات سے نکلنا اور کنوئیں کی چہار دیواری کو چھوڑ کر دریائی سیر کرنا نہایت ضروری ہے'' اُن کا سچا ارادہ اور اپنے ہموطنوں کی دلی خیر خواہوی نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خود اس کام کو اختیار کریں اور خود آپ نمونہ ہو کر لوگوں کو اس کی راہ بتادیں چنانچہ انھوں نے اپنے پر نقصان عظیم اور اخراجات جو گویا ان کی طاقت سے باہر تھے اختیار کئے اور خود معہ اپنے دونوں بیٹوں کے جن میں سے ایک کو اسکالرشپ بھی ہماری فیاض گورنمنٹ نے عنایت فرمائی ہے روانہ ہوئے ان کے اس ارادہ کے سبب ان کے ایک مسلمان دوست شریف خاندان کے بیٹے یعنی مرزا خداداد بیگ کو بھی خیال ہوا اور ان کو بھی اسکالرشپ گورنمنٹ سے مرحمت ہوئی اور وہ بھی ان کے ساتھ روانہ لندن ہوئے اگرچہ بعض شخصوں نے سید احمد خاں پر بہت لعنت ملامت کی لیکن اب ہم کو دریافت ہوتا ہے کہ ہر جگہ کے مسلمانوں میں ولایت جانے اور اپنی اولاد کی وہاں تعلیم پانے کا خیال ہوتا جاتا ہے اور خدا سے امید ہے کہ چند ہی روز کے بعد جس قدر لوگ کہ اب ہماری سوسائٹی کے سکریٹری سید احمد خاں کو بُرا کہتے ہیں اس سے بہت زیادہ ان کے احسان مند ہوں گے۔

ہماری اس تحریر کا ایک نیا ثبوت یہ ظاہر ہوا ہے کہ بنگالہ سے بھی ایک مسلمان رئیس شریف خاندان کے نوجوان ہونہار نے اسکالرشپ حاصل کی اور واسطے تحصیل علوم و تعلیم وتربیت کے لندن میں داخل ہوئے۔

ان نوجوان جنٹل مین کا نام سید امیر علی خاں ہے ان کے پردادا محمد شاہ کے عہد میں جاگیردار تھے اور نواب شجاع الدولہ کے عہد میں ان کے بزرگوں نے موہان میں سکونت اختیار کی ان کے والد بزرگوار سعادت علی خاں ہوگلی میں متوطن ہوئے اور اب یہ صاحب گویا ہوگلی کے متوطن ہیں۔

سید امیر علی خاں نے کالج محسنہ ہوگلی میں تعلیم پائی ہے ۱۸۶۲ء میں انھوں نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا تھا اور ۱۸۶۴ء میں آر ایس کا اور ۱۸۶۷ء میں بی۔اے۔ کا اور ۱۸۶۸ء میں ایم اے کا اور ۱۸۶۹ء میں بی۔ایل کا بعد حاصل ہونے اسکالرشپ کے ۱۲ر دسمبر ۱۸۶۹ء کو وہ کلکتہ سے روانہ ہوئے اور ۲۵ر جنوری ۱۸۷۰ء کو بخیر وخوبی وبصحت وسلامتی داخل لندن ہوئے جناب پروفیسر سید عبداللہ صاحب نے (جن کی ذات ہندوستانیوں کے لئے لندن میں نہایت غنیمت ہے اور اپنے ہموطنوں کے نہایت خیر خواہ اور سب سے نہایت محبت اور اخلاق اور صفائی سے ملتے ہیں اور لندن میں نہایت عزت وامتیاز سے بسر کرتے ہیں) ان کے لئے مکان اور تمام آرام کی چیزیں مہیا کیں اور نہایت محبت ومہربانی سے پیش آئے اب چند روز آرام لے کر یہ صاحب تحصیل اعلیٰ علوم میں مصروف ہوں گے ہم یہ بھی سنتے ہیں کہ دہلی کے بعض شریف اور عالی خاندان لڑکوں کو تعلیم کے لئے لندن جانے کا خیال ہوا ہے اور وہ اپنے تئیں نہایت محنت سے طیاری کر رہے ہیں تا کہ ان کی استعداد ہندوستان میں کسی قدر ترقی پا جاوے اور لندن میں آ کر علوم وفنون کے سیکھنے میں دقت نہ ہو یہ راہ جو ہمارے ملک کے مسلمانوں نے اختیار کی ہے اگر اسی پر چلے گئے اور مستقیم رہے تو بلاشبہ ہندوستان کے مسلمان پھر علم وفضل ولیاقت اور قابلیت وعزت وامتیاز میں مشہور اور نام آور ہو جاویں گے مگر جیسا کہ ہم کو مسلمانوں کے اس نیک ارادہ اور عالی ہمتی سے خوشی ہے

بنگالیوں کی عالی ہمتی اور پارسیوں کی دلاوری و بے تعصبی ہم کو خوش کرتی ہے ویسا ہی شمال مغربی اضلاع کے ہندوؤں کی کم توجہی و بے ہمتی رنج میں ڈالتی ہے جب ہم مضطرب ہو کر اخباروں کو اولٹتے پلٹتے ہیں تو کسی میں شمالی و مغربی اضلاع کسی ہندو کا سفر یورپ میں نام نہیں پاتے اس کا سبب بجز بے ہمتی کے ہم اور کچھ نہیں سمجھتے کیوں کہ کوئی چیز ان کو مانع نہیں ہے صرف اس قدر البتہ کہ ان مسافروں کی نسبت جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا شمال مغربی اضلاع کے ہندوؤں کو کھانے پینے کی احتیاط کرنے میں کسی قدر زیادہ تکلیف کرنا پڑے گا۔

ہم کو یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ ایک مسلمان خاندان کے نوجوان شخص نے ہماری سوسائٹی کے لیف آنریری سکریٹری سے تمام حساب اخراجات سفر کے دریافت کیے ہیں اور اگر روپیہ کا انتظام ہو گیا تو بلاشبہ وہ بھی صرف سیر کو روانہ ہوں گے اور ایک مسلمان خاندان نے اونکو لکھا ہے کہ وہ ان کے لڑکوں کی سکونت وغیرہ کے بندوبست سے اطلاع دیں کیوں کہ انکا بھی ارادہ ہے کہ اپنے لڑکوں کو بھیجیں۔

جو کچھ ہم نے یہاں بیان کیا اس سے ایک اور بھی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کو چاہئے کہ ہندوستان کے طالب علموں کا لندن میں حفاظت سے رہنے اور ان کی خبر گیری کا کچھ بندوبست کرے اور بخوبی اس کو مشتہر کرے کیوں کہ بہت لوگ اس بات کے ناواقف ہونے سے اور درحقیقت کوئی کافی طمانیت نہ ہونے سے کہ لندن میں ان کی اولاد کی حفاظت اور خبر گیری کیونکر ہوگی لڑکوں کو بھیجنے سے تامل کرتے ہیں۔ بایں ہمہ ہمارے نزدیک ہندوستانیوں کو گورنمنٹ ہی کی امید پر بیٹھے رہنا نہ چاہئے بلکہ خود بھی اس کی تدبیر کرنی چاہئے اور اپنا ایجنٹ اور لوگوں کی سربراہی کے لئے کوئی شخص مقرر کریں اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ جناب پروفیسر سید عبداللہ صاحب اس کام کے لئے نہایت ہی خوب ہیں بلکہ اگر ایسی کوئی تدبیر ہو جس سے ہندوستانیوں کا سربراہ لندن میں مقرر ہو سکے تو پروفیسر سید عبداللہ صاحب کا لندن میں ہونا ہندوستانیوں کو اپنی کمال خوش قسمتی سمجھنی چاہئے۔

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۸/مارچ ۱۸۷۰ء)●●●

عذر از طرف گنہگار سید احمد

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش　　عذر بد رگاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش　　کس نتواند کہ بجا آورد

اب کی ڈاک جو ہندوستان سے آئی ایک پُشتارہ اخباروں کا میرے پاس پہنچا جو تمام میرے اعمال ناشائستہ سے سیاہ تھے میں نے ہر ایک صاحب کی تحریر جو ان میں مندرج تھی نہایت شکر و کمال احسان مندی سے پڑھا اور جو کہ ہر ایک کا میلان اپنے ملک کی بھلائی پر تھا گو وہ کسی لفظوں میں کیا گیا ہو اس لئے ہر ایک کو میں نے یار شاطر پایا نہ بار خاطر۔

شادم کہ از رقیباں و امن کشاں گذشتی
گومشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

اول میں ان تمام دوستوں اور تمام اہل وطن کا جنھوں نے میرے عیبوں کو میرے سامنے رکھا مجملاً شکریہ ادا کرتا ہوں اور آئندہ بعض صاحبوں کا خاص خاص شکریہ ادا کروں گا۔

اس کے بعد بعض مہیب آواز و حسد کی تحریر کرنے والے کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں مگر ایک نہایت افسوس سے کیوں کہ اس میں خود اسی کا نقصان ہے جیسے کہ صائب علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے۔

باصاف دل مجادلہ با خویش دشمنیت
ہر کس کشد بہ آئینہ خنجر بخود کشد

جن میرے اہل وطن نے میری تحریر سے بُرا مانا اور رنجیدہ خاطر ہوئے اُن سے میں دست بستہ معافی چاہتا ہوں امید ہے کہ عذر قبول فرمائیں گے اور کردہ خواہ ناکردہ خطا معاف فرمائی جاوے گی والعذر عند کرم الناس مقبول۔

ایڈیٹر اخبار ایجوکیشنل [۶۱] گزٹ آگرہ کا بالتخصیص ان کی مصنفانہ اور متین تحریر کا دل سے بہت شکر گزار ہوں۔

صاحب ایڈیٹر نورالابصار کی متعدد تحریروں کا اور بالتخصیص ان کی اس خواہش کا کہ ان کی تحریر مجھ تک بھیج دی جاوے نہایت احسان مندی سے شکر ادا کرتا ہوں۔

اخبار شعلۂ طور کانپور اور اس کے اصلی ایڈیٹر مضمون کا جو میرے قدیم شفیق اور مخدوم اور نہایت دوست ہیں بہت بہوت بہوت بہوت شکر ہے۔

بعد ان سب باتوں کے چند ضروری باتیں عرض کرتا ہوں اور امید ہے کہ میرے تمام دوست اور نیز ایڈیٹر صاحبان اخبار پسند فرماویں گے۔

مباحثہ نہایت عمدہ چیز ہے مگر اسی وقت تک جب تک کہ جذبات نفسانی اور تعصّبات ذاتی کا دخل نہ ہو اور جب اس کا دخل ہو تو پھر مباحثہ میں کچھ فائدہ نہیں میرا خط جو بناء مباحثہ ٹھہرا ہے فرض کیا جاوے کہ وہ کسی بدارادہ اور بدنیت سے لکھا گیا ہو اور اس کے معنی بھی وہی ہوں جو میرے ہم وطن سمجھے مگر جبکہ یقینی ان لوگوں کو اس سے رنج ہوا اور خاص جذبات نفسی پیدا ہوئے تو اب ان سے جواب وسوال کرنے اور مباحثہ بڑھانے سے کچھ فائدہ نہیں کیوں کہ ایسی حالت میں جو مقصود مباحثہ سے ہے وہ حاصل نہیں ہوتا اور تشدد و سخت کلامی بڑھ جاتی ہے اس لئے ایسے موقع پر مباحثہ کرنے سے ترک مباحثہ صرف چند لفظ کہہ کر کہ جو معترض کہتا ہے وہ ہمارا مطلب نہیں اولیٰ ہے پس اب میں چاہتا ہوں کہ میری شامت اعمال سے درگذر فرما کر اس مباحثہ بے سود کو ختم فرمایئے۔

مگر میں سمجھتا ہوں کہ صاحب ایڈیٹر اخبار ایجوکیشنل گزٹ آگرہ اور نورالابصار الہٰ آباد نے جو کچھ لکھا ہے وہ نیک نیتی وصداقت سے لکھا ہے اور جس قدر تھوڑا بہت ہمارے ان شفیقوں کو غصہ آیا ہے وہ کسی طرح برے تعصّبات اور بد جذبات پر محمول نہیں ہے اس لئے ان صاحبوں کی خدمت میں سیدھی سیدھی طرح بلا مباحثہ اصلی مطلب بیان کرنا کچھ مضائقہ نہیں۔

صاحب ایڈیٹر ایجوکیشنل گزٹ آگرہ کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ قصور معاف ہو آپ نے جو فیصلہ اپنے امر دوم تنقیح طلب کا فرمایا ہے اس میں یقینی آپ نے غلطی کی ہے امر دیم تنقیح طلب جو آپ نے قرار دیا تھا کہ سید احمد کے کاموں سے سوسیٹی علی گڑھ مستلزم ملامت ہے یا نہیں اور اس کا تصفیہ فرمایا کہ مہتمم اخبار انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ جس کی رائے کو بذریعہ اخبار اپنی طرف سے شائع کریں یا حامی ہوں یا سکرٹر کی طرف سے حمایت کی جاوے سوسیٹی کو نیک نام یا بدنام کرنے والی ہوگی۔

اخبار اور سوسیٹی بالکل جدا جدا دو چیزیں ہیں اخبار صرف اس لئے جاری ہوا ہے کہ سوسیٹی کے کاروبار کی روئدادیں اس میں عام طرح پر مشتہر ہوں اور علاوہ اس کے عموماً رائیں لوگوں کی اس کے ذریعہ سے ظاہر ہوں پس اس اخبار میں جو کچھ کاروائی سوسیٹی کی چھپے صرف وہی سوسیٹی کی طرف منسوب ہو سکتی ہے علاوہ اس کے اور کوئی لفظ اس اخبار کا خواہ وہ ایڈیٹر اخبار کی جانب سے ہو خواہ آنریری سکریٹری خواہ لیف سکریٹری سوسیٹی کی طرف سے اس کو سوسیٹی سے کچھ علاقہ نہیں ہے کوئی امر سوسیٹی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا جب تک کہ بائی لاز کے بموجب اجلاس نہ ہو اور بموجب ان قواعد کے روئداد مرتب نہ ہو۔ بموجب بائی لاز کے کسی ممبر یا سکریٹری یا کونسل کو اخبار پر اختیار نہیں ہے وہ صرف ایک اخبار مثل عام اخباروں کے ہے جس طرح اور عام اخبار اپنے آپ ذمہ دار ہیں اسی طرح ہر ایک بات میں خود وہ اخبار اور وہ لوگ جو اس میں لکھتے ہیں ذمہ دار ہیں یہ اخبار کسی بائی لاز سوسیٹی کے تابع نہیں ہے پس امید ہے کہ آپ اس بات کو قبول فرمائیں گے کہ جو کچھ مضمون ایڈیٹر چھاپے یا سکرٹر اس سے سوسیٹی کو کچھ واسطہ نہیں ہے ورنہ کوئی مضمون اخبار میں جب تک کہ اجلاس سے منظور نہ ہوئے چھپ نہیں سکنے کا۔

جو الفاظ سخت تصور ہوئے اور جس کی تحریر کا منشا صاحب اخبار ایجوکیشنل گزٹ نے بطور کشف یا کرامت بیان کیا ہے اور جو عزت کہ اس بیان میں مجھ کو دی ہے اس کا میں دلی شکر ادا کرتا ہوں مگر جو اس میں غلطی ہے اس کو حسب ذیل صحیح کرتا ہوں۔

عبارت ایجوکیشنل گزٹ:

''اس نے اپنی حالت غایت جوش حب وطن میں دوسرے ملک کی ترقی کو دیکھ کر دل سوزی سے یہ الفاظ نصیحت تلخی نما کہے جس طرح بوڑھا باپ اپنی اولاد میں جب کوئی عیب دیکھے اور حالت جوش میں سب کو زجہ وتوبیخ کرے۔''

تصحیح عبارت مذکورہ:

''اس کمبخت نے اپنی حالت غایت جوش حب وطن میں ملک کی ترقی کو دیکھ کر دل سوزی سے یہ الفاظ سخت تلخی نما کہے جس طرح ایک غلام اپنے آقا میں جب کوئی عیب دیکھے اور نہایت نمک حلالی اور وفاداری اور محبت کے جوش میں کہہ اُٹھے کہ وہ کمبخت کیا کرتا ہے یا جیسے کہ بعضی حالت میں بندہ اپنے خدا سے کہہ اُٹھے، ''انت عبدی و انا ربک.''

اس کے بعد جو آپ نے نصیحت لکھی ہے وہ نہایت عمدہ اور بے بہا ہے مگر جس جوش کو آپ نے اپنے مکاشفہ سے پہچانا ہے ایک آن کے لئے اپنے دل کو اس جوش سے بھریئے اور اس حالت فنافی الحب میں اپنی نصیحت کو یاد رکھئے تو آپ کو سلام کریں گے۔

پر امتحان بغیر تو یہ آپ کا غلام قابل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا
سوز دل من بدست آرد بچشم من معشوق مرا بنگر و آنرفت مرا نصیحت کن یا فضیحت نما

یہ آپ کا لکھنا بالکل بجا و درست ہے کہ میں نے حالت جنوں میں وہ خط لکھا ہے مگر برائے خدا بر دیوانہ خود رحم نما شیریں بر فرہاد و لیلیٰ بر مجنون رحم آور داد بتان سنگدلاں ہندوستان شمارا بر دیوانہ خود رحم نمی آید بیچارہ ریفلکٹر کیا جانے جو اس سوز سے واقف ہی نہیں۔ سوز دل پروانہ مگس راند ھند۔

ان کو لارڈ مکالے کے ایسیز ہی پڑھ کر رونا کافی ہے مجھ بے چارے نالائق غریب کی تحریر پر متوجہ ہونے کی کیا ضرورت ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ میرا خطاب اکثر اپنے ہم وطنوں سے ہے نہ اہل بنگالہ سے۔

مگر جو کہ محبّ وطن اپنے تمام اہل وطن کو اپنا محبوب سمجھتا ہے ان الفاظ سخت مگر بالکل محبت کے جواب میں جو دشنام سنتا ہے اس کو کچھ رنج نہیں ہوتا۔ واللہ در من قال بدم گفتی وخورسندم عفاک اللہ نکو گفتی، جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا۔

بخدمت جناب ایڈیٹر اخبار نور الابصار التماس یہ ہے کہ آپ کی تمام دوستانہ تحریر کا میرے دل پر کمال اثر ہوا ہے اور میں اس کو بالکل صداقت سے بھرا ہوا پاتا ہوں میرے دوست راجہ جے کشن داس بہادر کا یا ایڈیٹر اخبار سوسیٹی کا یہ فرمانا بھی کہ آپ نے میرے فقروں کے معنی پر توجہ نہیں فرمائی صحیح ہے اور آپ کا یہ فرمانا بھی کہ یہ کہنا ناانصافی ہے صحیح ہے فرق اتنا ہے کہ وہ اس جوش سے بخوبی واقف تھے جس سے وہ فقرے لکھے گئے آپ اسی سے واقف نہ تھے یا اس قدر واقف نہ تھے۔ مگر جو کہ آپ ان کے معنی دریافت کرنے کے مشتاق ہیں اس لئے اس کے معنی بیان کرتا ہوں کیوں کہ درحقیقت میں اب تک نہیں سمجھا کہ میں نے کیا اتنا بڑا گناہ کیا ہے جو اس قدر مورد لعن طعن ہوا ہوں۔

فقرہ اول۔ تمام ہندوستانیوں کو اعلیٰ سے لیکر ادنیٰ تک امیر سے لے کر غریب تک سوداگر سے لے کر اہل حرفہ تک عالم فاضل سے لے کر جاہل تک انگریزوں کی تعلیم وتربیت اور شائستگی کے مقابلہ میں درحقیقت ایسی نسبت ہے جیسے نہایت لائق اور خوب صورت آدمی کے سامنے نہایت میلے کچیلے جانور کو۔ الخ

اب آپ ذرا یہاں تک تشریف لائیے یا کوئی کتاب بایوگرافی کی اُٹھا لیجئے اور ایک اعلیٰ سے اعلیٰ شخص ہندوستان کا منتخب کر لیجئے اور ایک اعلیٰ سے اعلیٰ شخص یہاں کا منتخب کر لیجئے اسی طرح دونوں ملکوں میں سے دو غریبوں کو چن لیجئے دونوں ملکوں میں سے دو سوداگر پسند کر لیجئے دو جاہل لے لیجئے اور مقابلہ کر کر جو آپ کے نزدیک نرم بات ہو وہ لکھ دیجئے۔

یہ تو خاص باتیں تھیں اب عام باتوں کو دیکھئے طریق زندگی (قطع نظر ان چیزوں سے جو بمقتضائے رسم یا اختلاف آب وہوا کے ہیں) دونوں ملکوں کا مقابلہ کیجئے

کیا ہم کو زندگی خوش آتی ہے جبکہ ہم ولایت میں جوتا سینے والے کا مکان نہایت صاف پاتے ہیں اور وہ ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کے ملک کے جنٹل مین ایسی بدبو کے مکانوں میں رہتے ہیں جس کی ہوا سے زخم تک بگڑ جاتا ہے ان دنوں میں میرے پاس ایک کھانا پکانے والی نوکر ہے جو بارہ شلنگ ہفتہ تنخواہ پاتی ہے وہ رانڈ ہے اس کا ایک بیٹا سات آٹھ برس کا ہے وہ ایک اسکول میں پڑھتا ہے اور بورڈنگ ہوس میں رہتا ہے کیا ہم کو منہ دکھانے کی جگہ ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ رانڈ مزدورنی اپنی مزدوری میں سے آٹھ شلنگ یعنی دو ثلث اپنے بیٹے کی تعلیم پر خرچ کرتی ہے اور ہمارے ہم وطنوں کی اولاد جس طرح وحشی جانوروں کے بچے پھرتے ہیں تباہ وخراب و برباد پڑے پھرتے ہیں کیا ہم اپنے تئیں آدمی کہہ سکتے ہیں کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مزدور کی جورو بیٹی ہمارے ملک کے اشرافوں کے بیٹوں سے زیادہ تعلیم یافتہ ہنرمند پڑھی لکھی ہے ہم سے تو یہ درد وغم سہا نہیں جاتا اور غیرت ان چیزوں کے دیکھنے کو گوارا نہیں کرتی اپنے ہم وطنوں کو جانوروں سے تشبیہ دینا ان کی کمال عزت ہے اب تو اپنے وطن کے لئے خدا سے دعا ہے کہ تین باتوں میں سے ایک کردے یا تو ان کی جیسی صورت دی ہے ویسا ہی سچ مچ کا آدمی کردے یا اس ٹکڑۂ دنیا کو غارت کردے یا سب کو مسخ کردے ایسے بے حیا و بے غیرت طعنہ و تشنیع سننے والے اور نصف وحشی کہلانے کی زندگی کا ہم کو تو مزہ نہیں آتا۔

یا من ناصبور را پیش خود از وفا طلب
یا قدرے فزوں ازیں تا نہ کنم دوا طلب

جناب یہ معنی ہیں میرے فقرے کے اب آپ کے انصاف میں جو کچھ آوے میرے حق میں فرمایئے اب مجھ کو زیادہ نہ جلایئے باقی دونوں فقروں کے معنی نہ پوچھئے ورنہ صاف صاف کہہ سناؤں گا اور سب پتے پتے کی باتیں کھول دوں گا پھر اور زیادہ مجھ پر خفگی ہوگی میرے لفظوں کو معاف کیجئے اور میرے سوز دل پر رحم فرمایئے او مائی ڈیر نورالابصار بے شک وہ دن آنے والا ہے کہ تم میرے ان لفظوں کو جن کو اب گالیاں سمجھتے ہو سوہالیاں

سمجھو گے او یاران وطن ضرور وہ دن آنے والا ہے کہ کبھی تم ہم کو بھی یاد کرو گے گو اس وقت ہم نہ ہوں گے مگر تمہارے جام عشرت سے جو شراب دانستہ یا نادانستہ چھلک کر زمین پر گرے گی اسی سے میری روح خوش ہوگی اور انشاء اللہ العزیز بہشت بریں میں ان اشعار سے ترانہ سنج ہوگی۔

مجھے یہ زور ہے ساقی کی کل ادا بھائی — کہ پہلے جام سے مے خاک پر چھڑکوائی
جو میں نے پوچھا تو کہنے لگے کہ سودائی — چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی

بیاد آر محبان بادہ پیما را

اے یاران وطن۔ رات تھوڑی حسرتیں دل میں بہت صلح کیجئے بس لڑائی ہو چکی شکوہ و شکایت ختم ہوئے گلے مل لیجئے وہ صفائی ہوگئی اب اپنے ملک کی بھلائی پر متوجہ ہو جایئے اپنے ملک کے بچوں کی تربیت کا بندوبست کیجیے اور جو جو واجبی الزام ہمارے ملک پر ہیں ان کو مٹایئے اور دنیا میں اپنے ملک کو تربیت یافتہ اور شائستہ ملک کر کر دکھا دیجئے اور حیلوں اور بہانوں کو اُٹھا رکھئے۔

اخبار شعلہ طور کان پور میں جو کچھ چھپا میں اس کا جواب دینا نہیں چاہتا مگر جو کہ میں جانتا ہوں کہ ایک مسئلہ شرعی کے سبب سے جس کا الزام مجھ پر لگایا ہے میرے روحانی دوستوں کو بھی رنج ہے اس لئے صرف ان کے رنج کے دور کرنے کو چند سطروں کا صرف اس الزام اپنے پر سے دفع کرنے کو عام طور پر مشتہر کرنا ضرور سمجھتا ہوں۔

بلاشبہ میں عیسائیوں کی گردن مروڑی ہوئی مرغی کو یا کبوتر کو کھانا حلال سمجھتا ہوں اور ان کے اس فعل کو عیسائیوں کے فعل کے ذبیحہ میں داخل سمجھتا ہوں گو اس پر بموجب قواعد مذہب مسلمانوں کے ذبیحہ کا اطلاق ہو یا نہ ہو۔

یہ صرف میرا ہی اجتہاد نہیں ہے بلکہ متعدد علمائے سابقین کا بھی یہی اجتہاد تھا اور اسی پر فتویٰ دیا گیا تھا جس کی تفصیل میرے رسالہ احکام طعام اہل کتاب میں مندرج ہے مگر جو کچھ کہ اس مسئلہ کی نسبت اخبار شعلہ طور میں لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

اس میں لکھا ہے کہ میں گردن مروڑی ہوئی مرغی یا کبوتر کو مچھلی اور ٹڈی پر قیاس کر کے حلال سمجھتا ہوں یہ محض مجھ پر جھوٹا اتہام ہے اگر میں ایسا قیاس کرتا تو مسلمانوں کے ہاتھ کی بھی گردن مروڑی ہوئی مرغی یا کبوتر کو حلال سمجھتا حالاں کہ میں اس کو حرام جانتا ہوں۔

یہ بھی مجھ پر اتہام محض ہے کہ میں دم مسفوح کے یہ معنی کہے ہیں کہ مرغی یا کبوتر میں نہیں ہے میں نے کوئی اپنی بات اس میں بیان نہیں کی بلکہ عیسائیوں کے عقاید یا اقوال کا بیان کیا ہے اور اسی تشبیہ سے کہ عیسائی ان جانوروں کا ذبیحہ ایسا سمجھتے ہیں جیسے کہ ہم مچھلی اور ٹڈی کا صاف ظاہر ہے کہ میرے نزدیک بموجب مسئلہ شرعیہ اسلامیہ کے ان میں دم مسفوح ہے پس ان بے فائدہ اور غلط اتہام سے کیا فائدہ ہے۔

اور یہ بھی مجھ پر غلط اتہام کیا ہے کہ میں قیاس سے نص قرآنی کو منسوخ کرتا ہوں۔ میرا مذہب اور اعتقاد تو یہ ہے کہ قرآن مجید منسوخ نہیں ہوسکتا خود قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے میں اپنے پیغمبر کے اس قول کو کہ ''بصدق بعضہا بعضا'' پر یقین کرتا ہوں چہ جائیکہ قیاس سے قرآن مجید کا منسوخ ہونا یہ تو میرے ذہن میں بھی نہیں آتا ہے پس ایسی باتوں سے کیا فائدہ۔

جو بحث کہ قرآن مجید کی آیت میں کی ہے اس کا میں دو طرح پر جواب دیتا ہوں ایک عام عالموں کی اصلاح کے بموجب اور ایک اس مسلک کے مطابق جو میں نے اختیار کیا ہے اور قدیم عالم بھی اسی کو صحیح جانتے تھے اگرچہ مآل دونوں کا واحد ہے صرف الفاظ اصطلاحی میں فرق ہے۔

جواب اول۔ آیت کریمہ '' حرمت علیکم المیتتہ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بغیر اللہ والمخنقتہ والمرقوذۃ الخ '' منسوخ ہوگئی ہے۔ آیت کریمہ '' وطعام الذین او توالکتاب مل لکم وطعامکم حل لھم'' سے اور اسی لئے منخنقہ اہل کتاب کا جس کو وہ اپنے مذہب اور اپنے مذہب کے علماء اور قسیسین [۶۲]

کے فتوے کے مطابق جائز سمجھتے ہیں نہ آج سے بلکہ قرآن مجید کے نزول کے بھی پہلے سے اس آیت کریمہ سے مستثنیٰ ہوگیا۔

اب باقی رہا یہ اعتراض کہ عیسائیوں کا ذبح کیا ہوا سور بھی حلال ہوسکتا ہے یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے پہلی آیت میں دو قسم کی چیزوں کی حرمت بیان فرمائی ہے ایک ان کو جو فی نفسہ بلا تعلق فعل انسان کے حرام ہیں جیسے میتہ اور دم اور لحم الخنزیر دوسرے وہ جو فی نفسہ حرام نہیں ہیں بلکہ افعال انسانی کے سبب حرام ہوئی ہیں جیسے ما اہل بغیر اللہ اور مخنقہ آیت ثانی متعلق ہے افعال انسانی سے اور اسی سبب سے اس نے صرف اسی قسم کے محرمات میں سے مخنقہ اہل کتاب کو جو وہ اپنے علماء کے فتوے کے موافق مثل ہمارے ہاں کے ذبیحہ کے سمجھتے ہیں مستثنیٰ کہا ہے نہ لحم الخنزیر کو۔

دوسرا جواب۔ جو میں اپنے مسلک کے موافق دیتا ہوں وہ یہ ہے اور دونوں کا نتیجہ واحد ہے صرف اتنا فرق ہے کہ میرے مسلک میں قرآن مجید کا ادب اور خدا کے کلام کی تعظیم زیادہ تر ملحوظ ہے۔ آیت پہلی بجائے خود آیت محکم ہے اور آیت ثانی بجائے خود آیت محکم ہے پہلی آیت صرف مسلمانوں کے افعال سے علاقہ رکھتی ہے اس میں حکم ہے کہ مسلمان اگر کسی جانور کو گلا گھونٹ کر مار ڈالیں اس کا کھانا حرام ہے اور اسی آیت میں اس بات کا کچھ ذکر نہ تھا کہ اہل کتاب اگر ایسا فعل کریں تو اس کا کھانا بھی جائز ہے یا نہیں سو دوسری آیت میں خدا تعالیٰ نے اجازت طعام اہل کتاب کی دی اس کے بموجب وہ جائز ہے۔

ان بحثوں کو جانے دو میں قاضی ابن عربی [۶۳] کی تقلید کرتا ہوں جب وہ اور اس کے پیر دوزخ میں چلے جاویں گے سب کے پیچھے میں بھی ہولوں گا مگر ان باتوں سے اور ملک کی بھلائی اور تعلیم و تربیت میں کوشش کرنے سے کیا علاقہ ہے یہ باتیں صرف اس واسطے ہیں کہ خدا کی مہربانی کسی کے حال پر دیکھ کر جلے مرتے ہیں اور کچھ بس تو چلتا نہیں

جس بات پر غوغا ہو سکے کودن کی طرح غوغاں مچاتے ہیں میں نہایت صدق دل سے یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی مقبول دلیل اس کے حرمت کی ہو مجھے سناؤ مجھے اپنی غلطی پر اقرار کرنے میں دنیاوی معاملوں میں بھی کچھ شرم نہیں ہے چہ جائیکہ مذہبی مسئلہ اگر مجھے اپنی غلطی پر یقین ہوگا اسی وقت میں اقرار کروں گا اور توبہ کروں گا مگر بے فائدہ لغو تحریروں اور مہمل باتوں سے کیا فائدہ ہے۔

والسلام علی من اتبع الہدا

الراقم

مقام لندن ۲۲/ مارچ ۱۸۷۰ء

اسمہ احمد

(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۶/ مئی ۱۸۷۰ء)

●●●

فرہنگ وتعلیقات

۱ جی ایف آئی گراہم کا ایسٹ انڈیا رجسٹر اینڈ آرمی لسٹ (مخزونہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ یونیورسٹی کے مطابق پورا نام جارج فرقوہرارونگ گراہم ہے انھیں بنگال ملٹری سروس میں پہلی بار ۲۰/دسمبر ۱۸۵۶ء کو کمیشن ملا۔ بعد میں وہ سول سروس میں آ گئے۔ شمالی ہند میں غازی پور، بدایوں، شاہ جہاں پور، ایٹہ، بریلی وغیرہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس رہے۔ جون ۱۸۸۵ء میں وہ فرلوپر انگلستان چلے گئے۔ گراہم یکم اگست ۱۸۸۷ء کو ملازمت سے سبک دوش ہوگئے، ان کی پیدائش اور وفات کا علم نہ ہوسکا۔ لیکن ۱۹۰۹ء کے بعد تک زندہ رہے کیوں کہ انھوں نے ۱۹۰۹ء سرسید کی سوانح لائف اینڈ ورکس آف سید احمد دوبارہ نظر ثانی کے بعد شائع کی۔ سرسید کو انگلستان کے سفر کے لیے آمادہ کرنے میں ان کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی کے اساسی ممبروں میں تھے اور اس کے لائف آنریری سکریٹری رہے۔

۲ ڈبلو۔ پی۔ اسمتھ صاحب بہادر ایم اے مہتمم بندوبست ضلع علی گڑھ کی سائنٹفک سوسائٹی کے سرگرم ممبروں میں تھے جب سرسید کا علی گڑھ سے بنارس تبادلہ ہوا تو وہ سائنٹفک سوسائٹی کی ۶/اگست ۱۸۶۷ء کی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ''اگرچہ مجھ کو اپنی غیر حاضری میں انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے متفکر ہونا نہایت بے جا ہے اس لیے کہ بہ حالت موجود ہونے مسٹر فلپس صاحب پریسیڈنٹ اور مسٹر جارج لارنس صاحب ولیس پریسیڈنٹ کے مجھ کو کچھ تردّد کرنا مناسب نہیں ہے۔ علاوہ اس کے مجھ کو کمال بھروسہ ہے مسٹر اسمتھ صاحب مسٹر ملر صاحب اور ڈاکٹر کلکلی صاحب پر جو آنریری سکریٹری ہماری سوسئٹی کے ہیں اور میرے حال پر بھی مشفقانہ عنایت رکھتے ہیں جہاں تک ان صاحبوں سے ممکن ہوگا انسٹی ٹیوٹ کو روز بروز ترقی دینے میں کوتاہی نہ کریں گے۔'' ۱۸۶۷ء کے سوسائٹی کے اجلاس میں سرسید نے تجویز پیش کی کہ سی۔ ڈبلو۔ ملر جن کا تبادلہ ہوگیا ہے اب

ڈبلو۔اسمتھ ۔ڈی۔سی ایل اس سوسائٹی کے سکرٹری مقرر ہوں۔زین العابدین نے اس تجویز کی تائید کی۔۷/دسمبر ۱۸۶۷ء کو جب لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی وشمالی آنریبل ڈریمنڈ صاحب علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ میں تشریف لائے تو مسٹر اسمتھ بہادر سکرٹر نے انگریزی زبان میں سوسائٹی کی جانب سے رپورٹ پڑھی۔ بعد میں ان کا تبادلہ بھی بنارس ہوگیا تھا۔یکم جون ۱۸۷۹ء کوان کا انتقال پیرس میں ہوا۔

۳ سید محمد محمود (۱۹۰۳۔۱۸۵۰ء) سرسید کے چھوٹے بیٹے سید محمود دہلی میں پیدا ہوئے انھوں نے ابتدائی تعلیم دہلی اور کوئنس کالج بنارس میں حاصل کی، اس کالج کے پرنسپل سنسکرت کے ممتاز عالم اور ولیم میور کے بھائی جان میور تھے۔۱۸۶۹ء میں وہ تعلیمی وظیفہ پر انگلستان گئے۔''مسافرانِ لندن'' کے ایک مسافر یہ بھی ہیں۔وہ کرائسٹ کالج کیمبرج میں داخل ہوئے بعد میں انھوں نے لنکز اِن لندن سے بیرسٹری کی سند لی انھیں انگریزی کے علاوہ مشرقی زبانوں پر عبور حاصل تھا وہ اپنے زمانے کے عبقری اور ہندوستان کے ممتاز ججوں میں شمار ہوتے ہیں۔انھوں نے لندن کے سفر میں بھی اور بعد میں مدرستہ العلوم کے قیام اور اس کی ترقی کے لیے سرسید کی ہر طرح مدد کی، خطبات احمدیہ کا انگریزی ترجمہ جو لندن سے ۱۸۷۰ء میں شائع ہوا تھا کہا جاتا ہے کہ اس کے مترجم سید محمود ہیں۔ ہسٹری آف انگلش ایجوکیشن اِن انڈیا ان کی مشہور کتاب ہے۔۱۸۷۹ء میں وہ رائے بریلی کے جج مقرر ہوئے اور بعد میں الٰہ آباد ہائی کورٹ کے پہلے ہندستانی جج نامزد ہوئے ان کے بعض فیصلے اب بھی نظیر کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔وہ رچا ہوا ادبی ذوق رکھتے تھے انھیں اپنے اشعار کی داد غالب سے بھی ملی تھی۔

۴ سید ظہور حسین۔میر امداد حسین کے بیٹے سید ظہور حسین محلّہ مغل پورہ: مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۵۸ء میں جب سرسید کا تبادلہ مرادآباد ہوا تو دونوں میں روابط پیدا ہوئے، میر صاحب سرسید کے محبوب اور قریبی رفقا میں تھے۔ ۹/جنوری ۱۸۶۴ء کے سائنٹفک سوسائٹی کے جلسہ میں انھیں سوسائٹی کا ممبر نامزد کیا گیا تھا۔انھوں نے ایک نہایت عمدہ قلمی شاہ نامہ مع تصاویر بطور ڈونیشن سوسائٹی کے کتب خانے کو عنایت کیا تھا اس کے علاوہ ایک ستارہ بین بھی سوسائٹی کو پیش کیا تھا۔میر ظہور حسین نے اپنی ساری

جائداد منقولہ علی گڑھ کالج کو دے دیا تھا۔ سرسید ان کی وفات کے بعد ان کے دوستوں کو ایک گشتی مراسلہ میں لکھتے ہیں کہ سید ظہور حسین نہایت رحم دل تھے اور چھوٹے بچّوں پر عموماً نہایت مہربانی اور رحم دلی کرتے تھے پس چھوٹی عمر کے لڑکوں کے رہنے کے لیے ان کی یادگار میں مکان بنانا نہایت مناسب ہوگا۔ علی گڑھ کالج میں ظہور گیٹ اور ظہور وارڈ کی عمارت ان کی جائداد منقولہ کی قیمت اور ان کے دوستوں کی اعانت سے تعمیر کی گئی ہے۔ ۶ر فروری ۱۸۹۱ء کو ان کا انتقال ہوا۔

۵۔ سر ولیم میور۔ (۱۹۰۵ء۔۱۸۱۹ء) گلاسگو میں پیدا ہوئے ان کا انتخاب بنگال کی سول سروس میں ہوا وہ ۱۸۳۶ء سے ۱۸۷۶ء تک ہندوستان میں ممتاز انتظامی عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۲ء تک وہ ایڈنبرا یونیورسٹی کے پرنسپل کے عہدے پر رہے۔ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۱ء تک انھوں نے چار جلدوں میں لائف آف محمد لکھا۔ اس کی تصنیف 'دی خلافت' کا نیا ایڈیشن ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔ ۱۸۷۸ء میں ان کی تصنیف 'دی قرآن' شائع ہوئی۔ سرسید کے رسالہ خیر خواہ مسلمانان سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۲ر جولائی ۱۸۵۸ء کو صوبہ شمال مغرب کے سکریٹری ولیم میور نے سرسید کو خط لکھا کہ ان کا تبادلہ بجنور سے مرادآباد بہ حیثیت صدر الصدور کر دیا گیا ہے۔ انھیں مشرقی زبانوں میں عربی و عبرانی پر عبور حاصل تھا۔ ان کی اڈنبرا یونیورسٹی کی سربراہی کے دوران سرسید اور نذیر احمد کو اس یونیورسٹی سے اعزازی ڈگری ملی۔ سرسید کے سفر لندن کا ایک مقصد ولیم میور کی تصنیف لائف آف محمد کا تردیدی جواب لکھنا بھی تھا۔

۶۔ سید محمد حامد۔ (۱۸۹۴ء۔۱۸۴۹ء) سرسید کے بڑے بیٹے سید حامد دلّی میں پیدا ہوئے ذکاءاللہ کے مطابق وہ کچھ دنوں بنارس میں سب رجسٹرار رہے اور برسوں صوبہ شمال و مغرب کے مختلف اضلاع میں سپرنٹنڈنٹ پولیس رہے۔ ذکاءاللہ لکھتے ہیں ''ذہانت میراث میں آئی تھی۔ اسے کتابوں کی ورق گردانی میں صرف نہیں کیا تھا مگر ظرافت اور لطافت میں وہ کام آئی تھی ان کا دہلی میں دیوان خانہ سارے محلّہ کے لیے ایک مسرّت کدہ تھا۔'' ان کا انتقال ۱۸۹۴ء میں ہوا۔ محسن الملک کا قول ہے کہ ''سرسید اپنی قوم کے عشق میں دیوانے ہیں خواہ کیسی ہی کوئی مصیبت اور آفت سر پر آئے انھیں اپنے عشق

سے کام ہے۔ سید حامد کے سوم کے دن بجائے اس کے کہ وہ چنے اور الائچی دانے پڑھوا کے اور کھانے پکوا کر تقسیم کرتے وہ تہذیب الاخلاق کے سہ بارہ اجرا اور لاہور کے ڈیپوٹیشن کے اشتہار تقسیم کرر ہے تھے۔''

۷ خداداد بیگ۔ مرزا عاشور بیگ کے تیسرے بیٹے مرزا خداداد بیگ دہلی کے رہنے والے تھے کہا جاتا ہے کہ سرسید کے ساتھ ان کی قربتِ مکانی کے علاوہ قرابت داری بھی تھی۔ انٹرنس کے امتحان کے بعد وہ بھی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۸۶۹ء میں لندن گئے اور مسافران لندن کے قافلہ میں شامل ہو گئے۔ سرسید کے ایک خط کے مطابق وہ توقعات پر پورے نہیں اُترے اور وہاں کے امتحانات میں ان کی کارکردگی مایوس کن رہی۔ ہندوستان لوٹنے کے بعد وہ اودھ میں تحصیل دار کے عہدے پر کام کرتے رہے۔ جب وہ امیٹھی میں تحصیل دار تھے تو ان کی غزلیں اودھ اخبار میں شائع ہوتی تھیں۔

۸ سید مہدی علی۔ (۱۹۰۷ء۔۱۸۳۷ء) میر ضامن علی کے بیٹے سید مہدی علی ۹ر دسمبر ۱۸۳۷ء کو اٹاوہ میں پیدا ہوئے ان کا سلسلہ نسب ساداتِ بارہہ سے ملتا ہے۔ پھپھوند کے مولانا عنایت حسین سے انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی میں دس روپیہ ماہوار سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۸۶۱ء میں وہ اٹاوہ کے تحصیل دار مقرر ہوئے ان دنوں اٹاوہ کا کلکٹر انڈین نیشنل کانگریس کا بانی ہیوم تھا وہ مہدی علی کی کارکردگی سے بہت متاثر رہا۔ سید مہدی علی ڈپٹی کلکٹری کے مقابلے کے امتحان میں بیٹھے اور یوروپین امیدواروں کے مقابلے میں اوّل آئے۔ وہ مرزاپور میں ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے جب انھیں ۱۸۷۴ء میں حیدرآباد میں ملازمت ملی تو لفٹننٹ گورنر صوبہ شمال مغرب سر ولیم میور نے انھیں مبارک باد دی۔ حیدرآباد کی ریاست سے انھیں نواب محسن الملک کا خطاب ملا۔ وہ نظام حیدرآباد کے پولٹیکل سکریٹری تھے وہ سرسید کے محبوب رفیقوں میں تھے۔ انھیں وہ لحمک لحمی سے مخاطب کرتے ہیں۔ سائنٹفک سوسائٹی کے پہلے سالانہ جلسہ ۱۸۶۵ء میں مہدی علی کو سوسائٹی کا ممبر معاون مقرر کیا گیا تھا ان کی رکنیت کا نمبر دوسو پینتالیس تھا۔ مدرستہ العلوم علی گڑھ کے قیام اور استحکام کے سلسلے میں انھوں نے سرسید کی بہت مدد کی۔ ۱۸۹۹ء میں علی گڑھ کالج کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں ان کا

انتقال شملہ میں ہوا اور دفن سرسید کے مزار کے قریب ہوئے۔ان کی خدمات کے اعتراف میں سرسید ہال میں مہدی منزل کی تعمیر ہوئی۔

۹ سید زین العابدین۔محمد حسین کے بیٹے زین العابدین مچھلی شہر جونپور میں ۱۴؍جون ۱۸۳۲ء کو پیدا ہوئے۔ غازی پور میں جب سرسید صدر الصدور کے منصب پر تعینات تھے اسی دوران محمد آباد ضلع غازی پور میں زین العابدین بھی منصف تھے اسی زمانے میں دونوں کے روابط پیدا ہوئے اور یہ اتنے گہرے ہوتے گئے کہ سرسید انھیں زینو کہہ کر پکارنے لگے۔ ۹؍جنوری ۱۸۶۴ء کو غازی پور میں جب سائنٹفک سوسائٹی کا پہلا جلسہ ہوا تو اس میں ولیم میور کو سوسائٹی کا ممبر مقرر کیا گیا جن کا رکنیت نمبر ساتواں تھا اور سید زین العابدین بھی ممبر نامزد ہوئے جن کا نمبر ۱۷ تھا۔ مولوی بشیر الدین نے لکھا ہے کہ زین العابدین سرسید میں اس قدر کھو گئے تھے کہ من تو شدم تو من شدی کا نقش اُبھر آیا تھا۔ سرسید کے مزار کی تعمیر کا جب کام شروع ہوا تو اس کی نگرانی زین العابدین کرتے تھے۔ ۲۷؍ستمبر ۱۹۰۵ء کو ان کا انتقال ہوا اور سرسید کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

۱۰ ٹیبی: ٹیلے

۱۱ کڑاڑا: دریا کا اُونچا کنارہ

۱۲ چھجو سرسید کے ذاتی مددگار تھے، یہ سرسید کے ساتھ ۱۸۶۹ء میں لندن گئے اور سید محمود کے ساتھ ان کا کیمبرج اور لندن میں قیام رہا۔ ان کا نام عظیم اللہ تھا اور عرفیت چھجو تھی۔ محسن الملک کے نام سرسید کے کئی خط میں چھجو کا ذکر آتا ہے۔ سید محمود نے علی گڑھ کالج کے احاطہ کی دیوار کی تعمیر کے لیے ان کی طرف سے بیس روپیہ کا چندہ دیا تھا جس کا اندراج ۱۷؍نومبر ۱۸۷۷ء کے گزٹ میں موجود ہے۔

۱۳ نقب: سرنگ

۱۴ پو: سبیل

۱۵ ناگر: شہری لوگ

۱۶ الٰہ آباد اسوسی ایشن۔ حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں کہ ”۱۸۶۷ء میں بنارس کے بعض سربرآوردہ ہندوؤں کو خیال پیدا ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو تمام سرکاری عدالتوں میں سے

اردو زبان اور فارسی خط کے موقوف کرانے میں کوشش کی جائے اور بجائے اس کے بھاشا زبان جاری ہو جو دیوناگری میں لکھی جائے غرضیکہ ہندوؤں کی ایک قومی مجلس میں جو اس وقت بابو فتح نرائن سنگھ کے مکان پر بنارس میں قائم تھی اس بات کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ جابجا اس کے لیے کمیٹیاں، مجلس اور سبھائیں مختلف ناموں سے قائم ہو گئیں اور ایک صدر مجلس الٰہ آباد میں قائم کی گئی۔ الٰہ آباد اسوسی ایشن سے سرسید کی مراد یہی صدر مجلس الٰہ آباد ہے۔

۱۷۔ سید الاخبار۔ شمالی ہند کے قدیم اردو اخبارات میں سید الاخبار کا اہم مقام ہے گورنمنٹ پریس کی رپورٹ کے مطابق اس اخبار کا اجرا ۱۸۳۱ء میں ہوا لیکن مولوی ذکاء اللہ نے دہلی کے قدیم اردو اخبار میں اس کا سن اجرا ۱۸۳۶ء بتایا ہے اس اخبار پر بہ حیثیت ایڈیٹر سید عبدالغفور کا نام شائع ہوتا تھا لیکن دراصل اخبار کے کرتا دھرتا سرسید کے بڑے بھائی سید محمد تھے۔ اسی اخبار سے سرسید کی صحافتی زندگی کا آغاز ہوا۔ گورنمنٹ پریس ۱۸۴۸ء کی رپورٹ کے مطابق بہ حوالہ عتیق صدیقی اس میں جونپور کی تاریخی عمارتوں کا حال بھی درج ہوا تھا ممکن ہے یہ مضامین سرسید کے رہے ہوں جن کی آثار قدیمہ سے دلچسپی ابتدائے عمر سے تھی۔ ذکاء اللہ لکھتے ہیں کہ سید الاخبار کو ۱۸۳۶ء میں سید احمد خاں کے بڑے بھائی سید محمد خاں نے نکالا تھا مگر جب ان کا ہیضہ سے عین جوانی میں انتقال ہو گیا تو اس کا اہتمام سید احمد خاں نے خود لیا۔

۱۸۔ رسالہ تسہیل فی جر الثقیل۔ یہ رسالہ ۱۸۴۴ء میں آگرہ سے شائع ہوا یہ ابوعلی کی تصنیف رسالہ معیار العقول کا اردو ترجمہ ہے اسے سرسید نے اردو میں منتقل کیا ہے۔ اس کا موضوع مکینکس ہے۔ یہ ان چیزوں کے بارے میں ہے مثلاً سخت چیزوں کے چیرنے اور بھاری چیزوں کے اُٹھانے کے لیے کرسچن ٹرال کے مطابق یہ رسالہ طلبا کے نصاب میں شامل تھا۔

۱۹۔ رسالہ نتائج الافکار فی اعمال الفرجاء۔ یہ رسالہ خواجہ فریدالدین احمد سرسید کے نانا کی تصنیف ہے۔ مطبع سید الاخبار سے ۱۸۴۶ء میں سرسید نے شائع کیا یہ رسالہ ان فارسی مسودوں پر مشتمل ہے جو سرسید کو اپنے نانا سے دستیاب ہوئے تھے اس کا اردو ترجمہ اور

اس میں مثالیں سرسید نے اپنی طرف سے اضافہ کردی ہیں۔ یہ رسالہ قدیم دہلی کالج کے نصاب میں شامل تھا۔

۲۰ آثار الصنادید۔ مغلوں کی دہلی آخری سانس لے رہی تھی یہ دیکھ کر سرسید نے دہلی کے آثار قدیمہ کی تاریخ لکھنے کا بیڑہ اُٹھایا اس سلسلے میں وہ دہلی کے قدیم کھنڈروں میں بھٹکتے پھرے۔ عمارتوں کے کتبوں کا چربہ اُتارا ان کے بارے میں مفصل معلومات بہم پہنچائی۔ قطب مینار کے بعض کتبے زیادہ بلند ہونے کے سبب پڑھے نہ جاسکتے تھے ان کے پڑھنے کے لیے انھوں نے اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈالا اور اس پر لکھے ہوئے کتبوں کو بہت قریب سے پڑھا اس کے لیے وہ ایک چھینکا دو بلیوں کے بیچ میں ہر کتبے کے محاذی بندھواتے اور خود اوپر چڑھ کر اور چھینکے میں بیٹھ کر ہر کتبے کا چربہ اُتارتے تھے۔ آثار الصنادید کے طبع اوّل ۱۸۴۷ء میں چار باب ہیں تین باب میں دہلی کی عمارتوں کی تفصیل دی گئی ہے اور آخری باب میں دہلی کے ایک سو بیس مشاہیر ہیں جن میں علما، صوفیا، اطبا، خوشنویس، موسیقار اور دوسرے فن کاروں کا مختصر لیکن جامع تذکرہ ہے۔ اس کتاب کا ان کے ہم عصروں نے پُر جوش خیر مقدم کیا۔ ایڈورڈ ٹامس جو سکوں کے علم کا ماہر تھا، اس نے سرسید کے جذبۂ تحقیق کو سراہا اور اس کتاب کو دہلی کے آثار کی بہترین تاریخی کتاب تسلیم کیا۔ یہ کتاب سید عبدالغفور کے اہتمام میں ۱۸۴۷ء میں مطبع سید الاخبار سے شائع ہوئی تھی۔ آثار الصنادید کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۵۴ء میں شائع ہوا تھا ان دونوں کتابوں کا عکس ابھی حال میں سرسید اکیڈمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے شائع کیا ہے۔

۲۱ کھڑکی مسجد۔ آثار الصنادید طبع دوم ۱۸۵۴ء مطبوعہ سرسید اکیڈمی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سرسید لکھتے ہیں کہ ''موضع کھڑکی میں ست پلے کے پاس یہ مسجد ہے قریب ۷۸۹ھ مطابق ۱۳۹۷ء فیروز شاہ کے وقت میں خان جہاں (۱۳۸۸۔۱۳۵۱ء) وزیر اعظم فیروز شاہ نے یہ مسجد بنائی ہے یہ مسجد چوکھنٹی ہے اور چاروں طرف مربع کے ضلعوں کے بیچ میں ایک ایک مربع بطور تاج کے نکالا ہے تین طرف تو دروازے ہیں اور قبلہ کی طرف سے بند ہے۔ تمام مسجد میں بہت سے ستون لگائے ہیں ایک ایک برج چاروں تاج کے مربعوں پر ہے اور مسجد کی چھت پر نو جگہ ملے ہوئے نونو برج ہیں ہر برج کے تلے چار

ستون ہیں۔ مسجد کے صحن میں چار چوک چھوڑے ہیں۔ اس قطع کی مسجد اس نواح میں کہیں نہیں ہے بلا دروم کے مسجدوں کی قطع کی معلوم ہوتی ہے۔

۲۲ چراغ دہلی۔ مالویہ نگر کا لکا جی روڈ پر چراغ دہلی کا علاقہ واقع ہے جو حضرت نصیرالدین محمود ملقب بہ روشن چراغ دہلی کے مقبرہ کے چاروں طرف آباد ہے۔ اب یہ موضع شہر دہلی کا حصہ ہے۔ حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کا وصال ۱۳۵۶ء میں ہوا تھا۔

۲۳ قلتین: ایک معین وزن کے دو مٹکے

۲۴ چھلنی: شاور

۲۵ مس کارپنٹر۔ (۱۸۰۷ء۔۱۸۷۷) میری کارپنٹر۔ مصلح اور ایجوکشنسٹ اکسٹر میں پیدا ہوئیں انھوں نے ۱۸۲۹ء میں برسٹل میں غریب بچوں کے لیے ایک اسکول کھولا اور لاوارث بچّوں کے فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۸۴۶ء میں برسٹل میں لڑکیوں کی تعلیم کے سلسلے میں بھی انھوں نے کئی اسکول کھولے۔ وہ چار دفعہ ہندوستان آئیں ان کی تصنیف Our Convicts ۱۸۶۴ء میں منظر عام پر آئی۔ ان کی کتاب The Last Days of Ram Mohan Roy ۱۸۶۶ء میں شائع ہوئی اور Six Month in India ۱۸۶۸ء میں سامنے آئی۔

۲۶ راجہ رام موہن رائے ضلع بردوان بنگال کے ایک معزز خاندان میں ۱۷۷۴ء میں پیدا ہوئے، انھوں نے بنارس میں رہ کر سنسکرت اور مذہبیات کی تعلیم حاصل کی پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کی۔ دورانِ ملازمت انگریزی زبان کی تحصیل کی، عبداللہ یوسف علی نے لکھا ہے کہ راجہ رام موہن رائے نے مذہبی کتابوں کا سنسکرت سے انگریزی اور بنگالی میں ترجمہ کیا۔ انھوں نے انگریزوں سے میل جول پیدا کیا اور بنگالی نوجوانوں کے لیے میکالے سے کہیں پہلے انگریزی تعلیم کی حمایت کی۔ ۱۸۱۷ء میں جو سرسید کا سال پیدائش ہے کلکتہ میں ہندو کالج کی بنیاد پڑی راجہ رام موہن رائے اس کے بانیوں میں تھے۔ سیرت فریدیہ میں سرسید لکھتے ہیں کہ کلکتہ کے بابو رام موہن رائے جو نہایت لائق اور ذی علم شخص تھے اور برہمو سماج کے بانی تھے۔ انھیں اس ارادے سے بلایا گیا کہ بادشاہ (اکبر شاہ ثانی) کی طرف سے اپنے مالی حقوق کی وکالت کے لیے وکیل کر کے ان

کولندن بھیجا جائے (جس کا مشورہ کہا جاتا ہے کہ سرسید کے نانا خواجہ فریدالدین احمد نے دیا تھا یہ مغل بادشاہ کے وزیراعظم رہ چکے تھے اور کلکتہ میں مختلف حیثیتوں سے کافی عرصہ تک ان کا قیام رہا تھا) وہ دلّی آئے اور بادشاہ کی ملازمت کی اور ان کو راجہ کا خطاب بادشاہ کی طرف سے دیا گیا اور وہ بادشاہ کی طرف سے وکیل ہوکر لندن بھیجے گئے۔ وہ ۱۸۳۱ء میں لندن پہنچے اور ۱۸۳۳ء میں وہیں مر گئے۔'' ان کا انتقال میری کارپنٹر کے باپ ڈاکٹر کارپنٹر کے گھر پر ہوا تھا۔

۲۷ دمسفوح: بہایا ہوا خون

۲۸ بغلے: بڑے جہاز کے ساتھ ایسی چھوٹی کشتیاں لگادی جاتی تھیں جو بچاؤ کے لیے اور بار برداری کے کام آتی تھیں۔

۲۹ ساقول: معماروں کا آلہ جس سے جگہ کی کجی معلوم کرتے ہیں۔

۳۰ اصطرلاب: اِجرام فلکی کی پیمائش کا آلہ۔

۳۱ ربع مجیب: اصطرلاب کے قسم کا آلہ۔

۳۲ پٹ بیجنے: جگنو

۳۳ پٹے باز: پٹے کے فن کا ماہر

۳۴ کادے۔ گھوڑے کو سدھانے کے لیے ایک مقررہ دائرے میں اس کو پھرانا۔

۳۵ ایڑن۔ جو گھوڑا منجھا ہوا ہو۔

۳۶ قطب صاحب۔ مشہور صوفی بزرگ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ جو قطب صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ قطب الدین بختیار کاکی کا وصال ۱۲۳۶ء میں ہوا۔ ان کے مزار کے اردگرد بہادر شاہ اوّل (۱۷۱۲۔۱۷۰۷ء) شاہ عالم ثانی (۱۸۰۶۔۱۷۵۹ء) اکبر شاہ ثانی (۱۸۳۷۔۱۸۰۶ء) کی قبریں ہیں۔ بہادر شاہ ظفر نے اپنے دفن کے لیے یہیں زمین منتخب کی تھی لیکن اسے تو رنگون میں دفن ہونا تھا اس درگاہ کے مختلف دروازے ہیں اس کے علاوہ نوبت خانہ، مجلس خانہ، توشہ خانہ، مسجد، تالاب اور بادلی ہیں۔ سرسید لکھتے ہیں کہ یہ درگاہ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی ہے مگر یہاں کچھ عمارت نہ تھی۔ ۱۵۴۱ء میں شیر شاہ کے وقت میں خلیل اللہ خاں نے ایک

چہار دیواری بنوادی تھی، جو اَب نہیں ہے۔ ۱۵۵۱ء میں اسلام شاہ کے وقت میں یوسف خاں نے بھی ایک دروازہ اس درگاہ میں بنایا بعد میں ۱۷۰۷ء میں شاکر خاں نے ایک دروازہ مغرب کی طرف بنوایا۔ ۱۷۱۷ء میں فرخ سیر نے آپ کے مزار کے گرد نہایت نفیس جالیاں بنوادیں۔ ذکاء اللہ نے لکھا ہے کہ اکبر شاہ نے محض تفریح اور تفنن طبع کے لیے حکم دیا کہ ساون کے مہینے میں جمعرات کے دن پھول والے اپنے پنکھے قطب صاحب کی درگاہ پر چڑھایا کریں گے۔ وہ خود بھی قطب صاحب جا کر کبھی کبھی رہتا تھا اور دوسرے امیروں نے وہاں اپنے رہنے کے لیے مکانات تعمیر کرائے تھے جو تبدیل آب و ہوا کے لیے وہاں جا کر رہتے تھے۔

۳۷ مسجد قوت الاسلام۔ اس کے بارے میں سرسید آثار الصنادید طبع اوّل ۱۸۴۷ء میں لکھتے ہیں کہ یہ مسجد وہ ہے جس کا ایک مینار قطب صاحب کی لاٹھ مشہور ہے یہ مسجد نہایت عجیب وغریب ہے۔ یقین ہوتا ہے کہ ایسی بڑی مسجد روئے زمین پر نہ ہوگی اور چشم فلک نے بھی نہ دیکھی ہوگی۔ حقیقت میں اپنا مثل روئے زمین پر نہیں رکھتی باوجود اس قدر بلندی اور بڑائی کے ایسی خوب صورت اور خوش وضع کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہوسکتا۔ اک ایک پتھر پر وہ منبت کاری ہے اور گل کاری ہے کہ دیکھنے سے علاقہ رکھتی ہے۔ اس کی ایک ایک بیل مسلسل پر سے ہزاروں معشوقوں کی زلف دوتا قربان ہے اور اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ پھول پنکھڑی پر سے سیکڑوں گل رخوں کے لب جاں بخش نثار ہیں۔'' اس مسجد کی تعمیر کا کام قطب الدین ایبک کے زمانے ۱۱۹۲ء میں شروع ہوا اور ۱۱۹۸ء میں یہ مسجد مکمل ہوئی۔ شمس الدین التمش (۱۲۳۶۔۱۲۱۱ء) نے ۱۲۳۰ء میں اس مسجد میں اضافہ کیا۔ جب علاء الدین خلجی (۱۳۱۶۔۱۲۹۶ء) حکمراں ہوا تو مسجد میں اور توسیع ہوئی اس کے علاوہ علائی دروازہ کی تعمیر کرائی اس نے قطب مینار کے مقابلے پر ایک اور مینار کی تعمیر شروع کی لیکن وہ ادھورا رہ گیا۔ مسجد قوت الاسلام کے آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی کتاب Delhi and its neighbour hood کے مطابق سرسید نے تین نام لکھے ہیں مسجد ادینہ دہلی یا مسجد جامع دہلی یا مسجد قوت الاسلام۔

۳۸ مورچال: فوجی خندق

۳۹ جھالیں: پکی بادلی

۴۰ تختے: کیاریوں کا باقرینہ ہونا

۴۱ گاری بالڈی (۱۸۸۲۔۱۸۰۷ء) اٹلی کا ممتاز محبِّ وطن اس نے وطن کی آزادی کے لیے میزینی کے ساتھ مل کر جدوجہد آزادی میں حصہ لیا۔ آخری عمر میں وہ کیپریا کے جزیرہ میں ایک پھونس کے جھونپڑے میں رہتا تھا۔

۴۲ کزینو: ناچ گھر۔ جوا خانہ

۴۳ جدولیں: نہریں

۴۴ تاکوں: انگور کی بیلیں

۴۵ امام عبدالقادر۔ الجزائر کی جنگ آزادی کا ہیرو ۱۸۰۷ء میں مسکرا میں پیدا ہوا۔ فرانسیسیوں کے خلاف وہ عرصے تک لڑتا رہا۔ (۱۸۴۷۔۱۸۳۲ء) اس نے ۱۸۳۵ء میں فرانسیسی فوجوں کو زبردست شکست دی لیکن ۱۸۴۷ء میں وہ فرانسیسی فوجوں سے پسپا ہو گیا وہ کچھ دنوں فرانس میں رہا اور بعد میں ۱۸۸۳ء میں دمشق میں اس کا انتقال ہو گیا۔

۴۶ بارہ: قلعہ

۴۷ سائنٹفک سوسائٹی۔ ۹ر جنوری ۱۸۶۴ء کو سائنٹفک سوسائٹی کی تاسیس غازی پور میں ہوئی۔ ڈیوک آف آرگل جو اس زمانے میں ہندوستان کے سکریٹری آف اسٹیٹ تھے، اس کے سرپرست ہوئے اور پنجاب کے لفٹننٹ گورنر میکلوڈ اور صوبہ شمال و مغرب کے لفٹننٹ گورنر ڈریمنڈ اس سوسائٹی کے نائب سرپرست نامزد ہوئے اس کے سکریٹری سرسید اور جی ایف آئی گراہم تھے۔ اس کے ممبروں میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، نواب ضیاء الدین احمد آف لوہارو، اکبرالہ آبادی، سر ولیم میور، ذکاءاللہ، پنڈت من پھول، راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند، منشی نول کشور، مولوی امداد العلی، راجہ جے کشن داس، راجہ دیونرائن، قاضی علی اکبر، محمد غیاث اللہ خاں، عبیداللہ عبیدی، فریدالدین احمد وغیرہ تھے۔ اس سوسائٹی سے فزکس، کیمسٹری، نیچرل فلاسفی، تاریخ اور جدید زراعت پر انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ ہوا۔ اس زمانے میں جب سائنٹفک سوسائٹی کا دفتر علی گڑھ آیا تو تقریباً پچاس اخبارات سوسائٹی کی لائبریری میں آتے تھے۔ ۱۸۶۶ء میں سائنٹفک سوسائٹی کی جانب سے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا اجرا

ہوا۔ سرسید نے اپنا ذاتی پریس جو تقریباً آٹھ ہزار کا تھا سوسائٹی کو دے دیا۔ انھوں نے سوسائٹی میں توسیعی لکچروں کا بھی انتظام کیا سائنٹفک سوسائٹی بہت فعال تنظیم تھی مہینے میں کئی بار اس کے جلسے ہوتے تھے۔ سائنٹفک سوسائٹی کے قیام کے سلسلے میں ایک فاضل کا خیال ہے کہ سرسید کا یہ ایک ایمان دارانہ قدم تھا جو انھوں نے ہندوؤں، مسلمانوں اور انگریزوں کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر لانے کے لیے اُٹھایا تھا۔

۴۸ راجہ جے کشن داس چوبے برندابن داس مرادآباد کے منجھلے بیٹے تھے۔ راجہ جے کشن داس نے تعلیم کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی۔ تحصیل دار ہوئے ڈپٹی کلکٹر ہوئے، ۱۸۵۷ء کے دوران انھوں نے انگریزی حکومت کی نمایاں خدمات انجام دیں انھیں حکومت نے سی ایس آئی کا خطاب بھی دیا تھا۔ سرسید جب اگست ۱۸۶۷ء میں علی گڑھ سے بنارس گئے تو راجہ جے کشن داس سائنٹفک سوسائٹی کے سکریٹری نامزد ہوئے۔ یہ ان دنوں علی گڑھ کے ڈپٹی کلکٹر تھے۔ انھوں نے سوسائٹی کے کاموں میں گہری دلچسپی لی، سوسائٹی کی عمارت کو مکمل کرایا اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی اشاعت میں تاخیر نہ ہونے دی۔ ۷۰۔۱۸۶۹ء میں سرسید نے مسافران لندن کے عنوان سے گزٹ میں اپنے سفر کے حالات لکھے۔ سرسید اور راجہ جے کشن داس میں گہرے روابط تھے لیکن اردو ہندی کے مسئلے پر دونوں دو مختلف کیمپوں میں تھے۔

۴۹ سر ایڈورڈ اسٹریچی (۱۹۰۱۔۱۸۱۲ء) مشرقی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے یہ سرجان اسٹریچی کے بڑے بھائی تھے انھوں نے Jewish History & Politics ۱۸۷۴ء میں لکھی اور ان کی تصنیف Miracles and Science ۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی۔ ایڈورڈ اسٹریچی کے چھوٹے بھائی سرجان اسٹریچی (۱۸۲۳ء۔۱۹۰۷ء) ہندوستان کے مختلف اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز رہے۔ وہ ۱۸۶۶ء میں اودھ کے چیف کمشنر رہے وہ ۷۶۔۱۸۷۴ء تک صوبہ شمال و مغرب کے گورنر رہے۔ انھیں کی کوششوں سے علی گڑھ کالج کو زمین حاصل ہوئی، مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے لیے ان کی خدمات کے اعتراف میں سرسید ہال میں ان کے نام پر اسٹریچی ہال کی تعمیر ہوئی۔ وہ ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۰ء تک کونسل آف انڈیا کے ممبر رہے۔

۵۰ کانپور کی مہیب آواز۔ عبدالرزاق کانپوری یاد ایام میں لکھتے ہیں کہ ''میں اس وقت امدادالعلی کا فسانہ سناتا ہوں یہ کانپور میں درجہ اوّل کے ڈپٹی کلکٹر تھے اور کانپور میں مسلمانوں کے پیشوا حاجی عبدالرحمٰن خاں مالک مطبع نظامی تھے۔ اس زمانے میں یہ مطبع عروج پر تھا اور متعدد علما مطبع میں ملازم تھے۔ چنانچہ تہذیب الاخلاق کے جواب میں اخبار نورالآفاق اور نورالانوار مطبع نظامی سے جاری ہوا۔ جس دن تہذیب الاخلاق آتا تھا اس روز صبح سے مطبع میں مسلمان جمع ہوتے تھے اور ایک بڑا کمرہ شائقین سے بھر جاتا تھا اور ڈاکیہ کے انتظار میں کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلتا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے ڈاکیہ نظر آیا اور نعرۂ مسرت بلند ہوا وہ آ گیا وہ آ گیا... اور ڈپٹی صاحب نے تہذیب الاخلاق کو اپنے ہاتھ سے کھولا سب سے اوّل عنوان پڑھے گئے اور مضمون نگاروں کو خطاب ملنے شروع ہوئے۔ ان میں کوئی ملحد تھا کوئی کافر کوئی ملعون کوئی دہریہ اور سرسید کا خطاب زندیق، شیطان، کرسٹان اور نیچری تھا۔ تہذیب الاخلاق کے مضامین میں سید مہدی علی (محسن الملک) کے مضامین سب سے پہلے سنائے جاتے تھے۔ کیوں کہ زور عبارت کے علاوہ اس میں ظرافت بھی ہوتی تھی اور طرز استدلال متکلمانہ ہوتا۔ حاضرین جلسہ میں عبدالرحمٰن خاں صاحب کی آواز سب سے پہلے بلند ہوتی تھی اور بعض اوقات غیض و غضب کا بھی اظہار ہوتا تھا اور خاں صاحب آستین چڑھانا شروع کرتے تھے۔ چنانچہ انتہائی کوشش کے بعد مولوی امدادالعلی صاحب اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور علمائے ہند اور حرمین کے فتووں کی عبارت کے مطابق سرسید کو کافر قرار دیا گیا۔ ان فتووں پر ساٹھ علما کے دستخط تھے۔ کانپور کی مہیب آواز سے مراد یہی امدادالعلی اور ان کے اخبارات ہیں۔

۵۱ اخبار۔ سے مراد اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ہے۔ اس کا اجرا ۳۰ر مارچ ۱۸۶۶ء کو علی گڑھ سائنٹفک سوسائٹی سے ہوا۔

۵۲ سید عبداللہ۔ Memoirs and other Writing of Syed Ameer Ali میں سید امیر علی لکھتے ہیں کہ ''جب جنوری ۱۸۷۰ء میں وہ انگلینڈ پہنچے تو چیرنگ کراس میں ان کی ملاقات سید عبداللہ سے ہوئی جو ہندوستانی طلبا کے لیے جو

سول سروس کا امتحان دینے لندن آتے بطور اتالیق ورہنما کام کرتے تھے۔ یہ اس علاقہ میں معروف تھے اور کچھ ہی دنوں پہلے ایک انگریز خاتون سے انھوں نے شادی کی تھی۔ وہ 21-Fulham Place میں رہتے تھے جو Paddington میں کہیں تھا۔ انھیں کے مکان پر امیر علی مادھوراؤ سندھیا کے جنرل De Boigne کے پوتوں سے بھی ملے تھے۔ اس زمانے میں سرسید بھی انگلستان میں تھے اور عبداللہ جنھیں سرسید پروفیسر لکھتے ہیں لندن میں سرسید کی رہنمائی کرتے تھے۔ یہ ان کے ساتھ کیمبرج یونیورسٹی بھی گئے تھے۔ سید عبداللہ نے لندن کے اخبار ہوم ورڈ میل میں مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۸۷۰ء کو سرسید کے بارے میں اپنی رائے شائع کرائی تھی جو علی گڑھ گزٹ ۱۱ نومبر ۱۸۷۰ء میں نقل کیا گیا تھا۔ جس میں انھوں نے لکھا کہ یہاں کے بہت سے مدبران سلطنت کی رائے ہے کہ اگر سرسید جیسے ہندوستانی سے وہ نہ ملتے تو ہندوستانیوں کی لیاقت کی نسبت ان کی رائے ادھوری ہوتی۔

۵۳ ایڈورڈ ٹامس Choronicals of Pathan Kings کے مصنف ہیں۔ یہ سکوں کے علم پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ سرسید کے دوست اور ان کے جذبۂ تحقیق کو سراہتے تھے، انھیں کی ایما پر سرسید نے آثار الصنادید طبع اوّل پر نظر ثانی کی۔ حالی کا بیان ہے کہ انھیں کے کہنے سے آثار الصنادید کو سرسید نے از سر نو مرتب کیا اور آثار الصنادید کے طبع دوم ۱۸۵۴ء میں چوتھے باب کو حذف کر دیا۔

۵۴ سیٹھ امی چند۔ اصل نام امید رائے رائے رایان عالم چند دیوان کا بیٹا راجہ کیرت چند دیوان کا نائب تھا۔ ۱۷۵۴ء میں کیرت چند کی وفات کے بعد علی وردی خاں نے اسے دیوان کے عہدہ پر مامور کیا اور رائے رایان کا خطاب دیا۔ یہ شروع سے علی وردی خاں کا وفادار نہیں تھا وہ خفیہ طور پر انگریزوں کا مددگار تھا۔ سراج الدولہ کی تخت نشینی کے بعد امی چند انگریزوں کے ساتھ سراج الدولہ کے خلاف سازش میں جگت سیٹھ کے ساتھ شریک رہا۔ جگت سیٹھ، امی چند اور رائے درلبھ رام نے سراج الدولہ کو انگریزوں کے خلاف سخت اقدام اُٹھانے سے باز رکھا۔ سراج الدولہ کے زوال میں یہ جگت سیٹھ کی پارٹی کا اہم رکن تھا۔

۵۵ وارن ہسٹینگز (۱۸۱۸۔۱۷۳۲) آکسفورڈ شائر میں پیدا ہوا۔ ۱۷۵۰ء میں بنگال کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے سول سروس میں آیا۔ وہ کلکتہ کونسل کا ممبر رہا۔ اس نے گورنر جنرل کا عہدہ نکالا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر جنرل رہا۔ بنارس کے راجہ چیت سنگھ کی حکومت کا اس نے بڑا حصہ غصب کیا اور چیت سنگھ کی مدد کے جرم میں اسے بیگمات اودھ کے خزانے کو ہتھیا لیا۔ بعد میں جب وہ انگلینڈ گیا تو اس پر مقدمہ چلایا گیا اس کی روئداد میکالے نے دلچسپ انداز میں لکھی ہے۔ اس نے ہندوستان میں محکمہ انصاف اور انتظامی امور کو نئے سرے سے ترتیب دیا۔

۵۶ نورالابصار۔ ''الٰہ آباد محلّہ خلد آباد، ۸ ورق اوسط پندرہ روزہ مالک منشی سدا سکھ لال مہتمم مولوی تفضّل حسین کاتب فیض اللہ بیگ از مطبع نورالابصار اجرا ۱۸۵۲ء۔''

۵۷ کارنامہ۔ ''شائقان روزگار کے لیے بشارت ہے۔ خواہش مندان کوائف احصار کے لیے اشارت ہے کہ یہ اخبار پر بہار دوشنبہ کو چھاپا جاتا ہے سہ شنبہ کو ملاحظہ ناظرین میں آتا ہے۔ سچی خبریں لکھی جاتی ہیں۔ مفید باتیں نگارش پاتی ہیں۔ آغاز میں اخبار بلاد وامصار قوانین واحکام سرکار تسطیر ہوتے ہیں۔ آخر میں اشعار آبدار تحریر ہوتے ہیں۔ لکھنؤ فرنگی محل، ڈاک خانہ چوک، مالک مولوی محمد یعقوب انصاری در مطبع کارنامہ اجرا ۱۸۶۵ء۔''

۵۸ سید امداد العلی۔ سید غلام مصطفیٰ کے بیٹے حاجی مولوی سید امداد العلی سی ایس آئی ۱۸۲۰ء میں محلّہ پنجہ مدرسہ شاہی میں پیدا ہوئے، تعلیم متداولہ کے بعد کوسی ضلع متھرا کے تحصیل دار مقرر ہوئے اور ۱۸۸۱ء میں بہ عہدہ اسسٹنٹ کلکٹر مراد آباد سے پنشن پائی۔ یوپی کے لفٹننٹ گورنر ولیم میور نے لکھا ہے کہ ''ایامِ غدر کے آزمائش کے دنوں میں امداد العلی سے زیادہ کسی اور شخص کو میں مستحق نہیں جانتا جو حکومت کا خیر خواہ رہا ہو اور ایمان دار ہو۔'' ۱۸۷۷ء میں امداد العلی علی گڑھ کے اسسٹنٹ کلکٹر تھے۔ وہ سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی کے ابتدائی ممبروں میں تھے۔ ان کی تصانیف میں ہدایت نامہ پٹواری، امداد المتقین من اغالیط الفرسولین'' فتویٰ کراہیت نماز جنازہ در مسجد، امداد الحساب امداد المساحت۔ نصیحت النسواں۔ امداد الادب، امداد المساجد، امداد الحجاج، امداد الآفاق۔ برجم اہل النفاق بجواب تہذیب الاخلاق، مظاہر الحق دلائل فضیل العلوم۔ بہار المصائب، امداد المتقین، امداد السنین،

ضابطۂ فوج داری، نورالہدیٰ وغیرہ ہیں۔ یہ سرسید کے مشہور مخالفین میں تھے ان کا انتقال ۱۸۸۲ء میں ہوا۔

۵۹ شعلہ طور۔ ''کانپور، محلّہ گلشن بازار، مکان پورن داروغہ ہفتہ وار۔ ۸ ورق اوسط۔ مالک جمنا پرشاد ایڈیٹر حیدر علی، پرنٹر ابراہیم بیگ از مطبع شعلہ طور، اجرا ۱۸۶۰ء۔''

۶۰ اخبار عالم۔ ''شہر میرٹھ محلّہ کمبوہ دروازہ۔ حویلی ناصر الدولہ اشفاق حسین خاں صاحب بہادر۔ مجارہ منشی وجاہت علی خاں مرحوم ہفتہ وار۔ ۸ ورق اوسط، یوم پنج شنبہ مالک حکیم مقرب حسین خاں صاحب فنی ایڈیٹر منشی عبدالحکیم از مطبع دارالعلوم اجرائے ۱۸۶۱ء۔''

۶۱ آگرہ ایجوکیشنل گزٹ۔ ''آگرہ، محلّہ نئی بستی، عشرہ وار-۱۰، ۲۰، ۳۰ کو شائع ہوتا ہے۔ ''عبارت سلیس'' مطلب نفیس، جو تحریر ہے دل پذیر ہے آزادانہ تقریر ہے۔ ہر معاملات میں تحریر صاف ہوگی۔ خواہش انصاف ہوگی، اور سچ پوچھو تو ہندوستان میں آزادی کا پھیلانا ہے اخبار نویسی تو صرف ایک بہانہ ہے۔ جتنے اخبار نامی گرامی اردو ہندی بہ توجہ گورنمنٹ کالج میں آتے ہیں ان کے آزادانہ، بے باکانہ آرٹیکل بے کم وکاست ترجمہ ہوتے ہیں۔ مالک اس کے مولوی خواجہ یوسف علی مدرس اوّل عربی آگرہ گورنمنٹ کالج مہتمم منشی امیر لدین مدرس آگرہ کالج اجرا ۱۸۶۹ء۔''

۶۲ قسیسن۔ عالم دین نصاریٰ

۶۳ قاضی ابن عربی۔ ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ کو اسپین کے ایک شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ اہل اندلس انھیں ابن سراقہ بھی کہتے تھے۔ ان کا پورا نام محی الدین محمد بن علی بن محمد العربی بن احمد بن عبداللہ الطائی الحاتمی ہے انھیں شیخ اکبر بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا سلسلہ حاتم طائی سے چلتا ہے۔ عربی زبان کی لغت اور محاورے پر ان کو غیر معمولی قدرت تھی۔ ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کا نچوڑ یہ ہے کہ اس کائنات میں دوئی کوئی شے نہیں ہے کثرت صرف وحدت کی ایک جہت ہے۔ ورنہ سوا خدا کی ذات کے اس کائنات کا خود کوئی وجود نہیں ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد دو سو نواسی تھی جن میں فتوحات مکیہ، فصوص الحکم مطلع الانوار الالٰہیہ، شجرۃ الکون، مشاہدۃ الاسرار وغیرہ مشہور ہیں۔ اٹھہتر سال کی عمر میں ۱۳۴۰ء میں ان کی وفات ہوئی۔ ●●●

مآخذ ومصادر

(اس فہرست میں بعض کتابیں وہ بھی شامل ہیں جن سے صرف
موضوع کی تفہیم میں بالواسطہ طور پر مدد لی گئی ہے)

۱۔ایسٹ انڈیا رجسٹر اینڈ آرمی لسٹ	بوڈلین لائبریری	آکسفورڈ یونیورسٹی	
۲۔احکام طعام اہل کتاب	سرسید	نول کشور پریس، کانپور	۱۸۶۸ء
۳۔اختر شاہنشاہی	سید محمد اشرف نقوی	اختر پریس، لکھنؤ	۱۸۸۸ء
۴۔اخبار سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ		۳/مارچ تا ۲۸/دسمبر	۱۸۶۶ء
۵۔اخبار سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ		۴/جنوری تا ۲۷/دسمبر	۱۸۶۷ء
۶۔اخبار سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ		یکم/جنوری تا ۳۱/دسمبر	۱۸۶۹ء
۷۔اخبار سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ		۱۸/مارچ تا ۳۱/اگست	۱۸۷۰ء
۸۔اخبار سین ٹیفک سوسئٹی علی گڑھ		۶/جنوری تا ۲۹/دسمبر	۱۸۷۱ء
۹۔اردو کے غیر مذہبی سفرنامے	ڈاکٹر بشریٰ رحمٰن	گورکھپور	۱۹۹۹ء
۱۰۔اردو ادب میں سفرنامے	ڈاکٹر انور سدید	مغربی پاکستانی اردو اکیڈمی، لاہور	
۱۱۔اردو سفرنامے انیسویں صدی میں	ڈاکٹر قدسیہ قریشی	دہلی	۱۹۸۰ء
۱۲۔انگریزی عہد میں ہندوستان کے تعلیم کی تاریخ	عبداللہ یوسف علی	ہندوستانی اکیڈمی، الٰہ آباد	۱۹۳۶ء
۱۳۔انتخاب مضامین ذکاء اللہ	مرتبہ: اصغر عباس	اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ	۱۹۸۳ء
۱۴۔آثار الصنادید طبع اوّل ۱۸۴۷ء نیا ایڈیشن	سرسید	سرسید اکیڈمی، مسلم یونیورسٹی	۲۰۰۷ء
۱۵۔آثار الصنادید طبع دوم ۱۸۵۴ء نیا ایڈیشن	سرسید	سرسید اکیڈمی، مسلم یونیورسٹی	۲۰۰۷ء

۱۶۔تسہیل فی اعمال جر الثقیل	سرسید	آرفن پریس، آگرہ	۱۸۴۴ء
۱۷۔تہذیب الاخلاق	سرسید		۹۷۔۱۲۹۸ھ
۱۸۔تاریخ صحافت اردو	امداد صابری	حسن زماں پبلشرز، کلکتہ	
۱۹۔تہذیب الاخلاق		علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (جولائی)	۲۰۰۸ء
۲۰۔دہلی اینڈ اٹس نیبر ہوڈ		آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا دہلی	۲۰۰۱ء
۲۱۔دی لائف اینڈ ورکس آف سید احمد خاں	جی۔ایف۔آئی گراہم دہلی		۱۹۷۴ء
۲۲۔داستان تاریخ اردو	حامد حسن قادری	دہلی	۲۰۰۷ء
۲۳۔دستاویزات محسن الملک	مرتبہ: اقبال حسین	سرسید اکیڈمی، مسلم یونیورسٹی	۲۰۰۶ء
۲۴۔رسالہ خیر خواہ مسلمانان	سرسید	میرٹھ	۱۸۶۰ء
۲۵۔روئداد سین ٹیفک سوسائٹی	سید احمد خاں	پرائیویٹ پریس، غازی پور	۱۸۶۴ء
۲۶۔سید احمد خاں۔خلیق احمد نظامی	ترجمہ: اصغر عباس	پبلی کیشن ڈویژن حکومت ہند دہلی	۱۹۶۹ء
۲۷۔سید محمود پیپرز	مرتبہ: اقبال حسین	سرسید اکیڈمی، مسلم یونیورسٹی	۲۰۰۶ء
۲۸۔سرسید کی تعزیتی تحریریں	مرتبہ: اصغر عباس	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۲۰۰۰ء
۲۹۔سرسید اقبال اور علی گڑھ	اصغر عباس	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۱۹۸۹ء
۳۰۔سیرت فریدیہ	سرسید	مفید عام پریس، آگرہ	۱۸۹۶ء
۳۱۔سفرنامہ روم، مصر، شام	شبلی	محمڈن پریس، علی گڑھ	طبع دوم
۳۲۔سرسید درون خانہ	پروفیسر افتخار عالم خاں	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۲۰۰۶ء
۳۳۔سرسید کے خطوط	مرتبہ: وحید الدین سلیم	حالی پریس، پانی پت	
۳۴۔صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات	عتیق صدیقی	انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ	۱۹۶۲ء
۳۵۔عجائبات فرنگ	مرتبہ: تحسین فراقی	مکتبہ بکس لاہور	۱۹۸۳ء
۳۶۔علی گڑھ میگزین علی گڑھ نمبر	مرتبہ: نسیم قریشی	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	۱۹۵۵ء
۳۷۔علی گڑھ میگزین خواتین نمبر	مرتبہ: نوید انجم	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	۲۰۰۲ء

۳۸۔علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مع پروگریس		۵رجنوری تا ۲۹ردسمبر	۱۸۷۷ء
۳۹۔علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مع پروگریس		۳رجنوری تا ۲۸ردسمبر	۱۸۸۰ء
۴۰۔علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مع پروگریس		یکم رجنوری تا ۳۱ردسمبر	۱۸۸۱ء
۴۱۔غیاث اللغات		نول کشور، لکھنؤ	۱۹۱۲ء
۴۲۔فوائد الافکار فی اعمال الفرجاَ	مرتبہ: سرسید	مطبع سید الاخبار، دہلی	۱۸۴۶ء
۴۳۔فرہنگ عامرہ	عبداللہ خویشگی		
۴۴۔کلاسیکی ادب کی فرہنگ	رشید حسن خاں	انجمن ترقی اردو ہند، دہلی	۲۰۰۳ء
۴۵۔کیمبرج بایوگرافیکل ڈکشنری			
۴۶۔لغت اسٹنگاس		دہلی	۱۹۹۲ء
۴۷۔لفظیات	خالد حسن قادری	دہلی	۲۰۰۵ء
۴۸۔مسافران لندن	مرتبہ: شیخ اسمٰعیل پانی پتی	مجلس ترقی ادب، لاہور	۱۹۶۱ء
۴۹۔میموائرس آف سید امیر علی	مرتبہ: سید رضی واسطی	لاہور	۱۹۶۸ء
۵۰۔مکتوبات سرسید	مرتبہ: شیخ اسمٰعیل پانی پتی	مجلس ترقی ادب، لاہور	۱۹۵۹ء
۵۱۔مکاتیب سرسید احمد خاں	مرتبہ: مشتاق حسین	فرینڈس بک ہاؤس، علی گڑھ	۱۹۶۰ء
۵۲۔محی الدین ابن عربی حیات و آثار	ڈاکٹر محسن جہانگیری		
(ترجمہ: احمد جاوید۔ سہیل عمر)		ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور	۱۹۸۹ء
۵۳۔ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں	عتیق صدیقی	انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ	۱۹۵۷ء
۵۴۔ہندوستانی مسلمان آئینہ ایام میں	ڈاکٹر سید عابد حسین	مکتبہ جامعہ، نئی دہلی	۱۹۶۶ء
ویبٹرس بایوگرافیکل ڈکشنری			
۵۵۔یادایام	عبدالرزاق کانپوری	عبدالحق اکیڈمی، حیدرآباد	۱۹۴۶ء

●●●

اصغر عباس

سرسید کی صحافت: سید احمد خان

سرسید کی تعزیتی تحریریں: سرسید اقبال اور علی گڑھ

انتخاب مضامین علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ: اردو کا جمالیاتی ادب اور علی گڑھ

انتخاب مضامین ذکاء اللہ دہلوی: رشید احمد صدیقی آثار و اقدار

عرفان سید حامد: سردار جعفری شخصیت اور فن

ارمغان آل احمد سرور

مقدمہ آثار الصنادید- سرسید (طبع اوّل) ۱۸۴۷ء (طبع تازہ)

مقدمہ آثار الصنادید- سرسید (طبع دوم) ۱۸۵۴ء (نیا ایڈیشن)

مقدمہ خطبات احمدیہ سرسید (طبع تازہ)

مقدمہ آئین اکبری مرتبہ سرسید (نیا ایڈیشن)

مقدمہ تاریخ فیروز شاہی مرتبہ سرسید (نیا ایڈیشن)

مقدمہ تزک جہانگیری مرتبہ سرسید (نیا ایڈیشن)

مقدمہ تبین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علیٰ ملۃ الاسلام- سرسید (نیا ایڈیشن)

مقدمہ سلکٹیڈ اسسیز آف سرسید- مترجم: محمد حمید اللہ

مقدمہ سلکٹیڈ لٹرس آف سرسید- مترجم: محمد عبدالمنان

مقدمہ سلکٹیڈ لکچرس آف سرسید- مترجم محمد عبدالمنان

مقدمہ دستاویزات مسلم ایجوکیشنل، کانفرنس جلد: اوّل- مرتب: پروفیسر اقبال حسین

مقدمہ جسٹس سید محمود پیپرس- مرتب: پروفیسر اقبال حسین

مقدمہ دستاویزات محسن الملک- مرتب: پروفیسر اقبال حسین

مقدمہ دستاویزات مسلم ایجوکیشنل کانفرس جلد: دوم- مرتب پروفیسر اقبال حسین